# ہندو مرثیہ گو شعراء

تحقیق و ترتیب

پروفیسر اکبر حیدری کشمیری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# ہندو مرثیہ گو شعراء

تحقیق و ترتیب


پروفیسر اکبر حیدری کشمیری

(پی ایچ ڈی، ڈی لٹ)



ناشر

شاہد پبلی کیشنز، نئی دہلی ۲۔

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | ہندو مرثیہ گو شعراء |
| مصنف | : | ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری |
| سن اشاعت | : | ستمبر 2004 |
| تعداد اشاعت | : | 1000 |
| طباعت | : | ایلائڈ ٹریڈرس، نئی دہلی |
| قیمت | : | -/350 روپے |
| کمپوزنگ | : | افراح کمپیوٹر سنٹر نئی دہلی |
| باہتمام | : | ڈاکٹر شاہد حسین، نئی دہلی ۔۲ |

نگراں

ڈاکٹر ظفر حیدری

ملنے کے پتے:

پروفیسر اکبر حیدری کاشمیری

ہمدانیہ کالونی ۔ بمنہ ۔ سری نگر ۔ 190018 (کشمیر)

فون: 0194- 2491187

شاہد پبلی کیشنز ۔ 2253 ریشم اسٹریٹ، کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی ۔۲

فون: 011-55394044

کتب خانہ انجمن ترقی اردو، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی

ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی ۔۲

121 ۔ نیا گاؤں (ایسٹ) لکھنؤ

# انتساب

مرثیہ فاؤنڈیشن کراچی کے نام
جس نے
انتہائی خلوص کے ساتھ فروغ مرثیہ
کا جال مشرق سے مغرب تک
پھیلایا ہے۔

اکبر حیدری کشمیری

# فہرست

---

# حرفِ چند

اس کتاب کا مسودہ بارہ سال قبل ڈاکٹر سید کلب صادق سلمہ نے کراچی کے ایک سرمایہ دار اور صنعت کار جناب ہادی عسکری مالک محمدی ایجوکیشن اینڈ پبلی کیشن کو ان کی گذارش پر اشاعت کے لیے لکھنؤ میں سپرد کیا تھا۔ مسودہ کئی مرتبہ کمپوز ہو چکا تھا اور میں نے اس کی مکمل پروف ریڈنگ بھی کی تھی۔ عسکری صاحب اپنے سہ ماہی رسالہ ''رثائی ادب'' میں بھی اشتہار شائع کرتے رہے کہ کتاب ''ہندو مرثیہ گو شعراء'' اب کی محرم (۱۹۹۸ء) میں منظر عام پر آئے گی۔

غالباً ۱۹۹۹ء میں ڈاکٹر صاحب اور عسکری صاحب کے درمیان کسی معاملے پر ٹھن گئی اور دونوں کی پرانی دوستی گہن میں آ گئی۔ اس کا نزلہ مجھ پر یوں گرا کہ عسکری صاحب نے کتاب چھاپنے اور مسودہ واپس کرنے سے انکار کیا۔ آخر کار سال گزشتہ سید اقبال حسین کاظمی موسس مرثیہ فاؤنڈیشن کراچی کئی سال مسلسل جدوجہد کرنے کے بعد مسودہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ موصوف اسے مرثیہ فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام شائع کرنے کے خواہش مند تھے۔ بہر حال میری درخواست پر انہوں نے فروری میں مسودہ واپس کیا۔ جب میں نے دیکھا تو اس میں سے ایک مرثیہ اور کچھ ضروری یادداشتیں نظر نہ آئیں جو شامل مسودہ تھیں۔ دراصل عسکری صاحب کے پاس مسودہ عرصۂ دراز تک کسمپرسی کی حالت میں رہنے کی وجہ سے تلف ہوئی ہونگیں۔

دریں اثنا سال رواں کی ابتداء میں ڈاکٹر سید تقی عابدی (کینڈا) اپنی کتابوں کی رسم رونمائی کے لیے پاکستان اور ہندوستان تشریف لائے تھے۔ انہوں نے لکھنؤ آنے کی بھی زحمت فرمائی۔ اور مسودہ اشاعت کے لیے اپنے ساتھ لے گئے۔ ادھر میرے کاغذات میں ان یادداشتوں کی کچھ چیزیں نکل آئیں جو کراچی میں مسودہ سے کھو گئی تھیں۔ اب یہاں ذیل

میں درج کرتا ہوں۔

۱۔ مخطوطہ نمبر ۶۵۸ (شعبۂ مخطوطات آزاد لائبریری علی گڑھ)

مخطوطے میں کسی پرانے ہندو مرثیہ گو شاعر تخلص ''ہون'' کا ایک مرثیہ ہے۔ اس کے اوپر ''مرثیہ ہون بھاشا'' اور خاتمے میں ''چومصرع ہندی مرثیہ'' لکھا ہوا ہے۔ اس میں ۲۸ بند ہیں۔ دو بند پیش خدمت ہیں ۔

اصغرؑ بھیا نظر پڑت ہے جھولا تمہرا جون گھڑی — چھاتی پھاٹت ہے مورے بھیا تم بن موہ دکھیا کی
آنگن سونا ہوئے رہا ہے اوجھڑ لاگت ہے بکھری — اصغرؑ بھیا کب آلیو بہنے بیر مناوت ہے

---

صغرا بی بی کے شیون کا کون ہے پورا سن دیا — چودہ طبق پڑے رووت ہیں ہوش چھپائے رہو بھیا
نبیؐ جی کے نائب علیؑ جی صاحب گھیر کے او کھڑیا — مدت کریں ہر آن ہوں ہون تورے مرثیہ تو کہاوت ہے

میری رائے میں یہ مرثیہ برج بھاشا اور کھڑی بولی میں ہے۔ مشہور مرثیہ گو سکندر نے بھی اس زبان میں کئی مرثیے کہے ہیں جو مہاراجکمار مرحوم (قیصر باغ۔ محمود آباد ہاؤس لکھنؤ) کے پاس موجود تھے۔ ایک مخطوطہ زیر نمبر ۲۵۷ ہے۔ اس میں ''مرثیہ مثمن بزبان ہندی شہر بانو کا ہندی بولی میں بین کرنا'' موجود ہے۔ آخر میں اس طرح کا ترقیمہ ہے۔

''مالک ایں مرثیہ سلامت علی شاگرد میر انیسؔ مرقومہ بتاریخ ۷ ربیع الثانی ۱۲۵۱ ہجری''

مرثیہ میں ۳۰ بند ہیں۔ ذیل میں مقطع درج کیا جاتا ہے ۔

اب آگے کچھ کہا نہ جاوے مُو سے حال حرم کا — مورے چتا میں یو آوے بھیس بنا ماتم کا
بیٹھ محباں آگے بانچوں یا مرثیہ غم کا — بہت رلاون رووں پیٹوں نہیں بھروسہ دم کا
کہت فقیر غریب سکندر ہوں تمہرے بلہارا — یاں رکھئے پت موری سرورؑ واں کیجئے سہارا
روزِ جگ کے تم دھنی مانگو کا دوار — بھیک تمہارے دوار سے مانگت ہے سنسار

اردو کے مشہور شاعر کنور سین تخلص مضطر تھے۔ ان کا ذکر پرانے تذکروں میں ملتا ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی صاحب کے بے مثل کتب خانے میں مراثی کی جلد ۱۹ میں نمبر ۷ کے تحت مضطر کا ایک مرثیہ ہے۔ مطلع یہ ہے

زخمی جورن میں مالک کون ومکاں ہوا ۳۲ بند

مخطوطہ نمبر ۶۲۷ ( آزاد لائبریری علی گڑھ ) میں ذیل کے دو شعر بھی درج ہیں ۔

صورت تمہاری ملتی ہے زینبؑ کی شکل سے بولی یہ ہند شاہ کی خواہر کو دیکھ کر
مضطر یہ آرزو ہے مجھے کربلا میں جا روؤں میں خوب روضۂ سرور کو دیکھ کر

ایک اور مخطوطہ زیر نمبر ۶۱۹ ہے۔ اس کے ورق ۸۳ میں فصیحؔ کے بارے میں ایک اہم تحریر ہے۔
''مرزا فصیحؔ کی نجف اشرف میں تاریخ ورود''

تاریخ کی جو فکر کی ہاتف نے دی صدا ''یہ مدح خواں شہ کا سب اچھا کلام ہے''
۱۲۲۸ ہجری ( ۱۸۱۳ء )

قیامِ حیدر آباد کے زمانہ میں مجھے سالار جنگ میوزیم کے کتب خانے میں راجہ چندولال تخلص شادان کے مرثیے دستیاب ہوئے تھے۔ ایک مرثیہ ۴۳ بند پر مشتمل ہے۔ مطلع یہ ہے ۔

دیار شام میں جب قیدیوں کو شام ہوئی

رثائی ادب میں ایک کمی ضرور رہ جاتی کہ ہندو شعراء نے واقعۂ کربلا سے متاثر ہوکر مرثیے کہے۔ لیکن سکھ برادری کے لوگ اس سانحۂ عظیم پر خاموش رہیں۔ اس کمی کو ہمارے دوست عرفاں ترابی نے پورا کیا۔ انہوں نے ''نوائے مقتل'' کے نام سے ایک کتاب ترتیب دی جس میں اردو سکھ شعراء کے مرثیے اور دانشوروں کی اہم تحریریں یکجا کی ہیں۔

الغرض یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر شہرۂ آفاق ماہر انیسیات و دبیریات ڈاکٹر سید تقی عابدی (ایم ۔ ڈی) کینڈا زیر نظر کتاب ''ہندو مرثیہ گو شعراء'' کی اشاعت کا بیڑا نہ اٹھاتے تو یہ مسودہ جو امتداد زمانہ کے باعث گھس گیا اور پڑھنے کے قابل نہیں رہا تھا ہمیشہ کے لیے رثائی ادب سے اوجھل رہ جاتا۔ میں ڈاکٹر صاحب کے اس حسن توجہ کا انتہائی ممنون ہوں۔

اکبر حیدری
سری نگر کشمیر

۵ جولائی ۲۰۰۴ء

## لکھنؤ

ہر دل ہے عندلیبِ گلستانِ لکھنؤ
رضواں بھی ہے اِرم میں ثنا خوانِ لکھنؤ
گلزارِ مومنیں ہے زہے شانِ لکھنؤ
نعرے علیؑ علیؑ کے ہیں قربانِ لکھنؤ
کیوں سرخرو نہ ہو یہ چمن سبزوار ہے
دیکھو کہ اس خزاں پہ بھی ایسی بہار ہے

(انیسؔ)
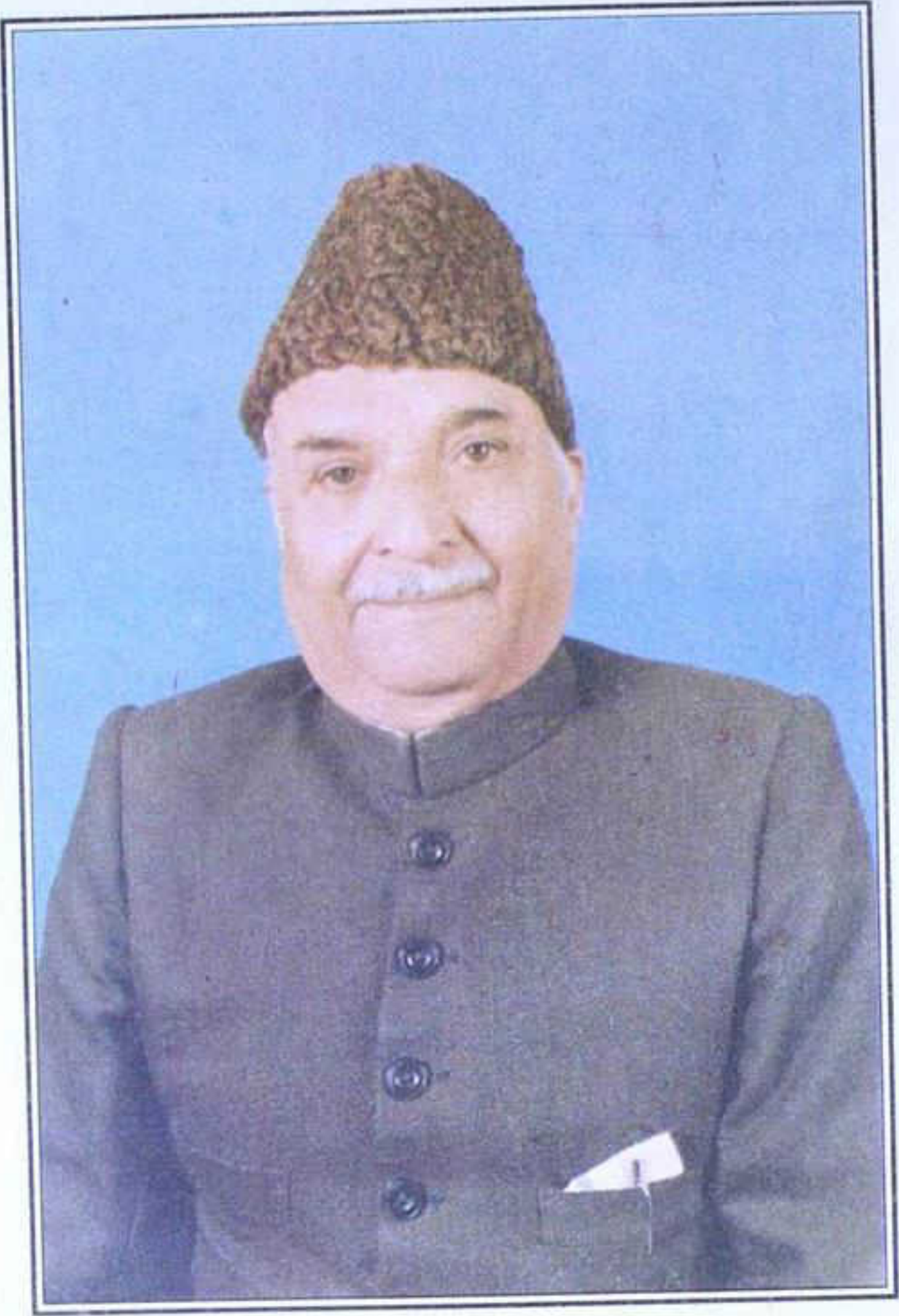
ڈاکٹر اکبر حیدری

(مصنف کتاب)

# مقدمہ

## اکبر حیدری

اردو مرثیہ لکھنؤ کی تہذیب وتمدن کی جان ہے۔ اسے دنیائے ادب میں ایک انفرادی مقام حاصل ہے۔ اس صنف میں جس قدر لٹریچر فراہم کیا گیا ہے اس کی نظیر شاید دنیائے ادب میں کہیں نہیں ملتی ہے۔ مرثیہ مجالس عزا میں پڑھے جاتے ہیں۔ اودھ میں عزاداری کی ابتدا نواب برہان الملک سعادت خان (متوفی ۱۷۳۹ء) کے عہد میں اس وقت ہوئی جب قاضی محمد عاقل نے بابری مسجد کی مرمت کرائی اور پھر انہی کی اجازت سے پاتی شاہ فقیر نے مسجد کے چبوترے پر ایک تعزیہ رکھا اور اس طرح یہاں عشرۂ محرم میں عزاداری کی ابتدا ہوئی۔ نواب موصوف کے انتقال کے بعد ان کے داماد نواب صفدر جنگ (متوفی ۱۷۵۴ء) کے زمانے میں فیض آباد میں تعزیہ داری کے لیے امام باڑے تعمیر ہونے لگے۔ ان کی بیوی صدر جہاں بیگم (متوفی جون ۱۷۹۶ء) نے موتی باغ کے عقب میں ایک عالی شان امام باڑہ اور مسجد تعمیر کی۔ ان دونوں تعمیرات کے آثار فیض آباد میں اب تک موجود ہیں۔ دونوں عمارتیں ۱۷۶۴ء میں بنائی گئی تھیں۔ نواب شجاع الدولہ (متوفی ۱۷۷۵ء) نے بھی اپنی بیوی نواب بہو بیگم (متوفی ۱۸۱۵ء) کے لیے فیض آباد میں حرم سرا موتی محل میں ایک شاندار امام باڑہ تعمیر کیا تھا۔ اس کی شہ نشین اور دالان کی دیواریں اب تک موجود ہیں۔

نواب بہو بیگم دل وجان سے عزاداری میں منہمک رہتی تھیں۔ ہر سال عشرۂ محرم میں بھتیجوں کے گھر جایا کرتی تھیں اور تعزیے کی زیارت کے بعد اپنے محل میں واپس آتی تھیں۔ ان کے میاں نواب شجاع الدولہ بہادر بھی نہایت ہی احترام اور حسن عقیدت کے ساتھ عشرۂ محرم مناتے تھے۔ موصوف جب ۱۷۶۰ء میں پانی پت کی مہم کے سلسلے میں دلی میں مقیم تھے تو انہی دنوں محرم بھی آ گیا۔ وہ محرم میں سیاہ پوش ہوئے اور سیاہ پوش ماتم داروں کے ساتھ ماتم

کرتے ہوئے احمد شاہ بادشاہ کی فرودگاہ کے سامنے گزرے۔ ان کے کندھے پر علم تھا اور وہ ماتم کرتے جاتے تھے۔ مولف عمادالسعادت (ص ۸۳) کے الفاظ تاریخ میں اس طرح مقید ہیں:-

''سیہ پوش شدن نواب والا قدر است۔ درمحرم الحرام وگذشتن با جماعہ سیہ پوشان از پیش درخانہ بادشاہی بایں ہیہات کہ ہریک از انہا سرو پا برہنہ علم بردوش گرفتہ سروسینہ می زد۔ نواب ہم بہ ہمیں صورت شریک حال شاں بود۔''

نواب شجاع الدولہ کی عزاداری کی تائید مولف ''حیات حافظ رحمت خاں'' (ص ۲۵۷) سے بھی ہوتی ہے کہ علی گڑھ کے قصبے جلالی میں امام بارہ سید شاہ خیرات علی میں نواب موصوف اور نواب مظفر جنگ نے مشہور مرثیہ خواں چنگاں خاں سے مرثیہ سماعت فرمایا۔

فیض آباد میں جب لوگوں نے دیکھا کہ نواب شجاع الدولہ اور بہو بیگم امام باڑے تعمیر کرنے میں مصروف ہیں تو انھوں نے بھی یہ یادگاریں قائم کیں۔ ان میں نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں (متوفی ۱۸۰۱ء) سرفہرست ہیں۔ وہ نواب موصوف کے خاص مقربین میں سے تھے اور ان کی صاحبزادی نواب سالار جنگ (متوفی ۱۷۸۶ء) کے بھائی نواب مرزا علی خاں افتخار الدولہ سے منسوب تھیں۔ نواب سرفراز الدولہ فیض آباد میں مجلسیں کیا کرتے تھے۔ ان کا دستور یہ تھا کہ روز بعد نماز امام باڑے میں ضریح کے سامنے زیارت پڑھا کرتے تھے اور جتنی مدت تک فیض آباد میں رہتے عزاداری میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے۔ انھوں نے یہاں ایک عالی شان امام باڑہ بھی تعمیر کیا تھا۔ جس کی زیارت کرنے لوگ آتے تھے۔ سودا نے امام باڑے میں علم کی استادگی کی تاریخ کہی

چل قلم کہہ حسن رضا خاں سے ۔۔۔ در دولت سرا جو تیرا ہے
ہے عجب طرح کی زیارت گاہ ۔۔۔ جس سے تحصیل دین و دنیا ہے
ہاں علم نذر حضرت عباس ۔۔۔ صدق دل سے ترا جو برپا ہے
اس سبب کل زمین اس گھر کی ۔۔۔ بہ نظر سر بہ عرش اعلیٰ ہے
اے خوشا حال وہ کہ اس سے نذر ۔۔۔ مخلصی آخرت کی سمجھا ہے
شادرہ آفتاب محشر کی ۔۔۔ کیا تمازت سے تم کو پروا ہے

سال تاریخ اس علم کی ہے یہ
سر ترے سایا اس علم کا ہے
۱۱۷۹ ہجری = ۱۷۶۵ء

فیض آباد میں جواہر علی خاں نواب بہو بیگم کے نامور خواجہ سرا تھے۔ ان کے دم خم سے وہاں بڑی مذہبی رونق تھی۔ وہ بہو بیگم کے خزانے کے وزیر تھے۔ بیگم انھیں نواب ناظر کہتی تھیں۔ اور اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں۔ انھوں نے فیض آباد میں کئی عمارتیں بنائی تھیں۔ ان میں ان کی حویلی قابل ذکر ہے۔ میر حسن نے ایک مثنوی ''قصر جواہر'' کے نام سے حویلی کی تعریف میں کہی۔ ذیل کے اشعار ان کے کردار پر روشنی ڈالتے ہیں۔

سلامت رکھے ان کو پروردگار — کہ بنگلے میں ہے اس کے دم سے بہار
اسی سے یہ سرسبز ہے سرزمیں — کہ ہیں ساتھ اس کے بہت مومنیں
جواہر علی خاں ہو اور یہ دیار — کہ بنگلے نے اس کو کیا سبزدار
نماز جماعت کا ہوتا قطار — گلستان دین نبی کی بہار
پئے تہنیت مومنوں کا ہجوم — ہر اک دم میں اٹھ اٹھ کے ملنے کی دھوم

ایک اور جگہ میر حسن کہتے ہیں۔

نہیں ہے جگہ مجھ کو جوش و خروش — وہ ہے اس گھرانے کا حلقہ بگوش
موالی جو ہیں اس کے صحبت نشیں — سبھی شیعہ ہیں اور سبھی مومنین
یہ ہیں دوستدار علی ولی — نگہباں رہے ان کا احمدؐ، علیؑ

جواہر علی خاں بلند کردار کے حامل تھے۔ نماز پنجگانہ کے سخت پابند تھے اور معمول کے مطابق روز نماز صبح کے بعد قرآن شریف کا ایک پارہ ختم کرتے تھے۔ اور پھر کوچہ میں بیٹھ کر ائمہ معصومین کے مصائب سنتے تھے۔ دو پہر میں نماز اور قرآن کی تلاوت کے بعد تیر اندازی کی تفریح کرتے تھے۔ انھیں آل رسول کی بے پناہ عقیدت تھی۔ عزاداری پر دل و جان سے قربان تھے۔ اور مرثیہ کے دلدادہ تھے۔ بقول مورخ محمد فیض بخش (تاریخ فرح بخش ص۳۵۲) جواہر علی خاں ۷ محرم کی مجلس میں بہار علی خاں کے مکان میں مرثیہ سنتے تھے اور جب مرثیہ خوانی ختم ہوئی تو وہ کھڑے ہو کر ماتم کرنے لگے۔

جواہر علی خاں نے نواب شجاع الدولہ کی زندگی میں فیض آباد میں کاٹھ کا ایک وسیع امام باڑہ بنایا تھا۔ اس میں بڑے جوش وخروش سے عزاداری کی جاتی تھی اور مرثیے پڑھے جاتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد داراب علی خاں خواجہ سرا نے اس میں توسیع کی اور اسے پختہ بنایا۔ یہ توسیع ۱۲۱۴ھ (۱۷۹۹ء) میں ہوئی تھی۔ اس وقت یہ فیض آباد کا سب سے بڑا امام باڑہ ہے۔ راقم الحروف نے اسے ۱۹۶۶ء میں دیکھا تھا۔ شجاع الدولہ کے عہد سے آج تک اس میں عزاداری جاری ہے۔ اس کی شہ نشیں پر ایک بہت بڑی ضریح ہے جو آج تک یادگار ہے۔ ضریح کے علاوہ یہاں اسی زمانے کا ایک بہت بلند لکڑی کا منبر ہے۔ ایسا منبر اودھ کے کسی امام باڑے میں شاید ہی ہوگا۔ امام باڑے کے بیچ میں جواہر علی خاں اور داراب علی خاں کی دو قبریں بھی موجود ہیں۔ جواہر علی خاں کی قبر پر یہ تاریخ ہے۔

آں جواہر کہ بود صاحب نام    کرد در زیر خاک، چوں آرام
سال فوتش جناں بگفت سروش    گشت مدفون بزیر پائے امام

۱۲۱۴ ہجری (۱۷۹۹ء)

داراب علی خاں کی قبر پر یہ تاریخ کندہ ہے ۔

داشت داراب علی خاں ناظر    نورِ ایماں درشادتِ دِل
شد رواں ہفتم ماہ شوال    سوئے مشکوئے بقا محمل
بس نجیب اند حزیں از فوتش    زانکہ بود از نجباء محفل

۱۲۳۳ ہجری (۱۸۱۸ء)

اوپر کی ان باتوں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ فیض آباد میں نواب شجاع الدولہ کے زمانے میں لوگوں کا رجحان عزاداری اور مرثیہ گوئی کی طرف کس قدر مانوس اور موزوں تھا۔ وہاں مجلسیں ہوتی تھیں اور مرثیے پڑھے جاتے تھے۔ جن شعراء نے مرثیے میں مہارت حاصل کی تھی ان میں سے چند یہ ہیں۔

افسردہ (مرزا پناہ علی) میر امانی، خلق (میر احسن خلق) خلیق (میر مستحسن) جرأت (میاں قلندر بخش) حسن (میر حسن)، درخشاں (مرزا منکو بیگ) سودا (مرزا رفیع سودا) صبر (میر محمد علی سکندر علی) ضاحکؔ (میر ضاحک) فغاںؔ (اشرف علی خاں) گمان (نذر علی) مقبل

(اکبر علی خاں) گدا (مرزا گدا علی)

نواب شجاع الدولہ بہادر کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے نواب آصف الدولہ بہادر ۲۷ سال کی عمر میں فیض آباد میں آخری ذی قعدہ ۱۱۸۸ھ (۱۷۷۵ء) کو مسند وزارت پر رونق افروز ہوئے۔ انھوں نے تخت نشینی کے کچھ ہی دنوں کے بعد فیض آباد کے بجائے لکھنؤ کو دارالحکومت قرار دیا۔ اس سے قبل لکھنؤ کی کوئی رونق نہ تھی اور پھر اسی زمانے میں یہ شہر اودھ کا دارالقرار ہوگیا۔ نواب موصوف کی حکومت سے پہلے لکھنؤ دیہات سے بھی ابتر تھا۔ یہاں کی زمین پست و بلند تھی۔ بازار گلی کوچے نہایت ہی تنگ اور محدود تھے۔ میر حسن مثنوی گلزار ارم ص ۱۴۳ میں لکھنؤ کی ہجو میں دارالخلافہ ہونے سے پہلے کہتے ہیں۔

جب آیا میں دیار لکھنو میں — نہ دیکھا کچھ بہار لکھنؤ میں
کیا تھا غم نے از بس دل پہ ڈیرا — لگا اس جا پہ ہر گز دل نہ میرا
زبس یہ ملک ہے بیہڑ پہ بستا — کہیں اونچا کہیں نیچا ہے رستا
سیہ گل سے گلی یوں تر رہے ہے — بغل جس طرح زنگی کی بہے ہے
عجب ہے یاں کی رسم و راہ گندی — گہے پستی ہے اور گاہے بلندی
جو کوئی مدت کو بھولے یہاں گھر — پھر گلیوں میں ٹکراتا وہ در در
چڑھے ہے گومتی جب گرد آکر — حباب آسا بہے پھرتے ہیں سب گھر
سوائے تودۂ خاک اور پانی
یہاں ہر جنس کی دیکھی گرانی

فیض آباد سے لکھنؤ آتے ہی نواب آصف الدولہ شہر کی تعمیر و ترقی کی طرف پوری تندہی کے ساتھ متوجہ ہوئے اور نہایت ہی قلیل عرصے میں اس شہر کو معمور و آباد کیا۔ انھوں نے "شیخن دروازے" سمیت بہت سی حویلیاں گرادیں اور ان کی جگہ نئی وضع کی خوش قطع اور دلچسپ عمارتیں بنوادیں۔ سنگی بارہ دری اور باؤلی والا مکان ان تعمیرات میں مشہور تھے۔ ۱۲۰۷ھ (۱۷۹۲ء) میں اپنے لیے ایک محل بنوایا جو "دولت خانہ آصفی" کے نام سے مشہور تھا۔ میر شیر علی افسوس (متوفی ۱۸۰۸ء) نے آرائش محفل (صفحہ ۱۱۶) میں اس کی تاریخ بنا (دولت خانہ عالی) کہی ہے۔ نواب کا ذاتی خرچ ساٹھ لاکھ روپے سالانہ تھا۔ انھیں فن تعمیرات کا اتنا شوق

تھا کہ ہر روز کوئی نہ کوئی عمارت بنواتے تھے اور پھر اسے ناپسند کرتے تھے۔ اس میں نہ چراغ روشن کیا جاتا تھا اور نہ جھاڑو ہی دی جاتی تھی اور اس طرح کروڑوں روپے تعمیرات پر صرف کرتے تھے (عماد السعادت ص ۱۵۸) مرزا علی لطف (گلشن ہند ص ۱۰) میں لکھتے ہیں:

''بعد چندے اس آب و رنگ گلشن وزارت نے بنگلے سے کوچ کر کے خارستان لکھنؤ کو بہار قدوم سے اپنے رشک شگوفہ زار کشمیر کا کیا۔ لکھنؤ کے تن بے جاں میں گویا جان آئی اور چشم بے نورِ نے بصارت پائی۔ پھر تو آبادی پر شہر کے عرصہ زمیں کا تنگ تھا اور معموری کو اس خراب آبادی کی تشبیہہ سے ہفت اقلیم کی تنگ تھا۔''

مختصر یہ کہ وہ لکھنؤ جو چند دیہات کے مجموعہ سے زیادہ نہ تھا اور جس میں خرابے اور زمین شور کے سوا کسی طرف کچھ نظر نہ آتا تھا۔ بنجر اور بیہڑ زمین اونچے ٹیلے گہرے گہرے نالے ہر طرف دکھائی دیتے تھے کہیں جھاڑیوں سے جنگل کا سماں تھا۔ کہیں پھوس کے چھپروں اور کچے مکانوں سے گاؤں کی کیفیت نظر آتی تھی چند ہی دنوں میں ایک اچھا خاصا شہر بن گیا۔ باغ باغیچے لگے۔ جن میں چار باغ اور عیش باغ اب تک زباں زد عوام و خواص ہیں۔ ہر طرف آبادی پھیلنے لگی۔ بازار قائم ہوئے۔ یحیٰ گنج، وزیر گنج، فتح گنج، علی گنج، حسن گنج، رکاب گنج، دولت گنج، بیگم گنج، ٹکیت گنج، ترمانی گنج، بھوانی گنج، مالک گنج، نواز گنج، تحسین گنج، حسین گنج، ٹھاکر گنج، خدا گنج، ڈالی گنج، خیالی گنج، احاطہ خاں ساماں وغیرہ بن گئے۔ سڑکیں نکل گئیں اور گلی کوچے کنچن برسنے لگا۔ بڑی بڑی کوٹھیاں اور محل سرائیں بنیں اس طرح دیکھتے دیکھتے لکھنؤ زینت البلاد بلکہ جنت آباد بن گیا۔

جب میر حسن آصف الدولہ بہادر کے ابتدائی زمانے میں ۱۷۷۸ء یعنی مثنوی گلزار ارم کی تصنیف سے قبل لکھنؤ گئے تو یہاں کا کچھ اور ہی رنگ دیکھا۔ اس سے پہلے جب نواب شجاع الدولہ بہادر کے عہد میں لکھنؤ دیکھا تھا تو اس کی خوب برائی کی تھی لیکن اب شہر کی تعمیر و ترقی اور گہما گہمی دیکھ کر کہتے ہیں۔

رہے نت آصف الدولہ سلامت ۔۔۔ کہ جس نے کی یہاں طرح اقامت
عمارت کی یہاں وہ اس نے بنیاد ۔۔۔ کہ نظارے سے ہو جس کے جہاں شاد
مٹادی اس نے سب یاں کی کدورت ۔۔۔ بنائی لکھنؤ کی ایک صورت

ایک اور ہم عصر شاعر اکبر علی خاں اکبر (مجمع الانتخاب قلمی از شاہ کمال) لکھنؤ کی تعریف میں کہتے ہیں۔

وہ یعنی جانتے ہیں خاص اور عام — کہ ہے اک شہر جس کا لکھنؤ نام
ثنا اس کی کروں میں اب بیاں کیا — عجب زیر فلک ہے سیر کی جا
وہ ہے کچھ شہر وہاں آباد ایسا — تھا آگے شاہ جہاں آباد جیسا
وہاں رہتے تھے جتنے خاص اور عام — نہ لیتا تھا کوئی افلاس کا نام
تھے اپنے حال میں سب شاد و خرم — کسی شئے کا کسی کو کچھ نہ تھا غم

نواب آصف الدولہ سخاوت میں حاتم دوراں اور جوانمردی میں رستم زماں تھے (خوش معرکۂ زیبا ورق ۷۷) بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ فیاضی کے مقابل میں ذکر سخاوت حاتم طائی قصہ پارینہ ہو گیا تھا۔ (تاریخ آفتاب اودھ قلمی صفحہ ۷۰ لکھنؤ یونیورسٹی) لکھنؤ میں یہ مشہور ہے۔

جس کو نہ دے مولا — اس کو دے آصف الدولہ

اور یہ مثل آج تک زبان زد خاص و عام ہے۔ (خمخانہ جاوید صفحہ ۸۴ جلد اول) رومی دروازے کے لوگ ان کا نام لیے بغیر صبح کو اپنی دکانیں نہیں کھولتے تھے۔ (قیصر التواریخ جلد اول ص ۱۲۱) اور ہندو دکاندار آج تک صبح کو آنکھ کھلتے ہی جوش عقیدت سے کہتے ہیں۔ ''یا آصف الدولہ ولی'' (گذشتہ لکھنؤ صفحہ ۳۹)

نواب آصف الدولہ کے عہد حکومت میں لکھنؤ میں عزاداری جوش و خروش سے جاری تھی اور مرثیہ گوئی کے لیے مخصوص فضا قائم تھی۔ نجم الغنی صاحب تاریخ اودھ صفحہ ۲۷۹ جلد سوم میں کہتے ہیں:

''نواب آصف الدولہ دل و جان سے فدائی اہل بیت تھے۔ تعزیہ داری دھوم دھام سے کرتے تھے جس دکان میں سر بازار تعزیہ ملاحظہ کرتے تو ادھر سے پیادہ پا نکلتے۔ کم سے کم پانچ روپے اور زیادہ سے زیادہ ہزار روپے نذر کرتے تھے۔ کئی لاکھ روپے کا ہر سال محرم میں خرچ تھا۔''

ایک روز ان کی سواری بازار سے نکلی۔ ایک دکان کوزہ فروش کی دیکھی کہ وہاں صرف چھوٹی کوزیاں رکھی ہیں۔ یہ ملاحظہ فرماتے ہوئے چلے گئے۔ اتفاقاً بعد ایک ہفتہ کے پھر اسی راستے سے سواری نکلی اور دیکھا کہ اس دکان میں وہ سب کوزیاں بجنسہٖ رکھی ہیں اور غالباً کوئی

عدد اس میں سے فروخت نہیں ہوا ہے۔ ایک نوکر کو حکم ہوا کہ ان سب کوزیوں کے نہ بکنے کا سبب استفسار کرے۔ دریافت ہوا کہ عشرۂ محرم گزر گیا اور ان کوزیوں میں اطفال کو سبیل کا شربت پلایا کرتے ہیں۔ اب بجز محرم آئندہ کے کوئی ان کو خرید نہیں کرے گا۔ یہ سنتے ہی نواب آصف الدولہ نے حکم دیا کہ یہ سب کوزیاں خرید کر کے شربت کی سبیل لگا کے ان میں شہر کے بچوں کو شربت پلا دو اور آئندہ ہمیشہ یہ سبیل جاری رہے۔ ایسا ہی عمل میں آیا۔ اس کا خرچ کئی ہزار روپے سال تھا۔

بڑا امام باڑہ یا آصفی امام باڑہ ہندوستان میں سب سے بڑا اور عظیم الشان عزا خانہ ہے۔ یہ امام باڑہ ہندوستان کی تہذیب و تمدن اور قومی یک جہتی کی درخشاں علامت ہے۔ ہر سال اس کو دیکھنے کے لیے ہزاروں سیاح آتے ہیں۔ ان میں غیر ملکی سیاحوں کی بھی خاصی تعداد ہوتی ہے۔ یہ لوگ اس بے مثل فن تعمیر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ امام باڑے کی تعمیر کا سبب یہ ہوا تھا کہ اودھ میں ۱۷۸۴ء میں قحط پڑ گیا تھا اور شرفائے لکھنؤ تک قحط کا شکار ہو رہے تھے۔ نواب مرحوم نے رعایا کی مشکلات کو دور کرنے کے لیے امام باڑہ تعمیر کرنا شروع کیا جو ۱۷۹۰ء میں مکمل ہوا اور اسی سال اس میں تعزیے رکھے گئے۔ امام باڑے کی تکمیل کی تاریخ یہ ہے۔

وزیر ہند سلیماں جناب آصف جاہ — ہژبر جنگ خدیو جہاں کلاہ کبار
رفیق گشت چو توفیق حق بنا کردش — امام باڑہ گردوں بسان ہشت آثار
بگوش اہل جہاں گفت عقل تاریخش — رواق عرش جناب آئمہ اطہار

۱۲۰۵ھ ۱۷۹۰ء

بہت لوگوں نے اپنی تاریخوں اور کتابوں میں امام باڑے کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ شاعروں نے بھی کئی شاہکار نظمیں اس کے فن تعمیر پر کہی ہیں۔ سرشار نے فسانہ آزاد میں اس کی گہما گہمی بیان کی ہے۔ نادر کاکوروی اور چکبست لکھنوی وغیرہ نے شہرۂ آفاق نظمیں کہی ہیں۔

امام باڑہ نواب آصف الدولہ کے زمانے سے آج تک عزاداری کا مظاہرہ کر رہا ہے۔ ان کے عہد میں یہاں بڑی دھوم دھام سے مجلسیں ہوتی تھیں جن میں اس زمانے کے مشہور و معروف مرثیہ گو نو تصنیف مرثیے پڑھتے تھے۔ نواب مرحوم امام باڑے میں ہر سال مجلسوں میں شرکت

کرتے تھے۔ ایام محرم کے علاوہ ہر پنجشنبہ مجلس منعقد کی جاتی تھی۔ عشرۂ محرم کو ملا محمد خطی مرثیہ پڑھتے تھے۔ یہ رونق نواب کے بعد بھی قائم رہی۔ آج کل بھی یہاں مجلسیں ہوتی ہیں۔ ۶ محرم کو آگ کا ماتم ہوتا ہے جس کو دیکھنے کے لیے غیر مسلمین کی بڑی تعداد ہوتی ہے اور گورنر بھی شرکت کرتے ہیں۔ نواب کے زمانے سے آج تک ہر سال پہلی محرم کو امام باڑے سے شاہی ضریح مبارک کا جلوس دھوم دھام سے نکالا جاتا ہے جو آخر میں گول دروازے سے ہوتا ہوا حسین آباد کے شاہی امام باڑے میں بڑھایا جاتا ہے۔

عزاداری سے متاثر ہوکر راجہ جھاؤلال (متوفی ۱۸۱۳ء) نے ٹھاکر گنج لکھنؤ میں سڑک کے داہنی طرف ایک شاندار امام باڑہ نواب آصف الدولہ کے عہد وزارت میں تعمیر کیا۔ اس کے آثار اب تک موجود ہیں۔ امام باڑہ کے در اور دیواریں اچھی حالت میں کھڑی ہیں۔ اس میں دھوم دھام سے مجلسیں ہوتی تھیں۔ امام باڑے کے متصل جھاؤلال کی بنائی ہوئی مسجد اب تک اچھی حالت میں موجود ہے۔ جھاؤلال ہمیشہ عزاداری بڑے تکلف سے کرتے تھے۔ جہاں جاتے تھے امام باڑے بناتے تھے۔ (تاریخ اودھ صفحہ ۲۷۴ جلد دوم مولوی نجم الغنی رام پوری)

راجہ ٹکیت رائے نواب آصف الدولہ بہادر کے دیوان تھے۔ وہ بھی دل و جان سے عزاداری کرتے تھے۔ حیدر گنج (حال ٹکیت گنج) میں انھوں نے ایک عالی شان امام باڑہ اور شاندار مسجد تعمیر کی تھی۔ امام باڑہ کھد گیا ہے۔ البتہ ۱۲۰۴ھ (۱۷۸۹ء) والی مسجد جو امام باڑہ کے متصل بنائی گئی تھی اب تک بہتر حالت میں موجود ہے۔ مسجد کی پیشانی پر عمدہ خط نستعلیق میں یہ تاریخ کندہ ہے۔

باقبال وزیر ہند آصف الدولہ — کہ صدر قرب شاہان است با صد قدر جائے او
بلطف سرفراز الدولہ کاں مجموعہ احسان — بکار خالق از خلق حسن باشد رضائے او
بجاہ انتظام الملک امیر الدولہ ذی شان — کہ نوشیروان و حاتم کیست باعدل و سخائے او
مہاراجہ دھراج آں راجہ ٹکیت رائے دریا دل — کہ یکسر در آموز خیر مصروفست زائے او

برائے حق پرستاں کرد چوں تعمیر ایں مسجد
بود "ھذا کعبت اللہ" تاریخ بنائے او

۱۲۰۴ھ (۱۷۹۰ء)

بقول صاحب قیصر التواریخ (ص ۱۵۴ جلد اول) تمام ممالک محروسہ میں ایسا کوئی مقام نہیں تھا جہاں انھوں نے امام باڑے اور مسجدیں نہ بنوائی ہوں۔ ان کے عزیزوں نے بھی جن میں ہلاس رائے تخلص رنگین قابل ذکر ہیں لکھنؤ میں امام باڑے تعمیر کیے تھے (تاریخ اودھ صفحہ ۲۹۶ جلد سوم) غرضیکہ جب تک ٹکیٹ رائے (متوفی ۱۷۹۹ء) زندہ رہے عزاداری کرتے رہے۔
راجہ میوا رام راجہ جھاؤ لال کے عزیز تھے۔ ان کے والد کا نام نول کشور تھا۔ بادشاہ نصیر الدین حیدر نے انھیں انعام و اکرام سے مالا مال کیا تھا۔ افتخار الدولہ کا خطاب دے کر اپنا دیوان مقرر کیا۔ انھوں نے امام باڑہ تعمیر کیا۔ اس میں میر ضمیر اور مرزا دبیر پڑھتے تھے۔ موصوف تعزیہ داری بڑی پابندی کے ساتھ کرتے تھے۔ اور دو تین لاکھ روپے عشرۂ محرم اور ائمہ طاہرین کی وفات پر خرچ کرتے تھے۔ زائرین کربلائے معلیٰ اور حاجیوں کی مدد کرتے تھے۔ آخر عمر میں کربلائے معلیٰ گئے اور وہاں حضرت امام حسین کے روضہ مطہرہ کے کلید بردار ہوئے۔ ماہ ربیع الاول ۱۲۸۴ھ (۱۸۶۷ء) میں کربلا میں ہی انتقال کیا۔ منیرؔ شکوہ آبادی نے ''نظم منیر صفحہ ۵۱۵'' میں تاریخ کہی۔ چند شعر یہ ہیں۔

افتخار الدولہ میوا رام مہراج زمن — والہٗ نام علی و تابع شرع نبیؐ
اکتساب دولت وحج و زیارتہا نمود — شد مقیم کربلا در خدمت سبط نبیؐ
گنج ہائے شائگاں صرف عزا داری نمود — کس ندیدم ہمچو او در لکھنؤ رادو سخی
حالیا رخت سفر بربست درکرب و بلا — ساکن گلزار جنت گشت چوں سرو سہی

سال مرگ اندر صفاتش نظم کردم اے منیرؔ
دیں پناہ و صالح و زوار امیر و متقی

۱۲۸۴ ہجری

اسی طرح امام باڑوں کے علاوہ ہندوؤں نے لکھنؤ میں کربلائیں بنائیں۔ ان میں سے بخوف طوالت صرف ایک ذکر کیا جاتا ہے۔ بادشاہ امجد علی شاہ کے عہد سلطنت میں جگناتھ قوم اگروال داروغہ عمارات تھے۔ وہ ہندو تھے۔ بادشاہ کی طرف سے نواب شرف الدولہ کا خطاب ملا تھا۔ (تاریخ اودھ ص ۳۰ جلد پنجم) انھوں نے ۱۲۶۹ ہجری (۱۸۵۲ء) میں لکھنؤ میں منصور نگر کے قریب امام موسیٰ کاظم کے روضے کی شبیہ لاکھوں روپے خرچ کرکے تعمیر کی۔ جسے

کاظمین کہتے ہیں۔ یہ محلہ اب کاظمین کے نام سے ہی مشہور ہے۔ کربلا میں شاہی زمانے سے اب تک برابر مجلسیں ہوتی ہیں۔ یہاں مہاراجکمار صاحب (محمود آباد) اور راجہ صاحب محمود آباد نو تصنیف مرثیے بھی پڑھتے ہیں۔ ۸/ ربیع الاول کو لکھنؤ میں چپ تعزیہ اٹھتا ہے وہ یہیں آکر ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ عشرے کے دن حسین آباد کی ضریح بھی اسی کربلا میں بڑھائی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں ۱۶ صفر کو ہر سال ایک شاندار زنانی مجلس بھی ہوتی ہے۔ مجلس کے بعد شبیہیں نکالی جاتی ہیں۔ کاظمین واجد علی شاہ سلطان عالم کے عہد میں تعمیر کی گئی۔ مہدی علی خاں ذکی نے تاریخ کہی ہے

زہے سلطان عالم شاہ دوراں — کہ صادق از محبان حسین است
غلام او شرف با دولت و جاہ — محبّ فاتح بدر و حنین است
بخوبی ہائے نیت بیگم او — کہ از دنیا و دینش زیب وزین است
بنا کردست نقل کاظمینے — کہ بہر مومناں چوں قبلتین است

ذکی جستم ز دل سال بنائش
خرد گفتہ مزار کاظمین است

۱۲۶۹ ہجری

شرف الدولہ بڑے خلوص و عقیدت سے عزاداری میں منہمک رہتے تھے۔ ان کا امام باڑہ گھڑیالی میں واقع تھا۔ یہاں ۸ محرم کو حضرت عباس کی حاضری ہوتی تھی۔ امام باڑے میں میر ضمیر اور مرزا دبیر پڑھتے تھے (آب حیات صفحہ ۵۳۷ محمد حسین آزاد) شرف الدولہ کا انتقال نومبر ۱۸۶۱ء میں ہوا اور کاظمین میں دفن ہیں۔

اسی زمانے میں لکھنؤ کے مشہور ہندو رئیس تھے۔ ان کا نام دلارام تھا۔ عزاداری شان و شوکت سے کرتے تھے۔ انھوں نے امام باڑہ واجد علی شاہ کے زمانے میں تعمیر کیا تھا۔ اس میں میر انیس اور ان کے بعد میر نفیس پڑھتے تھے۔

امام باڑوں میں ہندو لوگ تعزیوں کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ انھیں تعزیوں سے بڑی عقیدت تھی۔ خود بھی گھروں میں تعزیے رکھتے تھے۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے ہندوؤں کو عاشور کی دن تعزیے اٹھاتے دیکھا ہے۔ تعزیوں سے ہندوؤں کی عقیدت کے

بارے میں ایک انگریز خاتون مسز میر حسن علی لندنی اپنی کتاب (اوبزرویشنز آن دی مسلمانز آف انڈیا صفحہ ۱۸۔۱۷امرتبہ کرک ۱۸۳۲) میں لکھتی ہیں۔

''ہندوستان میں کسی شیعہ مسلمان کا گھر تعزیہ سے خالی نہیں ہوتا۔ ہندو کو بھی تعزیوں سے کافی عقیدت ہے۔ چنانچہ تعزیہ دیکھ کر یہ لوگ مودبانہ جھک جاتے ہیں۔ مجالس میں ہر مذہب و ملت کے لوگ شریک ہوتے ہیں اور مسلمان انھیں بخوشی بٹھا لیتے ہیں۔ اس طرح امام باڑوں میں بھی ہر مذہب کا آدمی صرف جوتا اتار کر داخل ہو سکتا ہے۔ یہ طریقہ اس قدر عام ہو گیا ہے کہ سوائے یوروپین لوگوں کے کسی اور سے امام باڑے کے باہر جوتا اتارنے کے لیے کہنا بھی نہیں پڑتا۔''

تعزیوں سے ہندوؤں کی عقیدت کی مزید تائید ایک اور مغربی خاتون مس خانی پارکس کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ وہ کہتی ہیں:

''یہ بات قابل ذکر ہے کہ شیعوں کے علاوہ سنی اور ہندو بھی ایام محرم میں اپنے گھروں میں تعزیہ رکھتے ہیں۔ میرا باورچی ایک مجوسی تھا وہ بھی محرم میں تعزیہ پر کم از کم چالیس روپیہ خرچ کر کے ایک پر جوش مسلمان کی طرح عزاداری کے مراسم بجالاتا تھا۔ عاشورہ کے دن اپنے تعزیے کو کربلا میں دفن کرنے کے بعد پھر وہ اپنے دھرم کی پیروی کرنے لگتا تھا۔''

مذکورہ بالا اقتباسات کی مزید تائید مرزا محمد حسن قتیل لکھنوی (متوفی ۱۸۔۱۸۱۷ء) سے بھی ہوتی ہے۔ اپنی کتاب 'ہفت تماشا صفحہ ۱۵۶' میں لکھتے ہیں:

''لکھنؤ میں خدا کے فضل سے ہندو بھی تعزیہ دار، مرثیہ گو اور مرثیہ خوان ہیں اور سنی تو مسلمان ہیں ہی۔ اس سے کیا ہوتا ہے کہ وہ بعض باتوں میں شیعوں سے اختلاف رکھتے ہیں۔''

یہ بات قابل ذکر ہے کہ نواب آصف الدولہ (متوفی ۱۷۹۷ء) کے عہد میں عزاداری اودھ میں دور دور تک پھیلی تھی۔ ان کے زمانے میں گورکھپور میں ایک فقیر سید روشن علی شاہ نے ۱۱۹۴ھ مطابق ۱۷۸۰ء میں امام باڑہ بنایا اور اس میں تعزیہ رکھا۔ ایک دن نواب مرحوم لکھنؤ سے گورکھپور شکار کھیلنے گئے۔ وہاں محرم کا چاند نظر آیا اور فقیر موصوف کو تعزیہ رکھتے ہوئے دیکھا۔ اس پر نواب نے فقیر کو ۱۷۹۵ء میں ۱۶ مواضعات اور نقد چالیس ہزار روپے امام

باڑے اور عزاداری کے اخراجات کے لیے جاگیر میں دیے۔ اس سلسلے میں نواب مرحوم کے کئی پروانے راجہ نواز سنگھ اور جھاؤ لال کے نام شیعہ وقف بورڈ یو۔ پی لکھنؤ کے دفتر میں محفوظ ہیں۔

اسی طرح موضع گوٹ ضلع مراد آباد میں ایک ہندو مسمی بخت مل حیدر نے امام باڑہ تعمیر کیا اور اس میں تعزیہ رکھا۔ نواب موصوف نے ۲۰ جمادی الثانی ۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰ء) کو ایک حکم کے ذریعے موضع گوٹ عرف حیدر گڑھ امام باڑے کے اخراجات کے لیے بخت مل حیدر کو دیا۔ پروانے کا ترجمہ شیعہ وقف بورڈ لکھنؤ نے دیگر دستاویز کے ساتھ سپریم کورٹ میں داخل کیا تھا۔ اور وہ یہ ہے:

"Be it known to the present and future officers of the Pargana of Muradabad that the Village of Goat alias Haider Garh in that Pargana has been granted from the kharif harvest of 1185 F. to Bakht Mal Haider on account of the religious ceremonies of the Imam bara. Let the whole of this village including the Zamindari be given to him and demand no duty nor require a new Sanad annually."

غرضیکہ اردو مرثیہ شاہان اودھ کے زمانۂ اقتدار میں انتہائی عروج کو پہنچا اور ہزاروں مرثیہ گو شعراء نے مرثیہ کہہ کر اردو شاعری کو کہاں سے کہاں تک پہنچایا۔ اور زمین سخن کو بات میں آسمان کر دیا۔ اس صنف کو ہندو شعرا نے بھی سنوارا ہے۔ بعضوں نے تو مرثیہ گوئی میں نام پیدا کر دیا۔ واجد علی شاہ کے عہد میں دیا کشن ریحاںؔ، راجہ الفت رائے، کنور دھنپت رائے محبؔ، رام پرشاد بشیرؔ، مینڈو لال زارؔ، گربخش رائے اور لالہ حسین بخش وغیرہ نے خوب مرثیے کہے۔ ان کے مرثیے لالہ جھنولال دلگیر اور ذہین کایستھ کے مرثیوں کے برابر ہیں۔ یہ لوگ عزاداروں کی طرح مجلسوں میں باادب بیٹھتے تھے۔ خوب گریہ کرتے تھے اور ہزاروں روپے مجلسوں میں صرف کرتے تھے۔ لکھنؤ کی عزاداری کا حال میر انیس نے یوں لکھا ہے ۔

ہر دل ہے عندلیب گلستان لکھنؤ　　　رضواں بھی ہے ارم میں ثنا خوان لکھنؤ
گلزار مومنین ہے زہے شان لکھنؤ　　　نعرے علی علی کے ہیں قربان لکھنؤ
کیوں سرخرو نہ ہو یہ چمن سبز وار ہے
دیکھو کہ اس خزاں پہ بھی ایسی بہار ہے

مجلس کا انتظام اسی شہر پر ہے ختم　　　رونے کا اہتمام اسی شہر پر ہے ختم
یہ آبرو یہ نام اسی شہر پر ہے ختم　　　بس ماتم امام اسی شہر پر ہے ختم
پوچھو جو پھر کے آئے ہیں یاں ہر دیار میں
دیکھا نہ ہوگا ایک گل ایسا ہزار میں

سب عارف حق خلف بوترابؑ ہیں　　　شیدائے نام سبط رسالت مآب ہیں
سرگرم کار خیر شریک ثواب ہیں　　　بے شک یہ کوثری ہیں کہ آنکھیں پُرآب ہیں
روتے ہیں ذکر قتل شہ خوشخصال پر
موتی نثار کرتے ہیں زہرا کے لال پر

ذی علم، نکتہ فہم، سخن سنج و ذی شعور　　　ذی قدر، ذی وقار، فروتن، سخی، غیور
نخوت نہ خود سری نہ تکبر نہ مکرو زور　　　وضعیں درست، قلب صفا اوررخوں پہ نور
کیونکر نہ فرش و عرش پہ یہ نیک نام ہوں
آقا حسین سا ہو تو ایسے غلام ہوں

لکھنؤ کی اسلامی تہذیب و ثقافت کی سرگرمیاں ہندوستان کے اطراف و اکناف میں پھیلی تھیں۔ اس ضمن میں مہاراجہ گوالیار کا نام قابل ذکر ہے۔ وہ ایام عزا سرکاری طور پر مناتے تھے اور زرکثیر تعزیوں پر صرف کرتے تھے۔ کسی زمانے میں اندور کا محرم بھی ہندوستانی تہذیب و قومی یکجہتی کی علامت تھی۔ میرے سامنے اردو کا ایک قدیم رسالہ ''ادیب'' الٰہ آباد بابت مارچ ۱۹۱۱ء کا ہے۔ اس میں ایک مضمون '' اندور کا محرم'' ہے۔ مضمون نگار اردو کے مشہور ادیب سید محمد فاروق ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

''سرکاری تعزیہ ریاست کے اخراجات سے تیار کیا جاتا ہے اور اس کے لیے محل قدیم کے عقب میں گوپال مندر کے محاذی ایک امام باڑہ بنا ہوا ہے جس کی نو تعمیر سنگی چوگوشہ عمارت

دور جدید کی یادگار ہے۔ مکانیت کچھ ایسی زیادہ نہیں تاہم ضرورت کے مطابق گنجائش بہت ہے۔ ہر سیاح کے دل میں امام باڑہ دیکھ کر اس بات کی تفتیش کا خیال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس کے چاروں گوشوں پر جو مینار ہیں ان میں شمالی و مشرقی کونے والا باقی تینوں میناروں سے غیر موزونیت کے ساتھ کیوں زیادہ بلند رکھا گیا ہے۔ میں نے اکثر احباب سے اس کی بابت دریافت کیا مگر کسی سے یہ معمہ حل نہ ہوا۔

سرکاری تعزیہ مخصوص اشخاص کی نگرانی میں تیار ہوتا ہے ۔ اس امام باڑے کے اخراجات کی کفالت ریاست کے خزانے سے ہوتی ہے اور یہاں کے انتظام وغیرہ کے لیے معقول بندوبست کیا جاتا ہے۔ تعزیہ چونکہ بہت بلند اور ارتفاع کی مناسبت سے طویل وعریض ہوتا ہے اس وجہ سے اس کی تیاری میں وقت کے ساتھ محنت و کوشش بھی پوری پوری صرف ہوتی ہے۔ پہلی تاریخ سے امام باڑہ کھلتا ہے۔ اور بیسیوں اشخاص کی شبانہ روز محنت و سعی سے تعزیہ وقت مقررہ پر تیار ہوتا ہے۔ تعزیہ میں علاوہ گنبد کے آٹھ یا نو کھنڈ ہوتے ہیں۔ ہر کھنڈ کو بجائے خود ایک بڑا تعزیہ سمجھنا چاہیے۔ جب اس کے کل ٹکڑے ملا دیے جاتے ہیں تو تعزیہ بہت اونچا ہو جاتا ہے۔ امام باڑہ اس قدر بلند نہیں کہ پورا تعزیہ اس میں آ سکے۔ اس کے اندر جدا جدا ٹکڑے بنائے جاتے ہیں۔ نویں کی رات اور دسویں کے دن کو وہ باہر مکمل حیثیت میں رکھتا جاتا ہے۔ فرماں روایان بلکر کا محل قدیم جس کو ''جونا باڑہ'' کہتے ہیں بہت بلند واقع ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ پیشتر تعزیہ اس کے برابر بنایا جاتا تھا۔ اب اس قدر اونچا تو نہیں ہوتا۔ تاہم بحالت موجودہ بھی دیکھنے والوں کے لیے وہ عجیب چیز ہے۔ اندور کے اور تعزیے جس قدر چھوٹے ہوتے ہیں اتنا ہی یہ بڑا ہوتا ہے۔ گویا ان کی تمام کمی یہ پوری کرتا ہے۔ قلعہ کا یہ تعزیہ جو فوج کی جانب سے تیار ہوتا ہے سرکاری تعزیہ سے کسی قدر پست ہوتا ہے لیکن بالکل اسی کے نمونے پر بنایا جاتا ہے۔ اس میں بھی کئی کھنڈ ہوتے ہیں۔ ان دونوں تعزیوں کے گنبدوں میں کوئی نہ کوئی خاص صنعت بھی رکھی جاتی ہے۔ مثلاً اب کی دفعہ یہ تھا کہ چلتے چلتے گنبد غنچہ پستہ کی طرح کھل کر پھول کی صورت کشادہ ہو جاتا۔ اور اس میں سے ایک خوبصورت مور نمودار ہوتا ہے۔ وقفہ

کے بعد پھر بند ہو جاتا تھا۔"

اردو مرثیہ اور عزاداری ہر لحاظ سے قومی یک جہتی کی ایک تابناک مثال ہے جس کے زیر اثر مختلف فرقوں کے لوگوں نے اتحاد و وحدت کے لیے عزاداری سے کام لیا۔ امام حسینؑ کی تعلیم پر مبنی نوع انسان کے لیے قابل تقلید ہے۔ انھوں نے سچائی اور انسانیت کے بلند اصولوں کے تحفظ کے لیے عظیم ترین اور بے مثال قربانی پیش کی۔ وہ آزادی سے رہنا چاہتے تھے۔ جیو اور جینے دو یعنی صلح پسندی ان کا نصب العین تھا۔ وہ فتنہ و فساد اور جاہ و اقتدار سے دور رہنا چاہتے تھے۔ ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دے کر انسان کے لیے ایک اصول مرتب کیا۔ مرثیوں میں انہی زریں اصولوں کا احیا کیا جاتا ہے۔ ہمارے قومی رہنماؤں اور دانشوروں نے حسین کے کردار و عمل کو اپنے لیے مشعل راہ قرار دیا۔ مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، سروجنی نائڈو اور پریم چند وغیرہ نے امام حسین کی بلند ترین قربانی کو شاندار الفاظ میں سراہا ہے۔ گاندھی جی کہا کرتے تھے کہ میں نے کربلا کے ہیرو امام حسینؑ کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے۔ اگر ہم حسینی اصولوں پر کاربند رہیں گے تو ہندوستان کی آزادی ممکن ہوگی۔

اردو مرثیہ کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہندوستانی تہذیب کے عمدہ اور اعلیٰ عناصر محفوظ ہیں۔ مثال کے طور پر۔

زینبؑ کی یہ دعا ہے کہ اے رب ذوالجلال     بچ جائے اس فساد سے خیر النسا کا لال

بانوئے نیک نام کی کھیتی ہری رہے

صندل سے مانگ بچوں سے گودی بھری رہے

صندل اور مانگ کی ہندوستانی عورت میں بڑی اہمیت ہے۔ دونوں عناصر عرب کی عورتوں میں مفقود ہیں۔ اب جب کہ ہندوستانی عورت دعا کے طور صندل اور مانگ کے الفاظ استعمال کرتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو دعا حضرت زینبؑ کرتی ہیں ایسے موقعوں پر وہ محل کی مناسبت سے موزوں ترین ہے۔ میر انیس کا شعر ہندوستانی عورت کے جذبات کا آئینہ دار ہے۔ کسی عورت کا عورت کو دعا دینا کہ مانگ صندل سے بھری رہے اس کا یہ مدعا ہرگز نہیں کہ فی الواقع مانگ میں صندل بھرا ہو۔ بلکہ یہ کہنا ہے کہ سہاگ قائم رہے۔ شوہر

زندہ رہے علاوہ بریں ہندو عورتیں مانگ میں صندل نہیں بلکہ سیندور بھرتی ہیں۔ صندل بطور قشقہ استعمال ہوتا ہے۔ یہ امر قطعاً غیر متعلق ہے کہ عرب عورت اس حالت میں کیا دعا مانگتی جہاں تک ہندوستانیوں کے جذبات کا تعلق ہے یہ دعا بالکل نیچرل ہے اور انیس کے مخاطب ہندوستانی ہیں نہ کہ چین و عرب کے مسلمان (انیس کی مرثیہ نگاری صفحہ ۱۴۱ جعفر علی خاں اثر) اس سلسلے میں ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور (تنقیدی مقالات صفحہ ۲۹۴) بجا طور پر لکھتے ہیں۔

''میر انیس اگر ہندوستانیوں کی نظروں کے آگے ایک عرب عورت کا مکمل نقشہ کھینچ دیتے تو ان کے کلام کو اس قدر مقبولیت نہ ہوتی کیونکہ ہندوستانی، ان کی پیش کردہ ہستیوں کو اپنی چیز نہ سمجھ کر ان سے غیریت برتتے اور یہ مغائرت انھیں ان ہمدردیوں اور اس پر خلوص محبت سے روکے رہتی جو میر انیس کے پڑھنے کے بعد حضرت زہراؑ اور حضرت زینبؑ وغیرہ کے لیے دلوں میں خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لیے میر انیس نے جن نسائی سیرتوں کو پیش کیا ہے ان میں ایک حد تک ہندوستانی فطرت کو بھی شامل کرلیا ہے۔''

اگر لکھنؤ کی عزاداری کا نقشہ دیکھنا ہوگا تو سرشار کا ''لکھنؤ کا محرم'' فسانہ آزاد میں دیکھیے۔ یہ محرم ہندو مسلم کے اتحاد کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ اسی محرم کا ذکر جناب منی لال صاحب جواں سندیلوی ایک مرثیے کے چہرے میں اس طرح کرتے ہیں۔

ہم شان خلد کوچہ و بازار لکھنؤ — جام جہاں نما در و دیوار لکھنؤ
حوریں بھی آتی ہیں پے دیدار لکھنؤ — حق سے ملائکہ ہیں طلب گار لکھنؤ
ہر شخص کی زباں پہ ہے چرچا حسین کا
سایہ ہے لکھنؤ پہ شہ مشرقین کا

بے شک عزائے شاہ کا مرکز ہے لکھنؤ — وہ اہل شہر ہیں کہ فرشتوں کی جن میں خو
لاکھوں ملیں گے ایسے جو رہتے ہیں باوضو — پتھر پسیج اٹھے وہ لہجہ وہ گفتگو
بزم عزا سے مات ضیا کہکشاں کی ہے
قربان مجلسوں پہ فضا آسماں کی ہے

سبط نبیؑ پہ بھیج رہا ہے ہر اک سلام ‏ ایسا ہے کون جس کو نہیں ہے غم امام
شہہ نے گلا کٹا کے کیا ہے بلند نام ‏ ہیں اہل لکھنؤ پہ عزا داریاں تمام
سب کو جواں ہے یاد شہہ مشرقینؑ کی
ہر دل میں ایک قبر بنی ہے حسینؑ کی

آخر میں ہم اردو کے مشہور دانشور اور شاعر پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری کا وہ نایاب مگر مختصر ترین مضمون بعنوان ''حسینؑ اور عالم انسانیت'' درج کرتے ہیں جوانھوں نے آج سے پچاس سال قبل یادگار حسینی کے موقعہ پر ۲۷ر دسمبر ۱۹۴۱ء کو اپنے خط کے ساتھ اخبار سرفراز لکھنؤ کے اڈیٹر کو لکھا تھا۔ مضمون کیا ہے گویا کوزے میں سمندر کو بند کردیا ہے۔

۸ر۴ بینک روڈ، یونیورسٹی بلڈنگس الہ آباد

۲۷ر دسمبر ۴۱ء

مکرمی تسلیم

عدیم الفرصتی کی وجہ سے آپ کے گرامی نامہ کا جواب اب تک نہ دے سکا تھا۔ یہ چند ٹوٹے پھوٹے بے ربط جملے جو میری روح کی گہرائیوں سے نکلے ہیں، سپرد قلم کررہا ہوں۔ نہ جانے کیوں طبیعت کی موج ایسی ہوئی کہ انگریزی میں حضرت حسینؑ کے متعلق لکھدوں۔ آپ نے لکھا تھا کہ انگریزی میں بھی اگر میں نے لکھا تو آپ اس کا اردو ترجمہ کرالیں گے۔ کوئی بولی ہو خلوص اور عقیدت کی زبان ایک ہوتی ہے۔

میں اس آرزو کے ساتھ اس خط کو ختم کرتا ہوں کہ اب وقت آگیا ہے کہ ہم ماتم حسینؑ کے آگے کی منزل میں قدم رکھیں اور شہادت حسینؑ کو دنیا کے ابھارنے کا پیغام سمجھیں۔

خون شہید کا ترے آج ہے زیب داستاں
نعرۂ انقلاب ہے ماتم رفتگاں نہیں

(فراقؔ)

آپ اس خط کو چاہیں تو شائع کرسکتے ہیں۔ اور اس خط کے نیچے میرے مضمون کا

ترجمہ شائع فرما سکتے ہیں۔ اس خط اور مضمون کو لکھتے ہوئے حضرت حسینؑ کی یاد یوں آئی جی بھر آیا۔

آپ کا / رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری

## حسینؑ اور عالم انسانیت

حسینؑ کا نام اس وسیع دنیا کے کروڑوں انسانوں کے لیے آب حیات ہے۔ اس نام نے میری آنکھیں ہمیشہ اشک آلود کردی ہیں۔ حسینؑ کی بلند اور پاکیزہ سیرت محسوس کیے جانے کی چیز ہے۔ ایسے الفاظ کا پانا آسان نہیں جوان کے کردار کی عظمت کے مکمل مظہر ہوں۔ یوں تو ان کی سیرت روحانیت اور آنسوؤں کی سب سے زیادہ تابناک روشنی میں کربلا ( کبرب وبلا ) کے اندر چمک دکھاتی ہے۔ لیکن جو لوگ حسینؑ کی زندگی سے کربلا میں شہادت واقع ہونے کے پہلے سے واقف ہیں۔ ان کے لیے اس زندگی کی بے داغ اور استوار پاکیزگی، اس کی بشریت، اس کا خلوص اور وقار پیچ کی عجیب اور سخت امتحان کے مقابلے کی طاقت، یہ باتیں اتنی نمایاں ہیں کہ بلا لحاظ مذہب وملت ہر فرد سے بخوشی خراج عقیدت حاصل کرنے کا مطالبہ کرتی ہیں۔ ایسے ہیرو روز نہیں پیدا ہوتے۔

کیا صرف مسلمانوں کے پیارے ہیں حسینؑ؟    چرخ نوع بشر کے تارے ہیں حسینؑ<br>
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو    ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ<br>
(جوشؔ)

مجھ سے گنہگار انسان کے لیے حسینؑ کے اخلاقی کمالات کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ لگانا غالباً اپنی قابلیت سے بڑھ کر جرأت آزمائی کا مرادف ہوگا۔ وہ دنیا کے بڑے بڑے خدارسیدہ رشیوں اور شہیدوں کے ہم پلّہ ہیں۔ ان کا نام اور کام ان کی زندگی اور موت کے واقعات ان نسلوں کی روحیں بیدار کریں گی جو ابھی پیدا نہیں ہوئیں۔ کوئی مرثیہ اور کوئی سوانح عمری ان کی سیرت کی عظمتوں کو سمایا نہیں کر سکتی۔

خاتمہ میں باداب ایک تجویز اپنے سنّی اور شیعہ بھائیوں کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں

اور وہ یہ ہے کہ دنیا بدل رہی ہے۔ خون اور آگ میں نہا کر ایک نئی بشریت ظہور پذیر ہوگی جو ذلت اور عقیدہ کی تفریق کا خاتمہ کردے گی۔ یہ نیا عالم انسانی ایک خاندان ہوگا۔ امام حسینؑ بنی نوع کے لیے جئے اور مرے۔ تمام مسلمانوں اور دوسرے عقائد رکھنے والے تمام انسانوں کو حسینؑ کی شہادت سے زندگی کا سبق لینا چاہئے۔ وہ حسینؑ جن کا دل صرف مسلمانوں کے لیے نہیں۔ صرف اپنے خاندان والوں کے لیے نہیں۔ صرف اپنے معتقد ہمراہیوں کے لیے نہیں۔ بنی نوع انسان کے لیے دھڑک رہا تھا۔ آج سے ہمارا مذہب انسانی برادری ہونا چاہئے۔ آمین (محرم نمبر سرفراز ۱۳۶۱ ہجری)

اس بات کا اظہار کرنا مناسب ہے کہ میں نے صرف اور صرف ان ہی ہندو مرثیہ گو شعراء کو کتاب میں شامل کیا ہے جو مرثیہ کے فن میں مہارت رکھتے تھے یا رکھتے ہیں۔ ان لوگوں نے متعدد مرثیے کہے ہیں اور ان کے فن کو صاحبان کمال اور زبان دان حضرات نے سراہا ہے۔ جن لوگوں نے پانچ دس بند کہے ہیں وہ نظر انداز کردیئے گئے ہیں۔

ذہین لکھنوی کے حالات نہیں مل سکے۔ ایک ذہین شاگرد دلگیر تھے اور ان کا ترجمہ مصحفی نے ریاض الفصحا میں لکھا ہے۔ بقول مصحفی ذہین مشہور مرثیہ گو کایستھ تھے۔ مجھے ایک ذہین کے متعدد قلمی اور غیر مطبوعہ مرثیے ملے ہیں۔ میں نے وہ مرثیے مصحفی والے ذہین سے منسوب کیے ہیں۔ مجھے کسی دوسرے ذہین کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے۔

آخر میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نئی دہلی کا شکریہ ادا کرنا میرا فرض ہے کہ اس نے ہندو مرثیہ گو شعراء کی ترتیب و تحقیق کے لیے میرے حق میں میجر ریسرچ پروجیکٹ منظور کیا تھا۔

# کتابیات

اودھ میں اردو مرثیے کا ارتقاء۔ڈاکٹر اکبر حیدری

قیصر التواریخ جلد اول ص ۳۸،ص ۱۰۳،ص ۱۱۳،ص ۱۲۱،ص ۱۴۴،ص ۱۴۵

لکھنو گزٹیر ص ۱۴۸،ص ۲۰۳،ص ۱۰۲

تفضیح الغافلین ص ۱۵،مرزا ابوطالب

مثنوی گلزار ارم ص ۱۴۲، آرائش محفل ص ۱۱۶، گلشن ہند ص ۱۰، مرقع اودھ ص ۲۹، وزیر نامہ ص ۴۵، مجمع الانتخاب (قلمی) از شاہ کمال، سوانح مرزا محمد آغا خان ص ۲۱، شرر لکھنوی خوش معرکۂ زیبا قلمی، تاریخ آفتاب اودھ قلمی ص ۱۰، کلیات سودا، انیس کی مرثیہ نگاری ص ۱۴۱، اثر لکھنوی خمخانۂ جاوید جلد اول، گذشتہ لکھنؤ شرر لکھنوی، تحفۃ العالم ص ۵۲۳، تنقیدی مقالات ص ۲۹۴، ڈاکٹر زور تواریخ نادر العصر ص ۱۵۹، حدیقۃ العالم ص ۱۵۵، رسالہ سوانح عمری ص ۱۵۷، مرزا محمد کاظم

Observations on the Mussalmauns of India by Mrs. Meer Hasan Ali Londony edited by W. Crooke, 1832, London.

Wanderings of Pilgrims in Search of Picturesque during four and twenty years in the East, vol.T

By Mis. Fanny Parks. 1950.

# دلگیر لکھنوی

دلگیر کا نام لالہ چھنگو لال اور طرب تخلص کرتے تھے۔ والد کا نام منشی رسوا رام تھا۔ وہ کایستھ اور مہاراجہ جھاؤ لال (متوفی ۱۲۲۸ھ ۱۸۱۳ء) اور راجہ میوا رام (متوفی ۱۸۶۷ء) کی برادری سے تھے بزرگوں کا وطن شمن آباد تھا۔ خاندان کے کچھ لوگ دلی میں رہتے تھے۔ لیکن دلگیر کی ولادت ۱۱۹۵ھ مطابق ۱۷۸۰ء میں لکھنؤ میں ہوئی۔ بادشاہ محمد علی شاہ (متوفی ۱۸۴۲ء) نے ان کو ۱۲۵۵ھ (۱۸۳۹ء) میں از راہ قدردانی مبلغ چار سو روپے نقد انعام اور خلعت سے ممتاز فرمایا تھا۔ اس موقعہ پر دلگیر کہتے ہیں ؂

ہوئی سارے جہاں میں میری عزت — کہ مبلغ چار سو نقد اور خلعت
ملا یہ بعد عمر شصت سالہ — تصدق شہ کا رومال اور دو شالہ

بقول مصحفی دلگیر کی طبیعت مکتب نشینی کے زمانے میں کم سنی میں ہی شعر گوئی کی طرف مائل تھی۔ سترہ سال کے سن میں اور ناصر لکھنوی کے کہنے کے مطابق ۱۴ سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا تھا اور نوازش حسین خان عرف مرزا خانی (متوفی ۱۸۵۴ء) کے آگے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ مصحفی یہ بھی کہتے ہیں کہ بزرگوں کے فیض صحبت سے کلام میں پختگی آئی تھی اور اپنے استاد کے ہم پلّہ ہونے لگے۔ ابتدا میں غزلیں کہتے تھے۔ صاحب دیوان بھی تھے۔ بعد میں یہ دیوان موتی جھیل (متصل عیش باغ) میں ڈبو دیا۔

دلگیر نے بادشاہ غازی الدین حیدر کے اوائل عہد ۱۲۳۰ (۱۸۱۴ء) میں مذہب اسلام قبول کیا۔ تذکروں میں سب سے پہلے ان کی تبدیلی مذہب کا ذکر شیخ غلام محی الدین مبتلا مؤلف طبقات سخن نے کیا تھا۔ اسلامی نام غلام حسین رکھا تھا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد میں گوشۂ ادیب میں دلگیر کے مرثیوں کا ایک مجموعہ زیر نمبر ۶۶۴ موجود ہے۔ اس میں ایک مرثیہ

ہے۔ جس کا مطلع ہے۔

یوں روایت ہے سکینہ کو امیر شام نے

اس مرثیے میں دلگیر کا نام غلام حسین درج کیا گیا ہے۔ آخر میں مرثیہ کا سال کتابت ۱۲۵۸ھ بھی موجود ہے۔ وہ نواب سعادت علی خان کی سرکار سے وابستہ تھے۔ ان کے انتقال کے بعد بادشاہ غازی الدین حیدر کی رفاقت میں رہنے لگے۔ جب مسلمان ہوئے تو اسی سال تعزیہ خریدا اور مجالس عزا بپا کرنے لگے۔ جب بادشاہ کو ان کی تبدیلی مذہب کے بارے میں علم ہوا تو انہوں نے خوشی سے ان کے اعزاز میں اضافہ کیا۔ بدقسمتی سے جب منتظم الدولہ نواب مہدی علی خان (متوفی ۱۸۳۷ء) وزیر ہوئے تو دلگیر کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ دلگیر کے استاد شیخ ناسخ سے نواب موتوف کے تعلقات بہت خراب تھے۔ نواب نے دلگیر پر ''اضافہ'' موصوف کیا اور وہ پراگندہ حال ہو کر مقروض ہو گئے۔ یہ سلسلہ نصیر الدین حیدر (متوفی ۱۸۳۷ء) کے زمانے تک قائم رہا۔ جب محمد علی شاہ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے تو دلگیر ابتدا میں بے توجہی کا شکار ہوئے۔ پھر بادشاہ کی خدمت میں اپنی زبوں حالی اور پریشانیوں کی روداد تین منظوم عرضداشتوں کے ذریعہ ارسال کی۔ پہلی عرضداشت میں کہتے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| ہوا میں جو مشہور مداح شاہؔ | کہ آگہ ہوئے جنت آرامگاہ |
| یہ سن کر کیا آپ نے سر فراز | دیا مجھ کو ہم چشموں میں امتیاز |
| پڑھا جب کہ معروضۂ خانہ زاد | کرم سے کیا نام بندے بہ صاد |
| زمانہ جو شاہ زمن کا ہوا | مشرف بہ اسلام بندہ ہوا |
| اسی سال میں نے لیا تعزیہ | نہیں میری اس عرض میں کچھ ریا |
| جو نواب مرحوم آئے یہاں | پڑی مجھ پہ یہ گردش آسماں |

کہ موقوف میرا اضافہ ہوا

بہت تب سے مقروض بندہ ہوا

غرضیکہ دلگیر بادشاہ کی قدردانی پر مطمئن تھے۔ کہتے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| ہزار شکر مرا بخت نحس سعد ہوا | کہ قدرداں مرا چالیس سال بعد ہوا |

دلگیر نواب معتمد الدولہ، ممتاز بہورلجہ میوا رام افتخار الدولہ کی رفاقت میں رہتے تھے۔

ان لوگوں کے حق میں انہوں نے مرثیوں کے اخیر میں دعائیں بھی کی ہیں۔ محمد علی شاہ کے بارے میں کہتے ہیں ؎

درگاہ خدا سے یہ دعا مانگ لے دلگیر — یہ شاہ ہمیشہ رہے باحشمت وتوقیر
تدبیر ابوالفتح کی تابع رہے تقدیر — تا حشر رہے اس پہ سدا سایۂ شبیرؑ
یارب یہ مرا شاہ، شہنشاہ زماں ہو
ہر وقت مدد گار امام دو جہاں ہو

معتمد الدولہ وزیر اعظم کے لیے کہتے ہیں ؎

اب یہ دلگیر دعا کر تو بدر گاہ الہٰ — معتمد الدولہ بہادر رہے باعزت وجاہ
نبیؐ اور آل نبیؐ اس کی رہے پشت وپناہ — اس پہ نواب کی ہر دم ہو عنایت کی نگاہ
خلق کے سر پہ رہے سایۂ دامن اس کا
خوار ورسوا رہے کونین میں دشمن اس کا

دلگیر کا انتقال ۶۹ برس کی عمر میں لکھنؤ میں ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۷ء) میں ہوا۔ ادیب مرحوم نے ہم سے کہا کہ نخاس کے چڑیا بازار میں جو ٹیڑھی قبر ہے وہ میاں دلگیر کی ہی ہے۔ رشک اور اسیر نے تاریخ وفات کہی۔ رشک کہتے ہیں ؎

در گلشن خلا با جمیع شہدا — گشتہ پا بوس مرثیہ گو دلگیر
تاریخ وفات نوشتم اے رشکؔ — آہ افسوس مرثیہ گو دلگیر

۱۲۶۴ہجری

دلگیر کے دیگر حالات راقم کی کتب ''اودھ میں اردو مرثیے کا ارتقا'' اور منظومات میاں دلگیر مطبوعہ ۱۹۷۰ء میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

دلگیر اپنے زمانے میں مشہور مرثیہ گو تھے۔ معاصرین کے مقابلے میں ان کا کلام بہت زیادہ ہے۔ انہیں مرثیہ گوئی میں بے مثال قدرت حاصل تھی اور وہ مرثیہ گویوں کے سرتاج تھے۔ بقول شیفتہ ان کے مرثیے بہت مشہور اور زبان زد عام ہیں۔ رجب علی بیگ سرور نے فسانۂ عجائب (سال تصنیف ۱۸۲۴ء) میں انہیں تمام مرثیہ گویوں پر فوقیت دی ہے کیونکہ انہوں نے قلیل عرصے میں سلام اور مرثیوں کا دیوان مرتب کیا تھا۔ کہتے ہیں۔

”مرثیہ گو بے نظیر میاں دلگیر، صاف باطن نیک ضمیر، خلیق، فصیح، مرد مسکین، مکروہات زمانہ سے کبھی افسردہ نہ دیکھا۔ اللہ کے کرم سے ناظم خوب، سکندر طالع، بصورت گدا، بار احسان اہل دول کا نہ اٹھایا۔ عرصۂ قلیل میں مرثیہ وسلام کا دیوان کثیر فرمایا۔“

بعض لوگ کہتے ہیں کہ دلگیر کے مرثیوں کی سات جلدیں چھپی ہیں۔ دراصل ساتویں جلد کا کہیں نام ونشان نہیں ہے۔ یہ غلط فہمی لوگوں کو یوں ہوئی کہ جلد دوم کلیات مرثیہ دلگیر مطبع نولکشور میں مطبع والوں نے آخر میں اشتہار میں لکھا کہ ”علاوہ اس جلد دوم کے حصہ اول، جلد سوم لغایت جلد ہفتم طبع شدہ مطبع میں موجود ہیں۔“

میرے مطالعہ میں دلگیر کی چھ جلدیں رہی ہیں۔ ساتویں جلد مجھے کوشش بسیار کے باوجود نہیں ملی۔ چھ جلدیں امیر الدولہ پبلک لائبریری لکھنؤ میں تھیں۔ اب وہاں سے بھی اٹھائی گئی ہیں۔ راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں البتہ موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں اور کہیں نہیں دلگیر کی تمام جلدیں مل رہی ہیں۔ راقم نے ان سبھی جلدوں کی فہرست مراثی مرتب کی ہے۔ سلاموں سے قطع نظر مطبوعہ مرثیوں کی تعداد ان جلدوں میں ۴۱۷ ہے۔ مطبوعہ مراثی کے علاوہ ادیب مرحوم اور رشید صاحب کے ذخیرۂ مراثی میں دلگیر کے بے شمار غیر مطبوعہ مرثیے ہیں۔ کچھ قلمی مرثیے راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں بھی ہیں۔ ذخیرۂ ادیب مرحوم میں میری نظر سے ۱۲۰ قلمی مرثیہ گزرے ہیں۔ ان میں مطبوعہ مرثیے بھی کہیں کہیں ہیں۔ رشید صاحب کے پاس ۵۳ اور راجہ صاحب کے یہاں ۲۴ قلمی مرثیے ہیں۔ اس طرح کل قلمی مرثیے میاں دلگیر کے ۱۹۷ ہیں۔ ان میں جیسا کہ پہلے بھی کیا گیا ہے۔ اکثر وبیشتر مرثیے ہنوز غیر مطبوعہ ہیں۔ ہم نے دلگیر کے مرثیوں کا ایک اشاریہ بھی مرتب کیا جو شامل مضمون کیا جاتا ہے۔

ذیل میں ایک غیر مطبوعہ مرثیہ درج کیا جاتا ہے۔ یہ نسخہ راقم کی ملکیت میں ہے۔ اس کا دوسرا نسخہ ذخیرۂ ادیب (علی گڑھ) میں بھی موجود ہے۔ مطلع ہے

جب مدینے میں حرم قید سے چھٹ کر آئے

۳۰ بند

☆☆☆

# مرثیہ نمبر 1

جب مدینے میں حرم قید سے چھٹ کر آئے    اہل بیت نبوی کھولے ہوئے سر آئے
ساتھ اس قافلے کے عابدِ مفطر آئے    جس گھڑی روضۂ احمدؐ کے برابر آئے
کہا زینبؑ نے کہ بن بھائی کے ہو آئی میں
آپ کے لاڈلے شبیر کو کھو آئی میں

راوی لکھتا ہے کہ یہ واقعۂ کرب و بلا    سال شصت ویکم ہجرت احمد میں ہوا
گزرا اس بات کو جب پانچ برس کا عرصا    شامی و کوفیوں سے خوب سا مختار لڑا
اس بہادر نے ہزاروں ہی دلاور مارے
سارے چن چن کے غرض دشمن سرور مارے

بھیجا مختار نے جس وقت سر ابن زیاد    چاست بیٹھے ہوئے کرتے تھے تناول سجاد
سجدۂ شکر میں مصروف ہوئے حد سے زیاد    بولے صد شکر کہ برآئی مرے دل کی مراد
اس کے باعث ہوئی ہم سب پہ مصیبت کیا کیا
اس نے پہنچائی تھی بابا کو اذیت کیا کیا

ہاشمی بیبیاں زینبؑ کے قریں آئیں سب    عرض کی آج وہ دن ہے کہ کرو عیش وطرب
ماتمی کپڑے بس اب تن سے اتارو زینبؑ    بدلو پوشاک تم اب شانہ کرو زلفوں میں اب
حشر تک چین کہاں تم کو غم سرورؑ سے
اب تو بی بی یہ ردا اپنی اتارو سر سے

سُن کے یہ زینبؑ مغموم نے سر پیٹ لیا    رو رو کہنے لگی اے لوگو یہ کہتے ہو کیا

کوفہ و شام کے لشکر میں کھلا سر میرا　　مجھ کو اک ایک نے بلوے میں کھلے سر دیکھا
حشر تک کالی ہی بہتر ہے ہماری چادر
شمر نے کھینچ کے سر پر سے اتاری چادر

سوگ اتروانے کے لوگو میرے درپے ہو کیا　　سوگ اتروانا ہے پہلے میری بھابی کا روا
کل کا ہے ذکر سلامت تھے امام دوسرا　　غم کا مذکور بھی آتا نہ تھا شادی کے سوا
عطر و عنبر کی مہک بانو کی پوشاک میں تھی
ہاتھ میں چوڑیاں تھیں بھابی کی نتھ ناک میں تھی

کوئی تسکین نہیں بانو کی کرنے والا　　متصل کرتی ہے وہ گریہ بپا ہی نالا
تفرقہ کیسا مرے گھر پہ فلک نے ڈالا　　روتی ہے بھابی میری پہن کے وہ رنڈ سالا
مجھ سے اس بات کا مذکور عبث لاتے ہو
پہلے بانو کا نہیں سوگ اترواتے ہو

اس کے سر پر سے اترواؤ رنڈاپے کی ردا　　چوتھی کی جوڑے کے بدلے جسے رنڈ سالا ملا
اس کے بالوں میں کوئی شانہ کرو بہر خدا　　جس کا سر بیاہ کا گوندھا ہوا بلوے میں کھلا
کپڑے رنڈ سالے کے پہنے ابھی سارے کبرا
ہائے میں سوگ اتاروں نہ اتارے کبرا.

شہر بانو سے کہا سب نے بچشم نمناک　　فی الحقیقت ہے یہ جانسوز غم سرور پاک
پر کوئی ساتھ کسی کے نہیں ہوتا ہے ہلاک　　ہم کو منظور ہے تبدیل کرو تم پوشاک
مانتی ہی نہیں کہنے کو ہمارے زینبؑ
تم اگر سوگ اتارو تو اتارے زینبؑ

کہا بانو نے نہ یہ ذکر کرو بہر خدا　　منہ کو اس ذکر سے آتا ہے کلیجہ میرا
رہنے دو صاحبو سر پر مرے یہ کالی ردا　　یہ نشانی غم شبیرؑ کی ہے مجھ کو سدا
دم نکل جائے اگر آہ میں اور نالے میں
دفن کردیجو مجھ کو اسی رنڈ سالے میں

آئی بانو کی کسی کو نہ یہ جب بات پسند　　کہا ہر ایک سے زینبؑ نے بہ آواز بلند

خلق میں بھابی کا رنڈ سالا اترواتی ہے نند　　مانتی بانو نہیں عرض کی ہم نے ہر چند

تم کہو مانے جو کہنے سے تمہارے بانو
کسی صورت سے یہ رنڈ سالا اتارے بانو

کہنے سے بی بیوں کے ہوگئی زینبؑ ناچار　　جا کے پوشاک کا بقچہ وہ لے آئی یکبار
بانو کے سامنے پھر آ کے ہوئی منتِ دار　　بھابی رنڈ سالا اتارو نہ کرو اب تکرار

تم سے ہر چند بہت کہہ نہیں سکتی زینبؑ
ہائے خاموش بھی اب رہ نہیں سکتی زینبؑ

سُن کے زینبؑ کا بیاں رو کے یہ بانو نے کہا　　تم نہ اس امر میں اصرار کرو بہر خدا
میرا کچھ راز تو پوشیدہ نہیں تم سے ذرا　　مجھ پہ جو گزری ہے سب آنکھوں سے تم نے دیکھا

اور جو بی بیاں کہتی ہیں انہیں کہنے دو
شاہ کے غم میں مرے بال کھلے رہنے دو

لگ پڑی بانو سے جس وقت نہایت زینبؑ　　منتیں کرتی رہیں عورتیں بھی سب کی سب
اس گھڑی ہوگئی مجبور وہ مجبورِ تعب　　بولی زینبؑ سے کہ موجود ہے یہ بانو اب

جانتی ہے تمہیں سرورؑ کے برابر بانو
کس طرح حکم سے ہو آپ کے باہر بانو

سُن کے یہ بقچہ سے زینبؑ نے نکالی پوشاک　　ہاتھوں سے جھاڑی وہ سب بھابی کے سر پر سے خاک
پھر اتروائی وہ بانو کی ردائے صد چاک　　اس کی پوشاک بدلوائی بچشم نمناک

رو رو کہتی تھی میں جیتی رہی غم کھانے کو
رہ گئی بھائی کا میں سوگ اتروانے کو

جس گھڑی بانوئے مضطر نے سفید اوڑھی ردا　　اُجلی چادر کا پھر اپنے لیا منھ پر پلاّ
دھیان کر کے علی اکبرؑ کا یہ بین اس نے کیا　　آؤ جلدی مرے پاس اے علی اکبر بیٹا

دیکھو حال آ کے ذرا درد کی ماری ماں کا
سوگ اتروایا گیا آج تمہاری ماں کا

بین جب کر چکی زینبؑ سے یہ بانو بولی　　میں نے تو سوگ اتارا اب اتارو تم بھی

زینبؑ خستہ جگر پیٹ کے سر کہنے لگی    اوڑھے ہے کالی ردا زوجۂ عباسؑ علی

زوجۂ حضرت عباسؑ کو سمجھانا ہے
چھوٹی بھاوج کا ابھی سوگ اتروانا ہے

اس کی یہ بات گئی زوجۂ عباسؑ کے پاس    دیکھا وہ خاک پہ لیٹی ہے نہایت ہے اداس
اس کو چھاتی سے لگا کر کہا باصد یاس    آتی ہے جسم سے تیرے مجھے بوئے عباسؑ

جوڑا رنڈسالے کا سارا اب اتارو تم بھی
سوگ بانو نے اتارا اب اتارو تم بھی

جب بہت زینبؑ محزوں نے اسے سمجھایا    روکے تب زوجۂ عباسؑ نے سر نہوڑیا
اور جوڑا اُسے زینب نے غرض پہنایا    روکے یہ بین کئے غم سے جو دل بھر آیا

آؤ عباسؑ علیؑ بھائی میں غم کھاتی ہوں
آپ کی بیوہ کا میں جوڑا اترواتی ہوں

کر چکی غم میں علمدار کے زینبؑ جو بیاں    گئی پھر زوجۂ مسلم کے قریں اشک فشاں
اس کا بھی سوگ اتروایا بفریاد وفغاں    پھر گئی مادر قاسمؑ کے قریں سوختہ جاں

یوں لگی کہنے کہ سرخاک پہ مارو بھابی
دولہہ بیٹے کا تم اب سوگ اتارو بھابی .

روکے تب مادر قاسمؑ نے یہ زینبؑ سے کہا    میں نے یہ سوگ کا جوڑا جو اُتارا تو کیا
میرے کہنے سے لگی رونے ہی اس دم کبرا    اس مری رانڈ بہو کی طرف اب دیکھو ذرا

ہائے قاسمؑ بنے کہہ کہہ کے جو چلاتی ہے
آپ بھی روتی ہے اور مجھ کو بھی رلواتی ہے

سب نے تدبیر یہ ٹھہرائی غرض آخر کار    سوگ اتروایئے کبرا کا بچشم خونبار
بین کر کر کے جو روتی تھی بنی سینہ فگار    منہ نہ پڑتا تھا کسی کا جو کرے کچھ اظہار

شرم کے مارے کوئی پاس نہ جاسکتی تھی
کوئی سر اس کا نہ زانو سے اٹھا سکتی تھی

فاطمہ مادر باقر جو تھی قاسم کی بہن    اُس سے زینبؑ یہ لگی کہنے کہ اے بنتِ حسنؑ

یہ جو کبرا تری بھابی ہے گرفتار محن تیرا بھائی تو ہوا دشت میں ہی محتاج کفن

غم سے اس دولہہ کے خالی نہیں ہر چند ہے تو

سوگ کبرا کا اتروا کہ بڑی نند ہے تو

لے کے سب فاطمہؑ کو فاطمہؑ کے پاس گئیں یوں کہا سب نے کہ اے فاطمہ کبرا غمگیں

غم سے دولہہ کے تو یک دم تمہیں آرام نہیں مرنے والا جو ہے رونے سے وہ جیتا ہے نہیں

اجڑا جوڑا تیرے پہنائے کو اب لائی ہوں

نند رنڈسالہ اتروانے کو اب لائی ہوں

تم کو جیسا ہے الم مجھ کو بھی ویسا ہی ہے غم صدقے ہو جاؤں اتارو یہ لباس ماتم

کہا یوں فاطمہؑ کبرا نے بچشم پرنم میں تو باہر نہیں کہنے سے تمہارے اس دم

جس کاد دولہا سحر عقد کو مارا جاوے

ایسے ناشاد کا کیا سوگ اتارا جاوے

الغرض سب نے کیا جب کہ نہایت اصرار پھر تو کچھ کہہ نہ سکی ہوگئی کبرا ناچار

بیاہ کی رات سے جو سر نہ گندھا تھا زنہار نند نے شانہ کیا زلفوں میں اس کی یکبار

گرد سب صاف کی اس چہرۂ نورانی سے

دھوئی افشاں خس وخاشاک کی پیشانی سے

مانگ میں موتیوں کی جا جو بھری تھی سب خاک ہاتھ سے صاف کیا اس کو بچشم نمناک

پھر اتروایا وہ رنڈسالے کا کُرتا صد چاک اپنے ہاتھوں سے پہنائے اُسے اوجلے پوشاک

دل میں ماتم رہا رنڈسالہ اتارا تو کیا

حال ابتر رہا بالوں کو سنوارا تو کیا

رانڈ بیٹی کو غرض دے چکی ڈھاس جس دم بانو کہنے لگی زینبؑ سے کہ اے کشتۂ غم

اپنے بھائی کی تمہیں سر کٹے لاشے کی قسم تم بھی اب تن سے اتارو یہ لباس ماتم

مانا اس وقت یہاں حکم تمہارا سب نے

آپ کے کہنے سے ہی سوگ اتارا سب نے

زینبؑ خستہ جگر کہنے لگی رو رو کر میں بھی کہنے سے تمہارے نہیں ہوں گی باہر

ڈال دو ایک مرے سر پہ بھی اُجلی چادر بانو نے سوگ اتروایا بہ حال مضطر
تھا نہ زینبؑ کو خیال اپنے کسی دلبر کا
نام لیتی تھی کبھی شہؑ کا کبھی اکبرؑ کا

آگے دلگیر نہیں طاقت تحریر ذرا سوگ ظاہر میں انہوں نے جو اتارا تو کیا
جب تلک جیتے رہے عترتِ محبوب خدا وہی رونا تھا وہی نالہ وہی ماتم تھا
شاہ جب قتل ہوں موقوف بھلا کیا غم ہو
اور کا غم نہیں جو تھوڑے دنوں میں کم ہو

# مراثی میاں دلگیر (قلمی) ذخیرۂ ادیب مرحوم

| نمبر شمار | مطلع | تعداد بند | کیفیت |
| --- | --- | --- | --- |
| ۱۔ | آئی پسند رائے عمر کی اسے کمال | ۵۰ | |
| ۲۔ | رہے سجاد گرفتار تعب ساری عمر | ۳۴ | |
| ۳۔ | پدر کا اپنے جو تھا انتظار صغرا کو | ۳۷ | |
| ۴۔ | پنجۂ غم نے کیا چاک گریبانِ سحر | ۴۱ | |
| ۵۔ | پہنچی یہ سکینہ کو خبر جبکہ کسی سے | ۴۱ | |
| ۶۔ | تنہائی سے صغرا کا عجب حال ہوا تھا | ۴۵ | |
| ۷۔ | جبکہ سجاد مصیبت میں گرفتار ہوئے | ۴۱ | |
| ۸۔ | جبکہ سرور نے کیا رخ سوئے ملک عدم | ۳۵ | |
| ۹۔ | جبکہ مارے گئے دریا کے کنارے عباس | ۵۴ | |
| ۱۰۔ | خیمے میں گئے شاہ جو عاشور کی شب کو | ۵۳ | |
| ۱۱۔ | زینب کا گزر جب ہوا دربار لعیں میں | ۳۶ | |
| ۱۲۔ | صغرا کا عجب حال تھا دوری پدر سے | ۳۶ | |
| ۱۳۔ | نگہبانوں نے دیکھا جب کہ دن سے رات ہوتی ہے | ۴۳ | |
| ۱۴۔ | جب بیکسوں کو شام کے زنداں میں گھر ملا | ۳۵ | |
| ۱۵۔ | اے محبو جسے کچھ لذ دینداری ہے | ۵۳ | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۶۔ | جب حسین ابن علی تنہا رہے اکبر کے بعد | ۵۲ | |
| ۱۷۔ | دیکھا جب فاطمہ صغرا نے سفر سرور کا | ۴۶ | |
| ۱۸۔ | جس کو خالق نے ازل سے کیا خوش قسمت ہے | ۳۷ | |
| ۱۹۔ | جب شام کے قریب حرم کا گزر ہوا | ۲۸ | |
| ۲۰۔ | جب کھلے فوج مخالف کے علم میداں میں | ۴۰ | |
| ۲۱۔ | زنداں سے جب اہل حرم چھوٹ کر آئے | ۴۰ | |
| ۲۲۔ | جس دم شہ مظلوم گرے گھوڑے سے رن میں | ۴۰ | |
| ۲۳۔ | پنجۂ غم نے کیا چاک گریبان سحر | ۴۱ | |
| ۲۴۔ | یارو یہ بزم عزائے سید ابرار ہے | ۳۶ | |
| ۲۵۔ | بجنے لگا جو طبل عدو کی سپاہ میں | ۵۱ | |
| ۲۶۔ | اسیر ہو گئے عابد جو فوج دشمن میں | ۳۸ | |
| ۲۷۔ | جب سامنے ظالم نے اسیروں کو بلایا | ۴۶ | |
| ۲۸۔ | عزیز و فاطمہ صغرا کو جس دم یہ خبر پہنچی | ۳۵ | |
| ۲۹۔ | پہنچے امیر شام کی مجلس میں جب اسیر | ۳۵ | |
| ۳۰۔ | جو دس ہزار کوفے کے خط سوا آئے | ۳۶ | مقطع میں مظفر الدولہ کے لیے دعا ہے ۱۲۶۲ھ |
| ۳۱۔ | احمد نے جبکہ اپنا علی کو وصی کیا | ۴۸ | // // |
| ۳۲۔ | جب جنگ نہرواں سے امام ہدا پھرے | ۴۹ | // // |
| ۳۳۔ | خیمۂ خاص میں شہ آئے جو دشت کیں سے | ۴۲ | ۱۲۶۲ھ |
| ۳۴۔ | اک نور حق سے خلق ہوئے تھے حسن حسین | ۴۲ | ۱۲۶۲ھ |
| ۳۵۔ | جب کہ سرور نے کیا کوچ سوئے ملک عدم | ۴۴ | مکتوبہ ۱۲۴۴ھ آخر میں افسر کا مصرع ہے |
| ۳۶۔ | پھنس گئے قید میں جب دونوں پسر مسلم کے | ۵۰ | |
| ۳۷۔ | نیزے میداں میں کھاتا ہے علم دار حسین | ۴۶ | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۶۲۔ | جس وقت روانہ ہوئے رن کو علی اکبر | | |
| ۶۳۔ | بعد قاسم کے نہ جب خیمے میں عباس آئے | ۵۱ | مکتوبہ ۱۸ جمادی الثانی ۱۲۶۱ھ |
| ۶۴۔ | بھائی کی جو شیدا تھیں بہت زینب خاتون | ۳۶ | ۲۷ رمضان ۱۲۶۰ھ |
| ۶۵۔ | جب آخری خط آیا شہ دیں کی طلب کا | ۳۴ | |
| ۶۶۔ | جب پہنچی عزیزو یہ خبر چرخ بریں پر | ۳۹ | ۳۰ جون ۱۸۰۴ء |
| ۶۷۔ | جب حسین ابن علی تنہا رہے اکبر کے بعد | ۴۴ | |
| ۶۸۔ | جب شام کے قریب حرم کا گزر ہوا | ۳۵ | مکتوبہ ۱۲۴۵ھ بقلم میر بجو صاحب لکھنوی |
| ۶۹۔ | جب طبل جنگ کی ہوئی رن میں صدا بلند | ۷۹ | ۱۳ ربیع الثانی ۱۲۶۱ھ |
| ۷۰۔ | جب قتل شہزادۂ روح الامیں ہوا | ۶۲ | ۱۲۶۱ھ |
| ۷۱۔ | جب قلم ہو گئے عباس علمدار کے ہاتھ | ۳۹ | ۱۸۶۱ء |
| ۷۲۔ | جب قیدیوں کو لے گئے دربار عام میں | ۴۰ | |
| ۷۳۔ | جبکہ محبوس ہوئے شام کے زنداں میں اسیر | ۲۸ | بقلم میر مہدی حسین ۱۲۶۰ھ |
| ۷۴۔ | جب مادر قاسم نے سنا آتی ہے زینب | ۵۶ | میر واجد حسین بتاریخ ۶ شوال ۱۲۶۰ |
| ۷۵۔ | جب ہوا قتل علمدار حسین ابن علی | ۳۹ | |
| ۷۶۔ | جو ازل کے دن سے اے یارو سعادت مند ہو | ۴۴ | میر واجد حسین ۹ شوال ۱۲۶۰ھ |
| ۷۷۔ | دیکھی اک روز نویں جلد بحار الانوار | ۴۰ | ۲۸ رمضان ۱۲۶۰ھ |
| ۷۸۔ | شادیانے لگے بجنے جو صف دشمن میں | ۴۲ | |
| ۷۹۔ | جب خالی گھوڑا خیمے میں آیا امام کا | ۳۴ | |
| ۸۰۔ | صغرا کو جب پدر کے سفر کی خبر ہوئی | ۴۰ | |
| ۸۱۔ | صغرا نے سنا آتے ہیں شبیر سفر سے | ۴۰ | |
| ۸۲۔ | صف کشی قتل کے میداں میں جو کی اعدا نے | ۴۰ | |
| ۸۳۔ | ظاہر ہے کسی عضو کو صدمہ جو اگر ہو | ۴۰ | |
| ۸۴۔ | غش سے جب عابد بیمار نے فرصت پائی | ۳۹ | مکتوبہ ۲۶ ربیع الثانی ۱۲۶۱ھ |
| ۸۵۔ | غم اولاد ہے اے یارو گوارا کس کو | ۱۳۶ | مکتوبہ سید علی دہلوی کیم جولائی ۱۸۴۴ء |

۸۶۔ کام آیا جو میدان میں فرزند حسن کا ۴۰

۸۷۔ کوئی امام کا جب یار و آشنا نہ رہا ۴۳ مکتوبہ ۳ ربیع الاول ۱۲۶۱ھ

۸۸۔ کوئی دنیا میں نہ بے وارث و بے والی ہو ۴۳

۸۹۔ ماں باپ سے فرزند نہ دشمن کے جدا ہوں ۳۸

۹۰۔ مرکب شبیر جب راکب سے خالی ہوگیا ۴۳

۹۱۔ منقول ہے یہ ناقل شیریں کلام سے ۴۷ مکتوبہ ۲۶ رجب ۱۲۶۰ نسخہ دیگر ۱۲۵۱

۹۲۔ میدان شہادت میں جب شاہ رہے تنہا ۳۶

۹۳۔ ہوا جو فدیہ سلطان کربلا عباس ۴۲

۹۴۔ ہو کے مجروح جو بابا کو پکارا اکبر ۳۳

۹۵۔ ہوئی محبوس جب بالی سکینہ قید خانے میں ۳۵ مکتوبہ میر مہدی حسین بتاریخ ۱۸ جمادی الاول ۱۲۶۰

۹۶۔ ہوئی نمود سحر جب شبہ شہادت کی ۳۹

بجنے لگا جو طبل عدو کی سپاہ میں ۵۱ مکتوبہ ۱۲۵۲ کتب خانہ حیدری

۹۷۔ جب مدینے میں حرم قید سے چھٹ کر آئے ۳۸۔ ۲ نسخے ۱۲۸۰ نسخہ سوم ۱۱ شعبان ۱۲۶۱

۹۸۔ وطن میں جس گھڑی زین العبا لے کر حرم آیا ۴۵

## مراثی دلگیر (قلمی) کتب خانہ سید محمد رشید صاحب

۱۔ اے مومنو بن بیٹوں کے جب ہو چکی زینب ۱۴

۲۔ اصغر کی شہادت کی جو رن سے خبر آئی ۱۵

۳۔ آج اکبر سے جدا ابن علی ہوتا ہے ۱۶

۴۔ اے مومنو! شبیر کا کیا جاہ و حشم ہے ۱۷

۵۔ آئے عابد جب وطن قید ستم سے چھوٹ کر ۱۸

۶۔ آل احمد پہ رہے ظلم و ستم مدت تک ۱۹

۷۔ تیشۂ غم نے کیا چاک گریبان سحر ۲۰

۳۱۔ زندان سے جب اہل حرم چھوٹ کر آئے
۳۲۔ فرقت ہوئی صغرا کو جو سلطان زماں سے
۳۳۔ کوئی دنیا میں نہ بے والی و بے وارث ہو
۳۴۔ کھلے نشان جو رن میں سپاہ اظلم کے
۳۵۔ مصطفیٰ کہتے تھے اک دن ہووے امت کو نجات
۳۶۔ غروب روز دہم جب کہ آفتاب ہوا
۳۷۔ مقام خوف و رجا یہ سرائے فانی ہے
۳۸۔ منقول ہے یہ ناقل شیریں کلام سے
۳۹۔ نگہبانوں نے دیکھا جب کہ دن سے رات ہوتی ہے
۴۰۔ وطن میں جب خبر آمد امام ہوئی
۴۱۔ ہوئی جو درد جدائی میں مبتلا صغرا
۴۲۔ جب قید اہل بیت کو مدت گزر گئی
۴۳۔ جس وقت شہر شام میں شہہ کے حرم گئے
۴۴۔ جب قیدیوں کو لا کے عدو قتل گاہ میں
۴۵۔ جب کہ زینب سر دربار ستمگر آئی — مکتوب ۱۲۵۱ ہجری
۴۶۔ جب بیکسوں کو شام کے زنداں میں گھر ملا — مکتوبہ ۱۲۷۵ھ
۴۷۔ جس وقت شہر شام میں شہہ کے حرم گئے
۴۸۔ ہاں ساکنان ارض وسما فکر غم کرو — مکتوبہ ربیع الاول ۱۲۸۹ھ
۴۹۔ لعیں کے سامنے عابد جب اشکبار آئے
۵۰۔ شہہ پہ زغہ جو ستمگاروں کے لشکر نے کیا
۵۱۔ شادیانے جو لگے بجنے صف دشمن میں
۵۲۔ صغرا کو نظر آیا جو انداز سفر کا
۵۳۔ صغرا کو جب خبر ہوئی سرور کا کوچ ہے
۵۴۔ جب کوفیوں نے قتل کیا شاہ امم کو

۵۵۔ جب سنا صغرا نے منہ سے باپ کے نام سفر

## اشاریہ مراثی دلگیر۔ مطبوعہ نول کشور جلد اول فہرست سلامہا

| | مطلع | تعداد شعر |
|---|---|---|
| ۱۔ | سلام اسے جو دل و جان سے تھا فدائے خدا | ۱۵ |
| ۲۔ | عتاب اے مجرئی ہوگا ضرور ان پر محمد کا | ۱۸ |
| ۳۔ | ہے سلام اس پہ کہ جو تھا پسر شیر خدا | ۱۴ |
| ۴۔ | مجرئی ہونگے سر جب دختر خیر النساء | ۱۵ |
| ۵۔ | سم نے کیا دل ٹکڑے جو اک بار حسن کا | ۲۰ |
| ۶۔ | سلامی تجھ پہ گر فضل و کرم شبیر کا ہوگا | ۱۷ |
| ۷۔ | مجرئی شہ کا ہر اک بے پیر منہ دیکھا کیا | ۱۷ |
| ۸۔ | سلامی جو کہ بدل بادشاہ دیں کا ہوا | ۱۴ |
| ۹۔ | مجرئی قتل جو زہرا کا نہ پیارا ہوتا | ۲۲ |
| ۱۰۔ | اے سلامی وطن شاہ تو کچھ دور نہ تھا | ۱۴ |
| ۱۱۔ | اے مجرئی شہید جب ابن حسن ہوا | ۳۶ |
| ۱۲۔ | اے سلامی قتل جس دم ابن زہرا ہو گیا | ۲۲ |
| ۱۳۔ | جس کو اللہ کا سلام آیا | ۴۲ |
| ۱۴۔ | مجرا اسے دلہن کو جو دیکھ نہ سکتا تھا | ۱۳ |
| ۱۵۔ | دل پہ مجرائی کے اس غم سے نہ کیوں چھائے گھٹا | ۱۳ |
| ۱۶۔ | بانو کے مجرے کو جس دم علی اکبر آیا | ۱۶ |
| ۱۷۔ | اے مجرئی جب پیاس سے اصغر کو غش آیا | ۱۶ |
| ۱۸۔ | اس کو مجرا غم شہ جس نے گوارا نہ کیا | ۱۵ |
| ۱۹۔ | مجرا اسے جو کہتی تھی سب گھر نے بھلایا | ۱۴ |
| ۲۰۔ | اس کو مجرا جسے قسمت نے سنبھلنے نہ دیا | ۱۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۹۳۔ | جو مجرائی شہہ ابرار دیکھا | ۱۹ |
| ۹۴۔ | دنیا میں جو سلامی غم شاہ کرے گا | ۱۸ |
| ۹۵۔ | مجرے کو چچا کے قاسم جب بنڑا بن کر | ۸ بند مسدس |
| ۹۶۔ | مجرائی حر جو لشکر سرور میں آملا | ۲۱ |
| ۹۷۔ | سلامی باعث آزار چھٹ گئی صغرا | ۱۵ |
| ۹۸۔ | مجرئی کیا فاطمہ کا مضطرب دل ہوئے گا | ۱۸ |
| ۹۹۔ | چین اے مجرئی شبیر کو دم بھر نہ ملا | ۱۱ |
| ۱۰۰۔ | اے مجرئی نیزے پہ چڑھا کر سر شبیر | ۱۸ |
| ۱۰۱۔ | سلامی جب کیا اکبر نے حملہ فوج دشمن پر | ۱۷ |
| ۱۰۲۔ | رو سلامی سارے دن آہیں کیا کر رات بھر | ۱۵ |
| ۱۰۳۔ | محرم آیا ہے مجرائی نالہ سر پھر کر | ۱۵ |
| ۱۰۴۔ | مجرا الیس تھی جو غم سے دلگیر | ۲۲ |
| ۱۰۵۔ | کب ہے کوئی مجرائی سرور کے برابر | ۱۴ |
| ۱۰۶۔ | سلامی اشک بہ آئے شہہ دلگیر کے منہ پر | ۱۲ |
| ۱۰۷۔ | سلامی نہیں کوئی سرور سے بہتر | ۱۶ |
| ۱۰۸۔ | اس کو مجرا کچھ نہ تھی جس شاہ کو گھر کی خبر | ۱۴ |
| ۱۰۹۔ | مجرائی شہہ کو رکھتے نہ کیوں مصطفیٰ عزیز | ۲۲ |
| ۱۱۰۔ | مجرئی قتل ہوئے شاہ زمن آج کے روز | ۱۴ |
| ۱۱۱۔ | کیا سند تھی مجرئی قوم ستمگر کے پاس | ۱۷ |
| ۱۱۲۔ | کہ اے سلامی تھے شہہ مظلوم کے حواس | ۱۳ |
| ۱۱۳۔ | مجرئی کوئی نہ تھا فاطمہ بیمار کے پاس | ۱۴ |
| ۱۱۴۔ | مجرئی اکسیر کی اس کو نہ ہے زر کی تلاش | ۱۷ |
| ۱۱۵۔ | شہہ کو اے مجرئی تھا نہ تن و سر کا ہوش | ۱۵ |
| ۱۱۶۔ | کیوں تڑپتی نہ بہت مجرئی سرور کی لاش | ۱۵ |

۲۶۱۔ اس کو مجرا جو نہ تھا تنگ گرفتاری سے ۔۔۔ ۱۷

۲۶۲۔ سلامی آج روشبہ کو جو کل راحت اٹھائی ہے ۔۔۔ ۲۷

۲۶۳۔ جس جگہ بزم غم شاہ زمن ہوتی ہے ۔۔۔ ۱۹

۲۶۴۔ مجرئی داغ غم شہ سے دل آزار تو ہے ۔۔۔ ۱۶

۲۶۵۔ مجرائی شہ کی جان تھی گو لب پہ آ رہی ۔۔۔ ۱۸

۲۶۶۔ مجرئی کہتی تھی صغرا ابھی چین آئے مجھے ۔۔۔ ۱۵

۲۶۷۔ جس گھڑی چاند محرم کا نمایاں ہووے ۔۔۔ ۱۵

۲۶۸۔ اے مجرئی شبیر چلے رن کو جو گھر سے ۔۔۔ ۱۷ بند مربع

۲۶۹۔ اے مجرئی صغرا تھی یہ مشتاق پدر کی ۔۔۔ ۱۶

۲۷۰۔ یوں نہ برباد نہ زہرا کی کمائی ہوتی ۔۔۔ ۱۹

۲۷۱۔ شبیر کے سلامی دنیا سے کم نہ ہوں گے ۔۔۔ ۱۵

۲۷۲۔ ہے سلام اس پہ جو کہتی تھی پدر سے اپنے ۔۔۔ ۱۵

۲۷۳۔ کہا زینب نے جو شہ مجرئی رن سے آئے ۔۔۔ ۱۸

۲۷۴۔ شہ کہتے تھے مجرئی رستے میں خطر بھی ہے ۔۔۔ ۱۶

۲۷۵۔ مجرا اسے جو ماں کو کہتی تھی اشارے سے ۔۔۔ ۱۶

۲۷۶۔ اے سلامی بخت اگر اپنے رسا ہو جائیں گے ۔۔۔ ۱۷

۲۷۷۔ مجرائی شہ جو رن سے خون میں نہا کے آئے ۔۔۔ ۱۷

۲۷۸۔ جب باپ کے مجرے کو بنی نوحہ گر آئی ۔۔۔ ۱۷

۲۷۹۔ اے مجرئی شہ بولے جو مادر ابھی آ جائے ۔۔۔ ۱۸

۲۸۰۔ مجرائی جیتا شہ کا جو غمخوار ایک بھی ۔۔۔ ۱۴

۲۸۱۔ شاہ اے مجرئی تشریف کدھر لے جاتے ۔۔۔ ۱۷

۲۸۲۔ مداح جو مجرائی اس شاہ زمن کا ہے ۔۔۔ ۱۵

۲۸۳۔ چادریں چھینی جب ان چاک گریبانوں کی ۔۔۔ ۱۴

۲۸۴۔ سن کے رونے کی صدا چاک گریبانوں کی ۔۔۔ ۲۱

| | | |
|---|---|---|
| ۳۵۷۔ | پھرا کی بلوے میں زینب حجاب کے بدلے | ۳۱ |
| ۳۵۸۔ | ہے سلام اس پر جو کہتی تھی کہ بابا دور ہے | ۱۷ |
| ۳۵۹۔ | موزوں جو سلام شہ والا نہ کریں گے | ۳۲ |
| ۳۶۰۔ | کب بیاں ہو سکیں اوصاف جناب حیدر | ۴۲ مخمس |

## اشاریہ مراثی دلگیر جلد اول مطبوعہ نول کشور

| نمبر شمار | مطلع | تعداد بند |
|---|---|---|
| ۱۔ | وارد جو کربلا میں ہوئے بادشاہ دیں | ۳۶ |
| ۲۔ | بازوئے شبیر کے جس دم قلم بازو ہوئے | ۳۹ |
| ۳۔ | شہید ظلم جو وہ شاہ تشنہ کام ہوا | ۳۲ |
| ۴۔ | خیمے میں گئے شاہ جو عاشور کی شب کو | ۶۶ |
| ۵۔ | پدر کے دفن سے فارغ ہو جب پھرے حسنین | ۳۶ |
| ۷۔ | اے مومنو بن بیٹوں کی جب ہو چکی زینب | ۴۷ |
| ۸۔ | پہنچے امیر شام کی مجلس میں جب اسیر | ۳۵ |
| ۹۔ | دیکھا صغرا نے جانے پر پدر تیار ہے | ۳۹ |
| ۱۰۔ | کوئی دنیا میں نہ بے وارث و بے والی ہو | ۴۳ |
| ۱۱۔ | جہاں میں کوئی نہ ماں باپ سے جدا ہووے | ۴۵ |
| ۱۲۔ | بانو سے اجازت کو جب آیا علی اکبر | ۴۵ |
| ۱۳۔ | مدینہ میں ہوئی نامہ بر آیا ہے صغرا | ۴۴ |
| ۱۴۔ | جس دم ہوا شہید ستم شاہ کربلا | ۴۰ |
| ۱۵۔ | حسین نے جو حسن کی ادا وصیت کی | ۶۰ |
| ۱۶۔ | اے اہل عزا شاہ سرافراز تھے شبیر | ۴۳ |
| ۱۷۔ | جب مادر قاسم نے سنا آتی ہے زینب | ۳۶ |

## جلد دوم

## جلد سوم



---

[1] ص ۴۳۳ میں مطلع غلط ہے۔ دوسرا مصرع یہ ہے۔
تب یقین ہوگیا سب کو کہ قیامت آئی

## جلد چہارم

## جلد پنجم

## جلد ششم

---

[1] ایک قلمی مرثیے میں یہ دبیر کے نام درج ہے

# ذہین لکھنوی

جس طرح پرندے بڑی محنت سے گھاس وغیرہ کے تنکوں سے آشیانے بنا دیتے ہیں اسی طرح ادیب مرحوم اور جناب سید محمد رشید صاحب مدظلہ نے خون پسینہ ایک کرکے قلمی مرثیوں کا ذخیرہ تعمیر کیا۔ میں نے بسا اوقات ان دونوں بزرگواروں کو اتوار کے دن نخاس کے بازار میں قلمی مرثیوں کی تلاش میں خاک چھانتے دیکھا ہے۔ دونوں حضرات اپنے مقصد اعلیٰ میں کامیاب وکامران ہوگئے ہیں۔ ادیب مرحوم کا کتب خانہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ کی زینت بن چکا ہے اور جناب سید محمد رشید صاحب کا انمول ذخیرۂ مراثی جعفر منزل امین آباد لکھنؤ میں محفوظ ہے۔ رشید صاحب کے ذرائع وسائل محدود ہیں۔ لیکن علم دوستی اور ادب نوازی کا شوق اتنا غالب آگیا ہے کہ انہوں نے زر کثیر صرف کرکے اس کتب خانے کو پروان چڑھایا ہے۔ مرثیوں کی جلدیں بنوائیں اور ان کو بڑے سلیقے سے رکھا ہے۔ یہاں مرثیوں کی بعض ایسی نادر ونایاب جلدیں ہیں کہ برصغیر میں ان کا ملنا ناممکن ہے۔ اگر یہ دونوں کتب خانے نہ ہوتے تو فن مرثیہ کے عروج میں اتنی پیش رفت نہ ہوتی۔ ان میں ایسے نامعلوم مرثیہ گو شعرا کے بے شمار مرثیوں کے قلمی اور غیر مطبوعہ نسخے محفوظ ہیں جن کا ذکر تذکروں میں عنقا کے برابر ملتا ہے۔ ان ہی میں ذہین لکھنوی بھی ہیں۔

ذہین کا ترجمہ کسی تذکرے میں مصحفی (متوفی ۱۸۲۴ء) کے سوا نہیں ملتا ہے۔ ان کا نام معدوم اور تخلص معلوم ہے۔ مصحفی پہلے تذکرہ نگار ہیں جنہوں نے ذہین کا ترجمہ ریاض الفصحا کے صفحہ ۹۵ میں دیا ہے۔ وہ مشہور مرثیہ گو میاں دلگیر (متوفی ۱۸۴۷ء) کے شاگرد تھے اور انہوں (ذہین) نے مرثیہ گوئی میں نام پیدا کیا تھا۔ یہ تذکرہ نواب سعادت علی خان مرحوم کے زمانے

میں ۱۸۰۵ء میں شروع کیا گیا تھا اور ۱۸۲۰ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا۔ یہ مرثیہ گوئی کے لیے بادشاہ غازی الدین حیدر کا سنہری زمانہ تھا۔ اس زمانے میں مرثیہ عروج کو پہنچا تھا۔ اور میر خلیقؔ، مرزا فصیحؔ، میاں دلگیرؔ، میر ضمیرؔ اور مرزا دبیرؔ وغیرہ کے جوہر کھل رہے تھے۔ اس طرح ذہینؔ ان بھی مرثیہ گو شعراء کے ہمعصر تھے۔ ریاض الفصحا کے ترتیب کی وقت ذہین کی عمر تقریباً سولہ سال کی تھی۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ مصحفیؔ نے ان کا ترجمہ تذکرہ کے آغاز سال میں کیا ہوگا تو اس حساب سے ان کی پیدائش ۱۲۰۵ھ (۱۷۹۰ء) قرار دی جاسکتی ہے۔ یہ زمانہ آصف الدولہ بہادر کے عروج کا تھا۔ مصحفیؔ ذہینؔ کا ترجمہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں!

"ذہینؔ تخلص، قوم کایستھ، طفلِ نورسیدہ، شاگرد لالہ جھنولال طربؔ۔ حالا دلگیر تخلص می گزارد۔ ومرثیہ وسلام می گوید و نامی در مرثیہ گوئی پیدا کردہ، عمرش تخمیناً شانزدہ سالہ خواہد بود"

مصحفیؔ نے ذہینؔ کی ایک غزل (ردیف ر) کے تین شعر بھی دیئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ غالباً صاحب دیوان تھے۔ ذہین بسیار نویس اور قادر الکلام مرثیہ گو شاعر تھے اور انہوں نے بیسیوں مرثیے کہے ہیں۔ راقم الحروف کی نظر سے ان کا کوئی مطبوعہ مرثیہ تا حال نہیں گزرا ہے۔ میں نے ان کے ۲۲ غیر مطبوعہ مرثیے اودپر کے کتب خانوں میں دریافت کئے ہیں۔ ذیل میں ان کے مطلع درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) بانو نے سنا جب علی اکبرؑ ہوا زخمی — ۴۰ بند

(۲) برچھی اے مومنو اکبر نے جو کھائی رن میں — ۵۱ بند نسخۂ دوم ۴۷ بند مکتوبہ ۱۸۲۹ء، نسخہ سوم ۳۵ بند مکتوبہ ۱۸۴۵ء

(۳) جب آئے حرم قید مصیبت سے وطن میں — ۴۰ // نسخۂ دیگر مکتوبہ ۱۸۳۳ء

(۴) جب سینے میں اکبرؑ کے لگی برچھی ستم کی — ۴۰ //

(۵) جب کربلا میں شاہ کا لشکر ہوا شہید — ۴۴ // مکتوبہ ۱۸۴۵ء

(۶) جب کہ تنہا رہے میدانِ سفر میں شبیرؑ — ۴۴ // ۱۸۳۴ء

(۷) جس گھڑی دشتِ ستم میں شہِ والا پہنچے — ۳۸ //

(۸) حسین گھر گئے جس دم عراق کوفہ میں — ۴۲ // مکتوبہ ۱۸۴۵ء

(۹) دشمن اسیر ہووے نہ دام فراق میں ۳۰ //
(۱۰) دل میں سفر جنت جب ٹھان چکا اکبرؑ ۴۰ //
(۱۱) زندان شام میں جو حرم نوحہ گر گئے ۳۳ //
(۱۲) سوادشام میں جب آل مصطفیٰ پہنچے ۳۷ //
(۱۳) شبیرؑ کو طلب کیا جب اہل شام نے ۳۶ //
(۱۴) کسی کے اہل کتب نے نہیں خلاف لکھا ۲۷ //
(۱۵) کعبے میں جب کہ ہو گیا نرغہ حسینؑ پر ۳۱ // مکتوبہ میر واجد حسین ۱۸۴۴ء
(۱۶) کوفے سے خط جو آئے شہہ خوشخصال کو ۳۱ بند نسخہ دیگر ۱۸۴۴ء
(۱۷) گل ہوئی میداں میں جب شمع مزار فاطمہؑ ۴۸ بند مکتوبہ ۱۸۴۴ء
(۱۸) لڑتے لڑتے علی اکبرؑ نے جو برچھی کھائی ۴۶ بند نسخۂ دیگر ۳۵ بند
(۱۹) ہوا در پیش جو کہ کوفے کا سفر سرورؑ کو ۳۹ بند
(۲۰) ہمشکل نبیؐ باندھ چکا جب کہ کمر کو ۴۲ بند نسخۂ دیگر ۳۷ بند
(۲۱) یثرب کو حرم جب چلے آفت کے سفر سے ۴۱ بند
(۲۲) یثرب میں جو یارو خبر نامہ بر آئے ۳۹ بند مکتوبہ میر واجد حسین ۱۸۴۵ء

ذہین کا ایک بہت ہی پر اثر مرثیہ ۳۵ بند کا ہے۔ اس میں انہوں نے عربی اور ہندی کے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں۔ ذیل میں چند بند پیش کئے جاتے ہیں۔

لڑتے لڑتے علی اکبرؑ نے جو برچھی کھائی دشت سے یا ابتا کی جوں ہی آواز آئی
خیمے میں بانوئے مجروح جگر گھبرائی آکے در پر شہہ بیکس کو وہ یوں چلائی
ادھر آؤ قدم آگے نہ بڑھاؤ صاحب
لونڈی بے چین ہے خیمے تلک آؤ صاحب

مجھے کچھ پوچھنا ہے آپ سے شاہِ دوسرا علی اکبرؑ مرا میدان سے اب تک نہ پھرا
وحشت انگیز ابھی آئی جو کانوں میں صدا آگ اک سینے میں بھڑکی ہے بجھاؤ آقا
یاں عناں صبر کے ہاتھوں سے چھٹی جاتی ہے
تم نہیں آتے تو بانو ہی چلی جاتی ہے

گوش زینبؑ میں جوں ہی بانو کی آواز آئی  بولی گھبرا کے یہ ہمشیر حسینؑ ابن علیؑ
چھپتی مطلق نہیں واللہ صدا زخمی کی  ہو نہ ہوسینۂ اکبر پہ لگی ہے برچھی
پاس سرورؑ سے نہیں پاؤں بڑھاتی بانو
شہہ والا کو ہے خیمے میں بلاتی بانو

کیا غضب ہے جو نہ آواز سنیں سرور دیں  یہ بھی ممکن نہیں بے چین نہ ہو یہ غمگیں
بے قراری میں مگر کچھ نظر آتا ہے کہیں  ڈر ہے خیمے سے نکل جائے نہ بانوئے حزیں
پاس سرورؑ سے نہیں پاؤں بڑھاتی بانو[1]
شہہ والا کو ہے خیمے میں بلاتی بانو

دیکھا زینبؑ کو تو وہ اور بھی یوں چلائی  بولی کیا عرض کروں آتمہ یاں تک لائی
تھی ابھی بیٹھی ہوئی خیمے میں میں دُکھ پائی  کہ یکایک مجھے فرزند کی آواز آئی
یہ یقیں ہے ابھی وہ رن میں نہیں کام آیا
سُن کے آواز نہ مطلق مجھے آرام آیا

سُن کے یہ راہی کوثر ہوئے اکبرؑ تو ادھر  اور ادھر بانوئے ناشاد گری غش کھا کر
خیمۂ شاہ میں برپا ہوا شور محشر  اے ذہین عرض کر اب شہہ سے برائے اکبرؑ
تھامئے ہاتھ مرا مجھ پہ رعایت کیجے
حامی کون و مکاں میری حمایت کیجے

ایک مرثیہ جناب رشید صاحب کی مراثی جلد نمبر ۶۴ میں ۴۱ بند کا ملتا ہے۔ یہ ۱۸۲۹ء کا مکتوبہ ہے۔ اس میں ہندوستانی رسومات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ مرثیہ بڑا ہی اور رقت آمیز ہے۔ مرثیے کے چند بند درج کئے جاتے ہیں۔

جب آئے حرم قید مصیبت سے وطن میں  آفت میں گرفتار تھے اور رنج و محن میں
زینبؑ یہی کہتی تھی غم شاہ زمن میں  اے لوگو جدائی ہوئی ہے بھائی بہن میں
سر کھولے ہوئے خواہر شاہ زمن آئی
بھائی رہا پردیس میں گھر میں بہن آئی

---

[1] غلطی سے ہم نے اوپر بند کا شعر دوبارہ لکھا ہے اور اصل بیت نظر سے ہٹ گئی ہے (ا۔خ)

شیرز بن اب چھاتی سے صغرا کو لگاؤں بیمار کو بابا کی سنائی میں سناؤں
وہ باپ کو پوچھے تو میں گردن کو جھکاؤں اے کاش ابھی موت آئے میں جیتی تو نہ جاؤں
آپہنچا وطن جان پہ اب آل نبیؐ ہے
اب زینبؑ ناشاد ہے اور سینہ زنی ہے
زینبؑ نے کئے بین جو سرپیٹ کر اپنا تھرا گیا اک مرتبہ ہی مرقد زہراؑ
اور آئی صدا بیٹی میں موجود تھی اس جا تربت سے تھا آکر مجھے بابا نے اٹھایا
زانو پہ میرے سر مرے بیٹے کا کٹا ہے
اب تک یہ مرا منھ اسی لہو سے بھرا ہے
کچھ بی بیاں نزدیک گئیں بادل مضطر زینبؑ کے پس پشت چھپی بانوے سرور
کبراؑ عرق شرم میں اس وقت ہوئی تر زینبؑ نے اٹھا ہاتھ کو بس مل لیا منھ پر
تربت سے کہا ماں کی کہ شکل ان کو دکھاؤں
بھائی کی سنائی انہیں کس منھ سے سناؤں
زینبؑ نے کہا بی بیو کیا تم کو بتاؤں کس طرح مصیبت شہہ بیکس کی سناؤں
اور ہاتھوں سے منھ کو بھلا کیا خاک اٹھاؤں دکھلانے کے قابل نہیں منھ کیا میں دکھاؤں
اے لوگو! یہ آنکھیں ہیں لہو بہنے کے قابل
یہ ہاتھ ہے آنکھوں پہ دھرے رہنے کے قابل
ان ہاتھوں سے نوشاہ کو سہرا تھا بندھایا ان ہاتھوں سے کبرا کو نبی میں نے بنایا
صندل کا انہیں ہاتھوں سے چھاپا تھا لگایا ان ہاتھوں سے پھر بنڑی کو رنڈسالہ پہنایا
ان آنکھوں سے بیٹوں کے لیے روچکی زینبؑ
ان آنکھوں سے منھ آنسوؤں سے دھوچکی زینبؑ

مقطع

یہ عورتوں سے کہتی تھی وہ بیکس و مضطر جو سُن کے لگے کہنے یہ عبداللہ جعفرؑ
اب صبر کرو گھر کو چلو ہے یہی بہتر ناچار ہو تب گھر کو چلی شاہ کی خواہر
خاموش ذہین آگے وہ رقت نہ بیاں کر
صغراؑ کی ملاقات کی حالت نہ بیاں کر

آخر میں ذہینؔ کا ایک پورا مرثیہ نمونے کے طور پر درج کیا جاتا ہے۔ مطلع ہے۔

شبیر کو طلب کیا جب اہلِ شام نے

مرثیہ نواب ملکہ زمانیہ (مرحومہ ۱۸۴۳ء) کی زندگی میں تصنیف ہوا ہے۔ مقطع میں ان کا نام آیا ہے۔ ملکہ زمانیہ بادشاہ نصیر الدین حیدر (متوفی ۱۸۳۷ء) کی محلات میں تھیں اور بقول نجم الغنی مصنف تاریخ اودھ وہ ہزار جان سے فدائے ائمہ معصومین تھیں۔ گولہ گنج لکھنؤ (لاکٹ لانڈری) کے پہلو میں ایک وسیع امام باڑہ تعمیر کیا تھا۔ ملکہ زمانیہ ذاکروں کی قدردان تھیں اور انہیں انعام واکرام سے مالا مال کرتی تھیں۔

# مرثیہ ذہینؔ

## (غیر مطبوعہ)

شبیرؑ کو طلب کیا جب اہلِ شام نے
عزم سفر کیا شہہ عالی مقام نے
بیٹی کا حالِ غیر جو دیکھا امامؑ نے
ذکر سفر نہ کچھ کیا صغراؑ کے سامنے
بس دھیان تھا یہی کہ وہ جی سے گذر نہ جائے
بیمار میرا عزم سفر سُن کے مر نہ جائے

زینبؑ کو اک کنارے بلا کر شہہؑ زمن
کہنے لگے بتاؤ تو میں کیا کروں بہن
در پیش ہے مجھے سفر آفت و محن
شدت سے تپ کی فاطمہ صغراؑ ہے خستہ تن
مانا ہے کربلا کا سفر دور ہے بہن
کیا اس کو لے چلوں کہ وہ رنجور ہے بہن

اور چھوڑ جاؤں گا تو وہ یاں مر ہی جائے گی
عادت یہ اس مریض کو بھینا ہے پڑ رہی
جب غش سے چونکتی ہے تو وہ کہتی ہے یہی
لوگو! میرے پدر کو بلا لیجو کوئی
اور بے خبر چلوں جو مجھے یاں نہ پائے وہ
بابا ہی بابا کہہ کے کہیں مر نہ جائے وہ

ہے ایک تو یہ دوسری قبروں سے چھوٹنا
صدمے پہ صدمہ پیش ہے بھینا کروں میں کیا
زینبؑ نے رو کے عرض کی مختار ہو شہا
لیکن یہ عرض کرتی ہوں میں غم کی مبتلا
گر ہے یہی ارادہ تو بلوانے دو مجھے
ملنے کو قبر فاطمہؑ پر جانے دو مجھے

فرمایا شبہ نے جلدی ہے کیا اے جگر فگار — ہم تم چلیں گے ساتھ ہی ملنے کو ایک بار
زینبؑ نے عرض کی نہیں اے شاہ باوقار — جانے دیں پہلے آپ مجھے میں ہوں بے قرار
نکلے گا کچھ نہ آگے تمہاری زبان سے
تنہا ہی مجھ کو کہنا ہے کچھ لساں جان سے

یہ کہہ کے شہہؑ سے وہ گئی قبر بتولؑ پر — پہلے تو قبر فاطمہؑ پر آکے کھولا سر
پھر قبر سے لپٹ کے یہ بولی وہ نوحہ گر — بیٹا سفر کو جاتا ہے تم کو نہیں خبر
وسواس ہے نہ شاہ میری آس توڑ جائیں
صغراؑ کی طرح مجھ کو بھی گھر میں نہ چھوڑ جائیں

تنہا ہوں آئی اس کی خبر کرنے آپ کو — اے اماں جان اٹھو سفارش میری کرو
مجھ کو بھی ساتھ لے چلیں بیٹے سے کہہ تو دو — کس طرح چھوڑوں بھائی کو اماں بتاؤ تو
دیکھو مآل کار سفر کس طرح سے ہو
صغراؑ کی زیست دیکھوں بسر کس طرح سے ہو

اس درجہ پیٹی کہہ کے وہ محزون و نوحہ گر — جو غش سا اس کو آگیا قبر بتولؑ پر
تیار شہہؑ نے یاں کیا زاد رہ سفر — زینبؑ ستم زدی کی کسی کو نہ تھی خبر
فِضّہ سے بولے شہہؑ جو ہو غش میں اٹھا کے لا
زینبؑ کو قبرِ فاطمہ سے جلد جا کے لا

سُن کر چلی امام سے جلدی وہ دل حزیں — پہنچی جو قبر فاطمہؑ کے آن کر قریں
بولی ہلا کے شانے کو ہے دھیان یا نہیں — غش سے اٹھو خوزادی کہ جاتے ہیں شاہ دیں
ہیں شہہؑ بلاتے کوچ کا سامان ہو چکا
سمجھو کہ گھر بتولؑ کا ویران ہو چکا

یہ سن کر آئی ہوش میں زینبؑ جگر جلی — فِضّہ کا ہاتھ تھام کے آئی وہ پیٹتی
بس آکے صحن خانہ میں آتا نظر یہی — صغراؑ ہے تھامے دامن شبیر رو رہی
کہتی ہے یا امامؑ کہاں آپ جاتے ہیں
سمجھاتے ہیں امامؑ گلے سے لگاتے ہیں

صغراؑ کو تھامے کہتی ہے بانو جگر فگار — غش آنہ جائے بیٹی نہ اتنی ہو بے قرار

کہتی ہے مانتا ہے نہ مانوں گی زینہار        لوگو! یہ دیکھتے ہو چڑھا ہے مجھے بخار
جب تپ ستائے گی تو میں کس کو بلاؤں گی
جاؤں گی گر نہ ساتھ تو میں مر ہی جاؤں گی

کلثوم کہہ رہی ہے کہ دامن کو چھوڑ دو        کہتی ہے وہ پھوپھی نہ ستاؤ مجھے ہٹو
چھوڑوں گی میں نہ چھوڑوں گی کتنا ہی تم کہو        میں چھوڑتی ہوں ہاتھ بھی دامن کو چھوڑ تو
کاہے کو پھر ملوں گی جو اس آن جھپٹ گئی
دامن سے چھٹ گئی تو میری جان چھٹ گئی

کہتی ہے روکے زوجۂ شبیرؑ کہ میری جان        دامن تو چھوڑ دو یہ چلی جائے گی کہاں
دیکھ ان کی سمت ہوگئیں آنکھیں جو خونفشاں        زینبؑ کی سمت دیکھ کے بولی کہ آؤ یہاں
سب کہتے ہیں کہ چھوڑو شہہ دیں پناہ کو
سمجھاتی ہیں مجھے نہیں سمجھاتی شاہ کو

اچھا پھوپھی جو مجھ سے کہا شہہ سے بھی کہا        سب اپنی کہتے ہیں میری سنتی نہیں ذرا
کہتی ہو تم بھی چھوڑ دوں دامن میں شہہ کا        یہ بات مجھ مریض سے کہنا نہیں روا
کہتا نہیں کوئی کہ شہا دل نہ توڑنا
کوئی مجھ سے کہتا یہ نہیں دامن نہ چھوڑنا

اچھا پھوپھی تمہیں یہ بتاؤ مجھے ذرا        بیمار اک جہاں میں ہوں میں ہی انوکھی کیا
بیمار اور کوئی جہاں میں نہیں ہوا        بیمار بیٹی کی کہو کس باپ نے جدا
آزار سے چھٹی نہیں زنہار بیٹیاں
کس کس پدر نے چھوڑ دیں بیمار بیٹیاں

اس میں یہ ہوگی مصلحت دلبرِ رسولؐ        صحت اگر نہ ہوگی تو ہوئے گی یہ ملول
یعنی سفر میں اس کو نہ ہوگی شفا حصول        گر ہے یہی دوا تو مجھے ہے مرض قبول
ایذا سفر کی فکر دوا کی بھلایئے
میری دوا یہی مجھے لیتے جایئے

زینب نے اس سے روکے کہا اے سرورِ جاں        چھوڑو پدر کو اور نہ آنسو کرو رواں

تھوڑے دنوں تو رنج جدائی ہے تجھ کو ہاں بھولیں گے ایک آن نہ تجھ کو شہہ زماں
اچھی بھی ہوگی خط بھی یہاں آئیں جائیں گے
ضامن میں ہو کے جاتی ہوں تجھ کو بلائیں گے
صغراؑ نے شکل دیکھ کے زینبؑ کی رو دیا بولی پھوپھی سے تم نے بھی آخر یہی کہا
تم کیا کرو پھوپھی کہ ہے کہنا مرا بدا یہ کہہ کے چھوڑنے لگی دامن حسینؑ کا
دامن تو چھوڑتی ہوں پہ مجبور ہو کے میں
یہ جان لو جیوں گی نہ مجبور ہو کے میں
دامن کو شہہ کے چھوڑ دیا آہ کھینچ کر بانو سے بولی چھوڑ دو اماں مری کمر
بسمل سی لوٹنے لگی صغراؑ زمین پر ہونے لگے سوار شہنشاہ بحر و بر
گھوڑے کو در پہ دیکھ کے بس چھاتی پھٹ گئی
شہہ کی نظر بچا کے سموں سے لپٹ گئی
جب ہو چکے سوار تمام آل مصطفیٰ صغراؑ نے سُم کو چوم کے گھوڑے سے یہ کہا
بابا کے راہوار نہ یاں سے سرک ذرا حضرت نے ایڑ گھوڑے کو کی پر نہ وہ چلا
ہر چند شاہ کہتے تھے لیکن نہ چلتا تھا
صغراؑ کے سر پہ تھوتھنی رو رو کے ملتا تھا
عباس کی جو جانب سرور پڑی نظر آواز دی نہ ایڑ کرو شاہ بحر و بر
جو سمجھے چلتا کیوں نہیں یہ اسپ خوش سیر لپٹی ہوئی سُموں سے ہے صغراؑ برہنہ سر
صغراؑ کا حکم رد کرے یہ آہ کس طرح
وہ کہتی ہے نہ چل یہ چلے شاہ کس طرح
حضرت اُتر کے گھوڑے سے واں دیکھتے ہیں کیا لپٹی ہوئی سموں سے ہے وہ غم کی مبتلا
آغوش میں مریض کو شہہ نے اٹھا لیا بولے کہ میری جان کڑھاؤ نہ دل مرا
صغراؑ نے عرض کی مراجی مانتا نہیں
حالت کسی کے دل کی کوئی جانتا نہیں
تم ہوتے تھے سوار تھی حالت مری بری کچھ اور بن نہ آئی تو اے نائب علیؑ

میں حال جان زار جو کہہ کہہ کے تھک چکی　　بیتاب ہو کے اس کی سموں سے لپٹ گئی
شبہ نے کہا کہ فاطمہؑ پھر کیا بتاؤں میں
کوئی گھڑی اب اور کہو تو نہ جاؤں میں

جانے دو لوگ کرتے نہ واں انتظار ہوں　　نہ اشکبار تم ہو نہ ہم اشکبار ہوں
بولی یہ کیجئے آپ نہ اب بے قرار ہوں　　لے کر مجھے بھی اہل حرم تک سوار ہوں
خواہر کو بھی میں دیکھ لوں اصغرؑ کو دیکھ لوں
پھوپھیوں کو چل کے دیکھ لوں مادر کو دیکھ لوں

گودی میں فاطمہ کو لئے شاہ بحر و بر　　واں تک لے آئی بیبیاں جس جا تھیں نوحہ گر
گودی سے بس اتر پڑی صغراؑ زمین پر　　چلائے محملوں سے رہیں غیراب ادھر
سب سے کہا کہ پردہ محافے کا ٹال دو
بیتاب ہوں محافے سے سب منھ نکال دو

للہ صاحبو مجھے رخصت تو کرتے جاؤ　　جاتے تو ہو اب آخری دیدار تو دکھاؤ
رخصت تو کرلوں تم کو نہ اتنا مجھے کڑھاؤ　　دل بیقرار ہوتا ہے اصغرؑ کو جلد لاؤ
اے صاحبو! بتاؤ تو صغراؑ بھی کوئی ہے
اصغرؑ تمہارا پیارا ہے میرا بھی کوئی ہے

صغراؑ کے اس سخن سے جگر منھ کو آگیا　　گھبرا کے ایک ایک نے پردہ اٹھا دیا
حسرت سے ایک ایک کو دیکھا کی فاطمہؑ　　بولی خدا کو سونپا پہ شکوہ میرا رہا
تم سب چلے میں موردِ آفات رہ گئی
میں ساتھ سے تو رہ گئی پر بات رہ گئی

آئے گی یاد سب مجھے پیچھے جدا جدا　　اماں نے یہ کہا پھوپھی اماں نے یہ کہا
بہنوں نے بات پوچھی نہ بھائی کڑھا رہا　　عموں کو ایک سکینہؑ ہی کے ساتھ انس تھا
کہہ دو پھوپھی نہیں ہے کہ میری چچی نہیں
لیکن سوا خدا کے میرا اب کوئی نہیں

کہنے لگی وہ مادر محزوں سے پیٹ کے　　اک عرض ہے میری جو قبول آپ کیجئے
ڈرتی ہوں میں اسی سے کہ تم دو نہ دو مجھے　　اصغرؑ کو آپ دیویں تو مانگوں میں آپ سے

پھر پاؤں یا نہ پاؤں گلے تو لگاؤں میں
کیا جانئے جیوں نہ جیوں مر ہی جاؤں میں

بانو نے سُن کے دے دیا اصغرؑ کو دلربا لے کر بلائیں اس کو گلے سے لگالیا
بولی کہ بھائی جان ہمارا نہ کوئی تھا یاں سب نے ہم کو چھوڑ کے تم سے چھڑادیا
اماں ہی تم ہو کنبہ ہے خالق کی شان ہے
جھولا ہے ہم ہیں اور یہ اجڑا مکان ہے

جاگو جیو جہاں میں مرے اے سرور جاں بابا کے سائے میں تمہیں خالق کرے جواں
سہرا بھی باندھو لاؤ دلہن ایک ہم کہاں ارماں رہا بڑھیں نہ میرے آگے ہنسلیاں
ارماں یہی ہے رہ گئی افسوس بھائی میں
انگلی پکڑ کے تم کو پھرانے نہ پائی میں

کاہے کو یاد فاطمہؑ کی تم کو آئے گی کبراؑ ہماری جا پہ تمہیں اب کھلائے گی
بالی سکینہؑ تم کو گلے سے لگائے گی گہوارے میں تھپک کے رقیہؑ سلائے گی
آغوش خالی دیکھ کے آنسو بہائیں گے
ہم خالی تیرے جھولے کی ڈوری ہلائیں گے

ہے تو کہ اچھی ہونے پہ وعدہ بلانے کا پر اب تو بھائی جان مجھے ہوچکی شفا
بابا بلائیں گے نہ میں جاؤں گی گو کہا ہاں کہنے کو پھوپھی نے مراجی تو رکھ لیا
ہے چھوڑ نا دلیل برے مارے جانے کی
امید ہے شفا کی نہ مجھ کو بلانے کی

پر بھائی جان خیر سے آؤ گے جو پھر کر جتیا مجھے نہ پاؤ گے جاؤں گی میں تو مر
شبہہؑ کا سفر ادھر ہے مرا ہے ادھر سفر یہ یاد رکھیو گر میں کئی جان سے گزر
للہ یہ نہ بات میری بھول جائیو
تربت پہ میری گھٹنیوں تم چل کے آئیو

یہ کہہ کے غش سا آگیا اصغرؑ کو ایک بار لے آئی نانی اس کو حرم ہوگئے سوار
آگے ذہین کر یہ دعا میرے کردگار بہر جناب فاطمہؑ صغرا جگر فگار

ایذا سے اب سفر کی میری بھی رہائی کر
مشکل کشا کو بھیج کے مشکل کشائی کر

کرتا دعا ذہینؔ ہے یہ حق سے بار بار ہے جو نواب ملکہ زمانیہ رستگار
اس کو جہاں میں رکھیو تو باعزو افتخار پامال اس کے دشمنوں کو کرائے کردگار

اس کو نہ خوف گردش افلاک کا رہے
سایۂ ہمیشہ پنجتن پاک کا رہے

☆☆☆

# مہاراجہ بلوان سنگھ راجہؔ

راجہ تخلص، بلوان سنگھ نام۔ راجہ چیت سنگھ والی بنارس کے بیٹے تھے۔ ان کے بزرگوں کا ذکر بنارس گزیٹیئر ص ۱۹۸، اور تاریخ بنارس جلد اول (مولفہ سید مظہر حسن کا کوروی مطبوعہ سلیمانی پریس بنارس ۱۹۱۶ء میں تفصیل سے ملتا ہے۔ راجہ اردو کے قادرالکلام شاعر تھے۔ وہ صاحب دیوان بھی تھے لیکن اب یہ دیوان عنقا کا حکم رکھتا ہے۔ ان کا ترجمہ گلستان بیخزاں (باطن)، سخن شعراء سراپا سخن اور خوش معرکۂ زیبا وغیرہ میں درج ہے۔ موصوف نے ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ء) میں آگرے میں ایک مشاعرے کا سنگ بنیاد ڈالا تھا۔ اس میں شعراء اپنا کلام سنایا کرتے تھے۔ بقول ڈاکٹر اشپرنگر (اودھ کیٹلاگ مطبوعہ ۱۸۵۴ء) مشاعرے میں بختاور سنگھ غافل، آقا میرزا میرزا، آغا حیدر علی، افصح اور شیخ پیر محمد بخش مسرور (شاگرد مصحفی) رونق مشاعرہ تھے۔ لالہ سری رام مؤلف خمخانۂ جاوید (جلد سوم ص ۲۹۸) نے راجہؔ کے حالات قدرے تفصیل کے ساتھ لکھے ہیں۔ وہ کہتے ہیں

> ''بعد وفات مہاراجہ چیت سنگھ، مہاراجہ بلوان سنگھ چالیس سال تک آگرہ میں تشریف فرما رہے۔ نظیر اور مرزا حاتم علی مہرؔ کے شاگرد تھے۔ بڑے قادرالکلام، مشاق، ذکی اور طباع سخنور تھے۔ تلاش مضامین نو کی طرف میل خاص تھا اور اس کے ساتھ بھی زبان کی صفائی کا اس قدر خیال تھا کہ کیا مجال کہ اسلوب بیان میں ذرا بھی دقت یا الجھاؤ پیدا ہو۔ مشکل زمینوں میں خوب خوب شعر نکالتے تھے۔ مشاعروں کے بڑے قدر دان تھے۔ ہمیشہ دولت خانے پر مشاعرے ہوا کرتے تھے اور شعراء سے ہر طرح سے سلوک ہوتے تھے۔ قوم کے ترکرما برہمن تھے۔ ان کے مورث اعلیٰ راجہ منسارام کو محمد شاہ نے 15 لاکھ سالانہ خرچ پر

علاقہ جات جونپور، غازی پور، بنارس کا صوبہ دیا تھا۔ سرکار انگلشیہ سے دو ہزار روپیہ ماہوار پنشن مقرر تھی۔ ۱۷۹۹ سال پیدائش تھا

صاحب دیوان مستی بہ گل ریاض مطبوعہ عظیم الاخبار پریس آگرہ ۱۲۷۰ھ (۵۴-۱۸۵۳ء) تھے۔ ایک کتاب موسوم بہ چتر اچندر کا بھی ان سے یادگار ہے۔ دیوان نہیں ملا۔ البتہ تلاش سے بیس پچیس غزلیں بہم پہنچیں۔ ان کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف و مشکل زمینوں میں کس قابلیت اور ذہانت سے فکر کیا ہے۔ ان کی قادرالکلامی اور مشاقی قابل داد تھی کیوں نہ ہو استعداد علمی کے علاوہ ذہانت اور خوش فکری خداداد تھی۔

میرؔ و سوداؔ وخریںؔ، آتشؔ وناسخ ہوتے
روبرو ان کے تھا راجہؔ ترے اشعار کا خط

راجہ مرثیہ بھی کہتے تھے۔ راقم الحروف کو ذخیرۂ رشید صاحب میں راجہؔ کا ایک نادر ونایاب مرثیہ دریافت ہوا۔ یہ 34 صفحوں پر مشتمل ہے۔ اس میں 14 رباعیاں، ایک قطعہ اور ایک سلام ہے۔ مرثیہ ۱۲۸۵ھ (۱۸۶۹ء) میں تصنیف ہوا اور ایک سال کے بعد پہلی مرتبہ ۱۲۸۶ھ (۱۸۷۰ء) میں آگرہ میں چھپا تھا۔ سرورق کی عبارت یہ ہے۔

دو تاریخ برخواں راجہ تو رم
سراد غم دگر اخبار ماتم

۱۲۸۵ھ ۱۲۸۵ھ

''در مطبع الٰہی واقع آگرہ بحسنِ سعی مچھو خان از حلل طبع آرائش یافت''

صفحہ۲۔ تقریظ باقر علی ادراکؔ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''فیض عالم سے ہنوز سلسلۂ زلفِ سخن دراز شاہد فصاحت سراپا ناز ہے۔ ہر چند یہ خاکسار ذرۂ بے مقدار شاگرد جناب شیخ امام بخش ناسخ مغفور کا ہے۔ سب طرز کے مرثیہ سنے مگر اس مرثیے کے برابر کوئی مرثیہ نہ سنا۔ حق یہ ہے کہ سرو جویبار گلستان فصاحت، عندلیب بوستان بلاغت، طوطی، خوشنوائے حدیقہ سخندانی یکہ تازعرصۂ اعجاز بیانی جناب مہاراج راجہ بلوان سنگھ بہادر تخلص راجہؔ رام والی شہر کاشی کہ شہرہ ان کے کلام بلاغت نظام کا ماہ سے ماہی

تک پہنچا ہے۔ اس مرثیۂ طرزِ نو کو اس لطافت اور فصاحت سے نظم فرمایا کہ اکثر اہل زباں اور سخندان شہر آگرہ متفق اللفظ ہو کر اس مرثیے کی یکتائی کے مقر ہوئے۔ امید قوی ہے کہ ہر ایک شہر کے سخندان نکتہ سنج اس مرثیے کو سُن کر منسوب یہ یکتائی فرمائیں گے۔''

صفحہ۳ سے رباعیاں ہیں۔ اس صنف میں بھی راجہ کو قدرت کاملہ حاصل تھی۔ ذیل میں چند رباعیاں درج کی جاتی ہیں۔

زہراؑ بھی ہیں مجلس میں پیمبر بھی ہیں
شبیرؑ بھی اور ساقی کوثر بھی ہیں
یہ جائے ادب ہے سر جھکالے راجہ
منبر کے بہت قریب سرور بھی ہیں

○

مشہور زمانے میں عزادار بھی ہوں
مداح جناب شہہ ابرار بھی ہوں
اقبال مرا اوج پہ ہے اب راجہ
مجرائی بھی ہوں حاضر دربار بھی ہوں

○

حاضر ہیں غلام شہہ دیں مجلس میں
غم خوار ہیں بیتاب وحزیں مجلس میں
آنکھوں کو کرو فرش قدم اے راجہ
آتے ہیں شہہ عرش نشیں مجلس میں

○

جس پھول میں رنگ وبو نہیں خار ہے وہ
جو دن ہے مصیبت کا شب تار ہے وہ
روئی نہیں جو آنکھ غم سرورؑ میں
مردم یہ کہیں روزن دیوار ہے وہ

○

جبریل کا اللہ نے استاد کیا
اور احمدؐ مختار کا داماد کیا
جب ان کو وصی کیا تو اللہ نے خود
اکملت لکم دینکم ارشاد کیا

○

بے شیر کا خیمہ میں بپا تھا ماتم
ناموس پیمبرؐ کا عجب تھا عالم
جس تیر سے زخمی ہوا ننھا سا گلا
اس تیر سے بھی کچھ قد اصغرؑ تھا کم

○

کیا چیز تھی نور مصطفیٰ سے پہلے — بے شبہہ یہ تھے سب انبیاء سے پہلے
بعد ان کے نبوت ہے اسی طرح محال — جس طرح نہ تھا کوئی خدا سے پہلے

صفحہ 5 اور 6 میں سلام ہے۔ اس میں 30 شعر ہیں۔ چند شعر پیش کیے جاتے ہیں۔ زبان کی شگفتگی قابل لحاظ ہے۔

## سلام

مجرئی غم دمِ رخصت ہوا اندر باہر — قبر میں روئے نبیؐ سبطِ پیمبرؐ باہر
رو کے فِضّہؑ نے کہا پیاس سے اے سبط نبیؐ — نکل آئی ہے زبانِ علی اصغر باہر
بند آنکھیں کرو جبریل یہ چلاتے تھے — بیبیاں خیمے سے آتی ہیں کھلے سر باہر
پنجتنؑ کی جو ثنا میں سر مجلس نہ پڑھوں — شش جہت سے ابھی ہو جائے یہ منبر باہر
روضۂ شاہ پہ قربان ہیں ہر صبح و مسا — طاہر سدرہ سر قبر کبوتر باہر
رو کے قاتل سے کہا شاہ نے دل ہے بیتاب — نکلی فردوس سے شاید میری مادر باہر
شاہ کی آنکھوں سے جب چھپ گئی تصویر نبیؐ — تھے کھڑے صورت آئینہ وہ ششدر باہر
رو کے اکبرؑ نے کہا کھینچئے جلدی باہر — الجھی ہے نوک سناں سینے کے اندر باہر
شاہ نے حُر سے یہ فرمایا اسی جا ہو رواں — ہے مرے حکم سے کب چشمۂ کوثر باہر
پھینک دی حضرت جبریلؑ نے سر سے دستار — نکلا جب گردن شبیرؑ سے خنجر باہر
تشنگیِ شہ مظلوم پہ روئی شبنم — لالہ نکلا ہے زمیں سے لیے ساغر باہر
خضرؑ نے لاشۂ عباس جو دیکھا لب نہر — لے چلے بہر کفن پانی کی چادر باہر
داغ ماتم کی چمک سینے میں رہتی ہے نہاں — چاندنی برج میں ہے اور مہ انور باہر
زلزلہ عرش میں آیا جو دم قتل حسینؑ — رکھ دیا کاتب تقدیر نے دفتر باہر
آبداری مرے مضموں کی ہے عالم میں عیاں — منہ میں ہے تیغ زباں پھیلے ہیں جوہر باہر

تشنگی شاہ کی یاد آئی تو ایسی اُمڈیں
راجہؔ نکلا میری آنکھوں سے سمندر باہر

راجہؔ کا زیر نظر مرثیہ شاندار ہے۔ اور یہ غالباً اپنی نوعیت کا پہلا مرثیہ مسدس میں ہے جس کے ہر

بند میں فارسی بیت لگائی گئی ہے۔ شاعر نے ان بیتوں کا کما حقہ استعمال کیا ہے۔ اور ہر واقعہ کی محل اور مناسبت سے بڑی مہارت سے نگین کی طرح ان کو جڑ دیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ بند دیکھئے ۔

کہیں ہے دلقِ کہن اور کہیں لباس حریر　　کہیں ہے مسند شاہی کہیں گلیم فقیر
کہیں ہے سیر چمن قید میں کہیں یہ اسیر　　عجب دورنگی عالم کی دیکھی ہے تاثیر

جہاں بگشتم و دردا ہیچ شہر و دیار
نیافتم کہ فروشند بخت در بازار

اس کی فارسی بیت نے معانی اور مضامین کے اعتبار سے بند میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔ یہ عرفیؔ کا مشہور مطلع ہے اس قصیدے کا جو حضرت امیرؑ علیہ السلام کی منقبت میں ہے۔ یا یہ شعر لکھئے اس سے بڑھ کر امام حسینؑ کی عالم تنہائی و بیکسی کا بہترین اندازہ اور کیا ہوسکتا ہے؟

جب اسپ شاہ کی زینبؑ نے آکے تھامی رکاب　　ہوئے سوار فرس پر بدیدۂ پرآب
کیا شہیدوں کی فہرست کا جو دل میں حساب　　یہ بیت پڑھنے لگے بادشاہِ عرش جناب

نہ لشکرے نہ سپاہے نہ کثرت النا سے
نہ قاسمؑ نہ علی اکبرؑ ے نہ عباؑ سے

راجہؔ کو فارسی میں بھی قدرت حاصل تھی اور انہیں اشعار فارسی نوک زبان تھے۔

مرثیے کے آخر میں راجہ بلوان سنگھ راجہؔ، چکرورتی سنگھ تخلص کنورؔ، بابورن بہادر سنگھ بہادرؔ، مرزا حاتم علی مہرؔ، مرزا عنایت علی ماہؔ، محمد نیاز پریشاںؔ، مرزا مغل جان تمناؔ، محمد زمان تخلص زمان کی تاریخیں ہیں۔ راجہ کی تاریخ یہ ہے ۔

کیسے سخی کا میں نے یہ مرثیہ کہا ہے　　کیوں کر نہ بڑھ کے ہوں میں حاتم سے حوصلے میں
تاریخ طبع اس کی اے راجہ اب رقم کر　　شبیرؑ مجھ کو دیں گے فردوس کے صلے میں

۱۲۸۶ ہجری

حاتم علی مہرؔ کہتے ہیں ۔

تصنیف راجہ صاحب والا جناب کا　　کیا مرثیہ ہے یہ کہ ہے مصرعہ ہر ایک طوغ
روشن رہے گا نام مصنف جہاں میں مہر　　اس باعث فروغ کی تاریخ کہہ ''فروغ''

۱۲۸۶ ہجری

کنور کی تاریخ یہ ہے۔

مضمون ہیں تمام درد انگیز گویا غم کی کتاب یہ ہے
سنئے سُن عیسوی کنور سے کہا مرثیہ انتخاب یہ ہے
۱۸۷۰ء

ذیل میں یہ نایاب مرثیہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

سیاہ پوش ہے ماتم میں چرخ زنگاری رواں ہیں چشم زمیں سے سرشک گلناری
کہ آج رخصت عباسؑ کی ہے تیاری یہ بیت کیوں نہ ہو پیہم زبان پر جاری
دمیکہ لشکرِ غم صف کشد بہ خونخواری
دلم بنالہ دہد منصب عملداری

کہیں ہے دلق کہن اور کہیں لباس حریر کہیں ہے مسندِ شاہی کہیں گلیم فقیر
کہیں ہے سیر چمن قید میں کہیں پہ اسیر عجب دورنگی عالم کی دیکھی ہے تاثیر
جہاں بگشتم و دردا بہ ہیچ شہر ودیار
نیافتم کہ فروشند بخت در بازار

خیال تھا مرے دل کو یہ ہر گھڑی ہردم کہ طرز مرثیہ تو کروں ضرور رقم
مگر یہ کہتی تھی طبع رسا ہے کارِ اہم کہ ناگہاں ہوئی تائید خالقِ عالم
سپیدہ دم چوزدم آستیں بہ شمع شعور
شنیدم آیت استغفتو زعالم نور

حسب نسب سے مرے سب زمانہ ہے آگاہ گدا تو کیا کہ مرا رتبہ جانتے ہیں شاہ
عیاں ہے ماہی سے گوشہرۂ سخن تاماہ پران کا بندۂ درگاہ ہوں خدا ہے گواہ
علیؑ امام نست ومنم غلام علیؑ
ہزار جان گرامی فدائے نام علیؑ

یہ حاسدوں کی حسد سے ہوا ہے رنج وملال وہ چاہتے ہیں کہ ہو رونق سخن کو زوال
جو منحرف ہیں تو انصاف کا نہیں ہے خیال یہ عرض کرتا ہوں آقا میں اپنے دل کا حال
زمانہ بہ سر جنگ ست یا علیؑ مددے
کمک بغیر تو تنگ ست یا علیؑ مددے

میں ان سے دادِ سخن لوں کہ جو سخنداں ہیں ۔۔۔ مثالِ ابر وہ بزمِ عزا میں گریاں ہیں
وہ گوش دل سے سنیں جو کہ اہل ایماں ہیں ۔۔۔ کہ دشتِ ماریہ میں طرفہ آج ساماں ہیں

زمین بخونِ شہیداں دگر بجوش آمد
فلک ز آہِ یتیماں سیاہ پوش آمد

تمام ہوچکی ہے فوج شاہ تشنہ دہاں ۔۔۔ یہ عرض کرتے ہیں عباسؑ اے شہہ ذیشاں
کہ اپنے بیٹوں کو زینبؑ بھی کرچکی قرباں ۔۔۔ پڑا ہے لاشۂ قاسمؑ وہ دشت میں بے جاں

نثار گرد رہبت باد پیکر عباسؑ
فدائی ناخن پایت شود سر عباسؑ

حسین کہتے ہیں عباسؑ تم ہو مجھ سے خفا ۔۔۔ ارادہ مرنے کا کرتے ہو آہ واویلا
ضعیف ہوں میں ستانے سے میرے فائدہ کیا ۔۔۔ میں کیا بیاں کروں اس دم جو حال ہے میرا

زضعف رشتۂ جانم گسستہ می آید
نفس زسینہ بصد جانشستہ می آید

نگاہ بد سے جو دیکھے تمہیں وہ آنکھ ہو کور ۔۔۔ تمہاری جرأت و ہمت کا ہے جہاں میں شور
وفا تمہاری نہ بھولے گی ہم کو تالبِ گور ۔۔۔ کلیجہ زخمی ہے باقی نہیں بدن میں زور

زِبس شکست دلم لب بخندہ وانہ کنم
نمونۂ جرس بے دلم صدا نہ کنم

دیا جواب یہ عباسؑ نے کہ اے مولاؑ ۔۔۔ کمال ماتم قاسمؑ میں دل کو ہے صدما
یہ آرزو ہے کہ ہوں جلد آپ پر میں فدا ۔۔۔ قرار آئے گلے پر پھرے جو تیغ جفا

امید قتل دلم را باضطراب رساند
کہ این نوید بایں تشنہ لب شتاب رساند

کٹے ہیں تیغوں سے باغ محمدی کے چمن ۔۔۔ یہ دھوپ گرم کہاں اور کہاں یہ گل سے بدن
انہیں کے خون کی خوشبو سے ہے مہکتا رن ۔۔۔ مِلا نہ لاشوں کو تابوت اور نہ غسل و کفن

بصحنِ دشت زبیدادِ ظالمانی چند
فتادہ اند تنے چند نیم جانی چند

یہ صدمہ ہے کہ مرے دل میں درد ہوتا ہے　　بدن غلام کا غیرت سے سرد ہوتا ہے
یہ چہرہ فرط ندامت سے زرد ہوتا ہے　　وہی ہے مالک دنیا جو مرد ہوتا ہے

دل ستم زدہ آرامِ جاں نمی خواہد
چمن نمی طلبد بوستاں نمی خواہد

بہا ہے تیغ سے کس کس کا خون مقتل میں　　یہ شیر سوتے ہیں پھیلائے پاؤں جنگل میں
پڑے ہیں لاشے عزیزوں کے فوج کے دل میں　　علی کا چاند ہے ظلم و ستم کے بادل میں

دریں بہار ز بلبل اگر نشانے ہست
بزیر گلبن افتادہ آشیانے ہست

یہ سن کے شاہ نے عباس نامور کے کلام　　کہا کہ فوج ہماری تو ہو چکی ہے تمام
ہو میری فوج میں تم اور اکبرؑ ناکام　　ازل کے روز سے مظلوم ہے ہمارا نام

بہر کجا کہ غمے ہست میہمان منست
خلیل عشقم و لخت جگر بخوان منست

نگاہ بھر کے تمہیں دیکھتا ہے جب شبیرؑ　　تو صاف آنکھوں میں حیدر کی پھرتی ہے تصویر
ہوئی ہے غم سے وفا کی جہان میں توقیر　　بدن میں رعشہ ہے الفت کی دیکھ لو تاثیر

گہے کہ صرف وِداعت بگوش می آید
دلم برنگ جرس در خروش می آید

یہ کہہ کے روئے بہت بادشاہ جن و بشر　　کہا سکینہؑ کی بھائی نہیں ہے تم کو خبر
بہت ہے تشنہ دہانی سے اس گھڑی مضطر　　گلے لگاؤ اُسے جا کے خیمے کے اندر

عرق فشانی آں گلعذار را د ریاب
ستارہ ریزی صبح بہار را دریاب

یہ سُن کے خیمے کے اندر گیا علم بردار　　کہا یہ دل سے سکینہؑ کی پیاس پر ہوشار
اٹھا کے زانو پہ سر اس کا رکھ لیا اک بار　　ہوا یہ صدمہ رہی پھر نہ طاقت گفتار

چو مرغ قبلہ نما دل درونِ سینہ طپید
نظر بسوئے سکینہؑ فگندو آہ کشید

جو ہوش آیا سکینہؑ کو خیمے میں ناگاہ — کہا چچا مری جلدی خبر لو تم للہ
یہ مشک دیتی ہوں پانی کی میرے دل کو ہے چاہ — پکاری سُن کے یہ فِضہ کہ گھر ہوا یہ تباہ

زگریۂ حرمِ پاک سرورؑ تنہا
بدشت کرب وبلا محشرے شدہ برپا

غرض کہ مشک سکینہؑ نے دی بصد غم ویاس — قریب آکے پکاری یہ زوجۂ عباسؑ
سکینہ جان نہ رکھو تم ان کے جینے کی آس — یہ سر کٹائیں گے دریا پہ ہے یہ مجھکو ہراس

بگو کہ کشتۂ تیغ جفا سلام علیک
شہید ساحل بحرِ فنا سلام علیک

اب ان کا دیکھ لو دل بھر کے آخری دیدار — یہ جان آج کریں گے امام دیں پہ نثار
نہ زندہ آئیں گے خیمے میں اب علم بردار — تمہاری مشک پہ تیروں سے ہوئے گی انگار

صدائے فاطمہ درگوشِ اضطرار رسید
کہ وقت رخصتِ عباسؑ نامدار رسید

یہ سن کے آل پیمبرؐ میں پڑگیا کہرام — کیا ادب سے علمدارؑ نے ہر اک کو سلام
جو نکلے خیمے سے باہر تو اکبر گلفام — لپٹ کے چھاتی سے بولے کہ ہم رہے ناکام

بہ خیمہ گاہ کسے گربہ ہوش می آید
صدائے گریۂ زینبؑ بگوش می آید

سُنا جو نام امامؑ زمن کی خواہر کا — کلیجہ کانپ گیا جسم میں پڑا رعشا
کہا بھتیجے سے روکر چچا ہو تجھ پہ فدا — تو مجھ کو خیمے میں پھر لے کے چل بہ آہ و بکا

بہ پیشِ دختر زہراؑ چہ اشکبار روم
کہ وقت رخصت اوہست بیقرار روم

یہ سُن کے خیمے میں لائے انہیں علی اکبرؑ — پکاری ہوکے یہ بیتاب شاہ کی خواہر
کہ آج لٹتی ہے جنگل میں زینبؑ مضطر — عدوئے آل نبیؐ چھینیں گے میری چادر

برہنہ سر سوئے زنداں مرا برندائے وائے
سر حسین بہ نوک سنان نہند اے وائے

خدا کو سونپا تمہیں جاؤ سر کٹاؤ ابھی　　علیؑ کی شان ستمگاروں کو دکھاؤ ابھی
خیام شاہ سے دریا پہ جلدی جاؤ ابھی　　ملے جو پانی سکینہؑ کو تم پلاؤ ابھی

بیار مشکِ پُر از آب از برائے حسینؑ
زہے وفا کہ شوی تشنہ لب فدائے حسینؑ

ملی جو رخصت میداں کیا ادب سے سلام　　وہ آیا خیمے کے در پر تو پڑ گیا کہرام
حرم تو پیٹتے تھے خیمے میں ادھر کو تمام　　ادھر تھے غش میں پڑے ڈیوڑھی پہ شہہ ناکام

سوار بر فرس تیز گام شد عباسؑ
رواں بجانب افواج شام شد عباسؑ

رواں ہوا فرس تیز گام صحرا میں　　جھجک کے رہ گئے آہو تمام صحرا میں
پکارے خضر علیہ السلام صحرا میں　　نہ تازیانے کا لے کوئی نام صحرا میں

بہ پیش سرعت گلگوں شرار و برق کجا
رسید تابہ ابد بعد غرب و شرق کجا

کبھی فلک پہ قدم ہیں کبھی زمیں پہ قدم　　کبھی ہے جانب ہستی کبھی ہے سوئے عدم
کبھی ہے برق تپاں اور کبھی سحاب کرم　　ہے زیر سم حبش وروم وشام وہندو عجم

تبارک اللہ ازیں آسماں شتاب کرانگ (کذا)
کہ نعل آئینہ رنگش نہ دید زنگ درنگ

خضر یہ کہتے تھے ناگہہ ظفر نے دی آواز　　علی کی آج لڑائی کے دیکھ لو انداز
کہاں ہیں وہ جو یزید لعیں کے ہیں ساز　　بدن کے شیروں کے اب روح کرتی ہے پرواز

صدائے فتح چو در گوشِ حق نیوش آمد
حمیت پدری در بدن بجوش آمد

قضا پکاری کہ میں لاکھ جاں سے تم پہ فدا　　یہ بھوک سات پہر کی یہ پیاس کا غلبہ
نکالو حوصلہ دل کا کہ ہے یہ دشت وغا　　مفارقت کا اٹھاؤں کہاں تلک صدما

بیا بیا کہ ترا تنگ در کنار کشم
بہ تنگ آمدہ ام چند انتظار کشم

رجز یہ پڑھنے لگا شاہ کا علم بردار　　قضا یہ کہتی تھی جو اس نے کھینچ لی تلوار
میں ہی ہوں خاص غلام امام عرش وقار　　کہ مجھ میں قہر خدائے جہاں کے ہیں آثار

دلاوران جہاں تکیہ بر سپر نکنند
بوقت جنگ دلبران خیال سر نہ کنند

وہ دیکھے تیغ یداللہ کے اس گھڑی جوہر　　کہاں ہے شمر ستمگر نہیں ہے اس کو خبر
یہ کہہ دو اس سے ستمگر خدا کے خوف سے ڈر　　گیا تھا کیوں مجھے بہکانے ظالم خودسر

زسعی جوہر اندیشہ راز دیں مکشائے
کلید موم و سر قفل آنہیں مکشائے

مثال برقِ غضب کوند کر گری تلوار　　یہ کہہ کے حملہ کیا فوج کیں پہ جب اکبار
بس ایک وار میں وہ روسیہ ہوانی النار　　بڑھا جو لڑنے کو اک پہلوان دم پیکار

فتادہ تیغ جری چوں بفرق دشمن دیں
بیک اشارہ در آمد ز پائے گاؤ زمیں

جب آیا نہر میں گھوڑا تو اس سے فرمایا　　غرضکہ نہر پہ لڑتا ہوا جری پہنچا
ہوئے ہیں قتل سبھی پیاسے شاہ کے رفقا　　تو پانی پی لے تب اس نے کہا پیوں میں کیا

شفق کہ سرخ تراز جامۂ شہیدانست
بگردن فلک ایں خونِ بیگناہانست

ہے آفتابِ امامتؑ کا اب قریب زوال　　یہ دن ہے جمعہ کا اور پیاسی ہے رسول کی آل
مگر سکینہؑ کی ہے تشنگی سے دل کو ملال　　مجھے تو پانی کا اس وقت کچھ نہیں ہے خیال

دل شکستہ من وحُبّ بوتراب درو
خرابہ ایست کہ می تابد آفتاب درو

مقامِ غور ہے بچے ہیں خیمے میں بیتاب　　حضور پیاسے ہیں پانی سے میں ہوں سیراب
چلا وہ جانب خیمہ بدیدۂ پر آب　　یہ سن کے مشک بھری پانی سے جری نے شتاب

قریب خیمہ چو فرزندِ بوتراب رسید
بگر یہ گفت کہ نزدیک مشک آب رسید

کہ ایک شانے پہ تیغ جفا پڑی ناگاہ گراز میں پہ وہ شانہ تو کی فلک پہ نگاہ
رکھی جو دوسرے شانے پہ مشک باغم وآہ تو وہ بھی کٹ کے گرا تیغ سے بحال تباہ

بگفت حیف اجل فرصتے نہ داد مرا
نحیف کرد مرا دربلا فتاد مرا

یہ کہہ کے دانتوں سے تسمے کو مشک کے تھاما کہ ایک تیر پڑا مشک پر جگر کانپا
بہا جو مشک کا پانی تو روکے فرمایا کہ اب تمام ہوا کام آئی سر پہ قضا

نہ مونسے نہ شفیقے نہ ہمدمے دارم
حدیث دل بہ کہ گویم عجب غمے دارم

یہ کہتے تھے کہ پڑا گرز آنہیں سر پر پکارے آیئے اے بادشاہِ جن وبشر
فِدا میں ہوتا ہوں اب جلد لیجئے میری خبر کہ ہے غلام کا باغ جہاں سے آج سفر

کسے رفیقِ نہ مونس نہ آشنائے منست
منم بدشت بلاخیز یا خدائے منست

سنی جو بھائی کی آواز دوڑے شاہ زماں یہ دیکھا خاک پہ ہے لوٹتا علیؑ کا نشاں
گلے لگا کے کہا مجھ پہ تم ہوئے قرباں میں کیا کہوں کہ جو صدمہ مجھے ہوا اس آن

زہجر جاں بلبانم رسیدہ مے آیم
ز فرقتِ تو گریباں دریدہ مے آیم

پڑا ہے خاک پہ واحسرتا یہ گل سا بدن تمہاری زیست کا تاراج ہو چکا ہے چمن
بدن کے کپڑے تمہارے ہوئے ہیں آج کفن جواب دو مجھے ڈھلتی ہے کس لیے گردن

بہ خامشی لب تو با کہ ہم سخن باشد
عقیقِ در یمن و غنچہ در چمن باشد

بدلنا آنکھوں کا دیکھوں کہ خشک لب دیکھوں بدن کا توڑنا دیکھوں کہ یہ تعب دیکھوں
تمہاری موت کے آنکھوں سے یہ سبب دیکھوں تمہیں بتاؤ کہ کیونکر تمہیں میں اب دیکھوں

چگونہ خار دل از سیر لالہ زار کشم
رخ تو ہست چرا منتِ بہار کشم

کہا یہ شاہ سے عباسؑ نے کہ اے آقا یہ مری بالین پہ روتے ہیں احمدؐ و زہراؑ
حسنؑ بھی آئے ہیں بیٹھے ہیں پاس شیرِ خدا خدا کا شکر کہ دیدار آپ کا دیکھا

جو سایہ ات علم افراختہ ست برسرمن
چہ باکِ مرگ اگر تاختہ ست برسرمن

کمال آپ کی تنہائی کا ہے دل کو الم چلے گلے پہ عزیزوں کے آج تیغِ ستم
ہوئے ہیں شانے مرے تیغِ کیں سے آج قلم یہ حال ہے کہ سماتا نہیں ہے سینے میں دم

کسے زبیکسی ما بحال ما نہ رسد
کسے بحال غریبان نینوا نہ رسد

یہ کہتے تھے کہ بدن سرد ہوگیا اک بار سوئے خموش رہی کچھ نہ طاقت گفتار
کہا یہ شاہ نے اکبر سے اے مرے دلدار اٹھا زمانے سے ہے ہے میرا علم بردار

اگرچہ بر دل و جانم جد ایش ستم ست
قریب مقتل او نالہ ے کنم چہ غم ست

لکھا ہے راوی نے یوں بعد رحلت عباسؑ ہوئے شہید علی اکبر بلند اساس
فدا ہوئے علی اصغر تو شہ ہوئے بے آس کوئی رفیق نہ باقی رہا حسین کے پاس

بگریہ گفت کہ تنہا منم بدشت دغا
بسوئے کوثر و تسنیم رفت لشکر ما

یہ کہتے خیمے میں داخل ہوئے امام انام کہا یہ زینبؑ بے کس سے بادل ناکام
کہ میرے بعد ہے سجاد اس جہاں میں امام ہوئے وداع یہ فرما کے شاہ عرش مقام

رسید بر درخیمہ چو سرور ذی جاہ
بگفت اشہد ان لا الہ الا اللہ

جب اسپ شاہ کی زینب نے آکے تھامی رکاب ہوئے سوار فرس پر بدیدۂ پر آب
کیا شہیدوں کی فہرست کا جو دل میں حساب یہ بیت پڑھنے لگے بادشاہ عرش جناب

نہ لشکرے نہ سپاہے نہ کثرت الناسے
نہ قاسمے نہ علی اکبرے نہ عباسےؑ

یہ کہہ کے روئے غریبی پہ اپنی سرور دیں ہلی امام کے نعروں سے کربلا کی زمیں
پکاری تیغ یداللہ جہاں ہے زیر نگیں یہ عرض گھوڑے نے کی مضطرب بے حال حزیں

زبسکہ تشنہ دہانم چہ عرض حال کنم
زمانہ را زسم خویش پائمال کنم

مرے سموں کی طرف کیجیے بغور نظر صدا یہ گھوڑے کی سن کے جھکایا شہہ نے سر
نظر جو کی تو سکینہ کو دیکھا وہاں مضطر لپٹ کے پاؤں سے گھوڑے کے کہتی ہے رو کر

کہ اے فرس شہہ دیں را باشک و آہ رساں
سوار دوش نبی را بہ خیمہ گاہ رساں

بڑھا کے ہاتھ کیا پیار اسے حسین نے آہ اور اس کے چہرے پہ کی سبط مصطفےٰ نے نگاہ
تو دیکھا گرد میں آلودہ ہے وہ غیرت ماہ کہا یہ اس سے کہ وارث تمھارا ہے اللہ

مرا صبا ز سر کوئے دوست می آید
کہ از زمین و زماں بوئے دوست می آید

روانہ خیمے کی جانب ہو تم بحالت زار ہماری زیست کے دنیا میں اب نہیں آثار
گئی سکینہ جو یہ سن کے خیمہ میں اک بار رجز یہ شاہ زمن نے پڑھی دم پیکار

منم حسینؑ جگر خستہ بیکس و تنہا
نہنگ بحر شجاعت کشندۂ اعدا

علیؑ ہے باپ مرا بادشاہ ارض و سما حسنؑ تو بھائی ہے اور ماں ہے فاطمہؑ زہرا
محمدؐ عربی جو کہ ہے رسول خدا وہ میرا نانا ہے اس کا یہ تم سنو رتبا

زہے لوائے نبوت زنسبتش منصور
مزاج عشق ز آمیزش دلش رنجور

میں اس کا شیر ہوں مشہور ہے جو شیر خدا میں اس کی جان ہوں جو ہے جہاں میں عقدہ کشا
میں اس کے باغ کا گل ہوں ہے جس میں بوئے وفا لقب یہ اس کے ہیں سب عدوے آل عبا

امام جن و بشر فخر انبیائے کرام
ملک سپاہ فلک بارگاہ عرش مقام

علی نے جنگ میں خیبر کا در اکھاڑا تھا　　علی نے ظالموں پتھر میں نیزہ گاڑا تھا
علی نے مرحب و عنتر کو بھی پچھاڑا تھا　　علی نے خانہ کفار کو اجاڑا تھا

زبیم حیدر صفدر گریخت لشکر کیں
زہیبتش بتزلزل در افتاد زمیں

مقام غور ہے اے ساکنان کوفہ و شام　　کہ آج تشنہ دہن ہے امام ابن امام
پڑی ہے خیمے میں بیہوش زینب ناکام　　ہیں آج پانی کو محتاج اہل بیت تمام

دریں زمین بلا وحش وطیر سیراب اند
مخدرات من امروز تشنۂ آب اند

جو میری فوج میں تھے نوجواں ہوئے وہ نثار　　جو تھے ضعیف پھری ان کے حلق پر تلوار
صغیر تھے جو خطا ان کی کچھ نہ تھی زنہار　　بس اب تو کوئی بھی باقی نہیں رفیق اور یار

شتافتند سوئے خلد اہل بیت من
رسیدہ است کنوں نوبت شہادت من

امان دو مجھے تا ہوں میں سوئے دشت رواں　　بدن پہ سیکڑوں ہیں زخم تیغ و تیر و سناں
کلیجہ ٹکڑے ہے اور پیاس سے ہے خشک زباں　　بس اب بھی رحم کرو مجھ پہ ہو نہ طالب جاں

بآں خدا شب آرد بروز و روز شام
بسید الثقلین آں شفیع روز قیام

جو مجھ کو قتل کرو گے تو پھر نہ پاؤ گے چین　　غریب و بیکس و مظلوم ہے جہاں میں حسین
ہے بے قرار بہت فاطمہ کا نورُ العین　　کلام تم سے یہ کرتا ہوں میں بہ شیون و شین

کہ رحم برمن و اطفال بے گناہ کنید
باشک و آہ یتیمان من نگاہ کنید

جو حکم دوں تو بلند آسماں سے ہو یہ زمیں　　جدا ہوں سر ابھی بے قتل اس میں فرق نہیں
یہ دشت ہوا بھی فضل خدا سے خلد بریں　　گدا کو دوں ابھی اعجاز سے میں تاج و نگیں

ز عرش رحمت رب جلیل می آید
بر آستانہ من جبرئیل می آید

ہمارے رتبے کی اے ظالمو نہیں ہے خبر — دیئے تھے ہم نے یہودی کو کس طرح پہ پسر
چڑھاتے تھے مجھے کاندھے پہ جب کہ پیغمبرؐ — تو سب سے کہتے تھے یوں بادشاہ جن و بشر

رسول را غم دنیا و دیں فراموش ست
کہ تاج عرش خدا جلوہ گر سر دوش ست

نبی کا ظالمو احسان سب جہاں پر ہے — علی کا نور عیاں ہفتم آسمان پر ہے
یہ بار غم مرے اس جسم ناتواں پر ہے — کہ ریگ گرم ہر اک زخم خونچکاں پر ہے

مرا کہ تشنہ لبی ہست آبرو دارد
بہ تشنہ کامی من خضر آرزو دارد

یہ کہہ کے شہ نے علم کی دم دغا تلوار — فرس سمٹ کے چلا صورت نسیم بہار
پڑی یہ چار طرف لشکر عدو میں پکار — خدا کی شان ہے یا اس فرس کی ہے رفتار

ز تیز گامی خود از جہاں شودا بیروں
کہ از احاطہ وہم و گماں شود بیروں

پری ہے یا کہ چھلاوہ ہے یا کہ باد سحر — کہ پیچھے گھوڑے سے رہتی ہے کوسوں تھک کے نظر
پکارے رومی و شامی کہ آتا ہے یہ کدھر — ادھر ہے یا کہ ادھر ہے ادھر ہے یا کہ ادھر

دم خرام بعقل بشر نمی آید
چو روح جسم لطیفش نظر نمی آید

یہ پیچھے رہ گیا گھوڑے سے عالم ناسوت — کہ زیر سم ہوا اک دم میں عالم جبروت
وہاں سے تڑپا تو کی سیر عالم ملکوت — نہ ٹھہرا واں بھی گیا سوئے عالم لاہوت

فرس زسرعت خود ہم قرین و ہم نماند
وزاں مقام تعلق بعقل و فہم نماند

فرس جہاں پہ ٹھہرتا تھا چلتی تھی تلوار — ہر ایک وار میں کرتی تھی سیکڑوں فی النار
بہا جو خون کا دریا تو پڑ گئی یہ پکار — کہ اس لڑائی میں قہر خدا کے ہیں آثار

زخوف مورد امید و بیم شد دم جنگ
فلک بصورت جوزا دونیم شد دم جنگ

کبھی تھی سوئے یمین اور کبھی تھی سوئے یسار　　کہیں تھی برق کہیں سیل تھی کہیں تھی شرار
کہیں تھی آب رواں اور کہیں تھی شعلہ نار　　کہیں تھی موجۂ بحر فنا کہیں خونخوار

سوائے کشتہ بیدم کسے نہ دید آنجا
بہر صفیکہ در آمد اجل رسید آنجا

پڑی سوار کے سر پہ تو اتری کاٹ کے تنگ　　چلی وہاں سے تو دریا میں آئی مثل نہنگ
ہوئی وہ برق جو ماہی کے سر کا جاتا سنگ　　چڑھا جو منہ پہ اسے دم میں کر دیا چورنگ

چو افتاد بیک دو دو چار بنمودہ
چو پیش آمدہ پا نصد ہزار بنمودہ

پڑی جو سر پہ تو گردن پہ آن کر ٹھہری　　چلی وہاں سے تو جوشن پہ آن کر ٹھہری
وہاں سے زیں کے دامن پہ آن کر ٹھہری　　اتر کے وہ سم توسن پہ آن کر ٹھہری

گذشت از سم و آنجا دمی قیام نہ کرد
دو نیم از طبقات زمیں تمام نہ کرد

ہوا لہو کا جو دریا ہر اک طرف کو رواں　　یہ ذوالفقار نے کی عرض اے امام زماں
نہ رحم کیجیے فوج یزید پر اس آن　　علی کی آل پہ میں لاکھ جاں سے ہوں قرباں

سزد بدست یداللہ خاتم کونین
حسین نگیں زمرد نگیں لعل حسین

حسن کا زہر دغا سے تھا جسم سبز تمام　　رہے حضور تو ہیں آج خون سے گل فام
رفیق آپ کے سب ہو چکے ہیں زیر حسام　　بتائیے کہ مرے دل کو آئے کیا آرام

کہ شان قہر و جلالم ہمیں نمایاں است
زخوف من پسر آفتاب لرزاں است

میں ہوں وہ لشکر کفار جس نے ڈاٹا تھا　　میں وہ ہوں لاشوں سے میداں کو جس نے پاٹا تھا
میں وہ ہوں خون اجنہ کو جس نے چاٹا تھا　　میں وہ ہوں شہپر جبریل جس نے کاٹا تھا

بہ تنگنائے جہاں منزل فنا می دید
کسیکہ دید مرا پیکر قضا می دید

دیا جواب شہ تشنہ لب نے یہ روکر میں ہوں زمانے میں مشہور سبط پیغمبرؐ
کروں نہ رحم جو امت پہ یہ نہیں بہتر پھراب میں کرتا ہوں حملہ دکھائے تو جوہر

نمود حملہ آخر بر اہل کوفہ و شام
فتاد زلزلہ از ہیبت امام انام

گری جو برق صفت تھی دو نیم گاو زمیں کھنچی تو صورت شق القمر تھا عرش بریں
نہ شش جہت میں اماں تھی برائے دشمن دیں خدا کا ہاتھ تھا دست امام فرق نہیں

بہر تنے کہ زاعجاز ذوالفقار رسید
دو پارہ کرد بمیدان امتحان سنجید

وہ پشت شاہ پہ زیبا ہے آفتابی ڈھال کہ جس سے گردۂ خورشید کو بھی آئے زوال
جو پھول اس کے ستارے ہیں چاند بھی ہے ہلال؟ وہ آج خون سے زخموں کے ہوگئی ہے لال

ز جلوۂ شب معراج روشنائی اوست
ز دودِ آہ دل فاطمہ سیاہی اوست

لچک لچک کے وہ نیزہ جدھر کو جاتا تھا تو مثل ماریہ اڑ کے کاٹ کھاتا تھا
سپر کو سینے کو غربال جب بناتا تھا ثنا یہ اس کی نقیب اجل سناتا تھا

فگار شد جگر کہکشاں زہیبت او
پناہ جست سر آسماں زرفعت او

زرہ جو حضرت داؤد کی تھی زیب بدن تو اس کے حلقوں سے چھنتا تھا نور شاہ زمن
ہوا تھا موم جو اعجاز سے دل آہن یہ عندلیب ظفر کہتی تھی بصوت حسن

ہمائے اوج سعادت بدام ما افتد
اگر ترا گذرے بر مقام ما افتد

یہ جنگ دیکھ کے دی روح مرتضیٰ نے صدا کہ تیرا باپ تیری بھوک پیاس پر ہو فدا
پیا تھا طفلی میں جو شیر فاطمہ زہرا اثر یہ اس کا تھا جو صبر کربلا میں کیا

دو بارہ تیغ دو دم بر کشی برزم عظیم
تن عدو بکنی ہمچو ذوالفقار دو نیم

لڑا بہت صف اعدا سے اس گھڑی تنہا دکھایا خوب ہنر آج اپنے نیزے کا
علی کی جان وہ کر اب تو آخر حملا رواں ہو ریگ بیاباں پہ خون کا دریا
بگیر وقت وغا نام شیر یزداں را
کہ زہرہ آب کنی رستم و نریماں را

صدا پدر کی یہ سن کر پسر کو آیا جلال چلا عدو کی طرف شیر خشمگیں کی مثال
کہا یہ تیغ ید اللہ سے ہے یہ وقت قتال چلی وہ تیغ دو پیکر تو سیکڑوں تھے حلال
بریدہ صورت اعضا جدا جدا یکسر
سرو دل و جگر و دست و صدر و پشت و کمر

تڑپ کے قبر میں رستم نے پھاڑا اپنا کفن جھکائی شیروں نے روبہ کے سامنے گردن
ہرن یہ چوکڑی بھولے کہ چھوڑی راہ ختن چھپا زمین میں صحرا لپیٹ کر دامن
قرار را را بدل اہل کفر راہ بنود
سپاہ شام بد انجام را پناہ نبود

ہر ایک سمت کو لاشوں کے ہوگئے انبار دوہائی دے کے یہ کہتے تھے فوج کے سردار
امان دیجیے امت کو اے شہہ ابرار پکارا ہاتف غیبی کہ روکئے تلوار
جبین صبح پر از فیض آشیانہ تست
خط سفیدہ صبح آستان خانہ تست

اتر کے گھوڑے سے رکھ دو گلا تہ شمشیر نماز عصر کی مقتل میں کیجیے تدبیر
یہ سن کے روک لی تلوار شہہ نے بے تاخیر یہ عرض کی تری رہ میں نثار ہے شبیر
زفیض گلشن روئے تو چوں شوم آگاہ
کہ سوز آتش حسن تو باغ مرغ نگاہ

یہ عرض کرتے تھے خالق سے سرور دلگیر پڑی ہر ایک طرف سے امام پر شمشیر
غش آیا گھوڑے پہ سبط نبی کو بے تاخیر پکارے حضرت جبریل جب گرے شبیر
بلند مرتبہ شاہی زصدر زیں افتاد
اگر غلط نکنم عرش بر زمیں افتاد

صدا یہ سنتے ہی جبریل کی سب اہل حرم  نکل پڑے در خیمہ پہ بادل پرغم
میں کیا کہوں کہ جو زینب کا ہوگیا عالم  پکارتے تھے در خیمہ سے یہی پیہم

در یگانہ دریائے مجمع البحرین
بخوں تپیدۂ کرب و بلا امام حسین

ادھر تو خیمے سے زینب ہوئی یہ کہتی رواں  ادھر شہید ہوئے تیغ کیں سے شاہ زماں
وہ پہنچی پاس جو مقتل کے بیکس و نالاں  پکاری دیکھ کے شہ کا وہ لاشۂ بیجاں

غریب و بیکس و بے آشنا سلام علیک
شہید خنجر و تیغ جفا سلام علیک

یہ لاش شاہ سے کہتی تھی زینب مضطر  پکارا شمر کہ بجواؤ جلد طبلِ ظفر
تمام اہل حرم کو یہ اب سناؤ خبر  کہ خیمہ لوٹنے آتے ہیں فوج کے افسر

قریب رایت منصور بادشاہ رسید
دہید مژدہ کہ نوبت بقتل شاہ رسید

یہ سن کے خیمے میں غارت کو آئے بدکردار  لگادی آگ قناتوں میں دوڑ کر یک بار
پکاریں بی بیاں ہم سب ہیں عترت اطہار  خدا کی شان ہمیں قید کرتے ہیں غدار

سپاہ شام کجا عترت امام کجا
کجا خیام شہ دیں ہجوم عام کجا

ہوئے جو لوٹ سے فارغ وہ ظالم بے پیر  پہنا کے عابد لاغر کو طوق اور زنجیر
روانہ جانب مقتل ہوئے بے تاخیر  جو پہنچی پاس تو اس وقت زینب دلگیر

بگریہ گفت چہ سازم زدرد مہجوری
شدی شہید مرا می کشد غم دوری

یہ کہہ کے لاش مطہر سے لپٹی وہ غمناک  لگائی چہرۂ اقدس پہ کربلا کی خاک
سر اپنا پیٹ کے روکر کیا گریباں چاک  کیا حسین کو لب تشنہ ظالموں نے ہلاک

خطاب کرد بہ قبر پدر بدیدۂ تر
بگریہ گفت کہ اے گوش عرش را زیور

حسین بھائی ہوئے قتل میں اسیر ہوئی    ردا بھی چھن گئی میں بیکس و فقیر ہوئی
لٹی نظر میں زمانے کی میں حقیر ہوئی    موا جوان برادر میں جبکہ پیر ہوئی

کجا زشرح غمش یاری زباں دارم
کجا ز زخم تنش طاقت بیاں دارم

یہ بین کرتی تھی زینب کہ پڑ گیا کہرام    تڑپ تڑپ کے حرم پیٹتے تھے سر کو تمام
پکارے عابد بیمار لیجیے مرا سلام    غلام آپ کا جاتا ہے یاں سے جانب شام

چہ سال بروضہ جدبزرگوار روم
چہ سال بخدمت آں سرور کبار روم

چھٹے گا قید سے جس وقت عابد مضطر    وہ جا کے دیکھے گا آنکھوں سے قبر پیغمبر
کہے گا بعد درود و سلام یہ رو کر    جدا ہوا میرے بابا کا تیغ ظلم سے سر

نہ داد آب کس از غیر اشک گلگوں رنگ
کسے نہ رفت بہ دل جوئیش بغیر خدنگ

نواسا آپ کا دنیا سے اٹھ گیا پیاسا    کسی نے پانی سے سیراب مرتے دم نہ کیا
جھکا جو سجدۂ آخر میں بیکس و تنہا    کوئی تو برچھی لگاتا تھا اور کوئی نیزا

بغیر تیغ کس از سر گذشت او نہ شنید
کسے زسوز دل او بجز عطش نہ رسید

یہ رو کے کہتے تھے سجاد واں بدیدۂ تر    پکاری زینب بیکس کہ شق ہے میرا جگر
کفن میں شاہ کو دیتی نہ چھنتی گر چادر    پڑی ہے لاش زمیں پر نہیں کسی کو خبر

کسے نگشت بجز خاک محرم راغش
گلے نداشت بجز زخم خونچکاں باغش

حرم تو ماتم سرور میں رو رہے تھے تمام    کیا سکینہ نے لاش پدر کو جھک کے سلام
یہ عرض کی کہ میرے دل کو آئے کیا آرام    تمھارے سر کے فدا ہو یہ دختر ناکام

روم بہ لاشہ او ہم برسم غمخواری
بگو زلاشہ عباس گر خبرداری

لیا سکینہ نے جب نام حضرت عباس　　کہا یہ زوجہ عباس نے کہ ہو نہ اداس
چچا کو اپنے پکارو چلو تو نہر کے پاس　　جو آئی نہر کے نزدیک مضطر اور بے آس

صدا زلاشہ عباس نامدار آمد
قریب لاشہ بے سر کہ سوگوار آمد

پکاری روکے سکینہ چچا کی ہے آواز　　خدا کرے میرے سقے کی ہوئے عمر دارز
جو زندگی میں تھا باتوں کا ہے وہی انداز　　گئے جو لاش کے نزدیک کھل گیا یہ راز

چو سرو بر سر ریگ افتادہ قامت او
بجوش آمدہ دریا زرعب ہیبت او

کیے سکینہ نے عمو کی لاش پہ یہ بیاں　　پکارا شمر اسیرو کرو نہ بین یہاں
سراب شہیدوں کے ہوتے ہیں سوے کوفہ رواں　　یہ سن کے ہوگئے مضطروہ بیکس و نالاں

درآں زماں کہ لب تشنہ بود حالت زار
رخش چو آئینہ دل گرفتہ بود غبار

سنا جواس نے کہ چلنا ہے یاں سے جانب شام　　پکاری رو کے پھوپھی جان ہے یہ لاش امام
گئی قریب جو بھائی کے زینب ناکام　　لہو سے سرخ تھی مقتل کی وہ زمین تمام

بدید زینب غم دیدہ لاش شاہ شہید
نمود رو بہ مدینہ زسوز آہ کشید

ہوئی وہ ابر صفت اشکبار مقتل میں　　پچھاڑیں کھاتے تھے سب سوگوار مقتل میں
کوئی تھی غش میں کوئی بے قرار مقتل میں　　پڑی تھی لاش شہ نامدار مقتل میں

بماتم شہہ مظلوم رو براہ شدند
بجوش گریہ روانہ زقتل گاہ شدند

بس اب زباں کو نہیں میری طاقت گفتار　　ہوئے جو ظلم حرم پر وہ کیا کروں اظہار
کیا لعینوں نے اونٹوں پہ بیکسوں کو سوار　　چلے وہاں سے سوئے کوفہ عترت اطہار

برہنہ سر ہمہ ناموس مصطفٰے رفتند
بسوئے شام اسیران کربلا رفتند

قلم کو روک لے اب دے نہ مرثیے کو طول　　دعا یہ مانگ خدا سے کلام ہو مقبول
پے رسول و علی و حسن ، حسین و بتول　　صلے میں نظم کے سرکار سے ہو خلد حصول

چشیدہ ام زازل شربت ولائے حسین
نوشتہ است بلوح دلم ثنائے حسین

غلام سرور انجم سپاہ ہوں راجہ　　میں نیر فلک عز و جاہ ہوں راجہ
یہ سچ ہے ملک معانی کا شاہ ہوں راجہ　　سخی ہوں خلق میں عالم پناہ ہوں راجہ

بس ست حب حسین و حسن بسینۂ من
ہمیں زمرد و لعل ہست در خزینۂ من

○

# راجا الفت رائے الفتؔ

راجا الفت رائے نام الفتؔ تخلص۔ واجد علی شاہ کے عہد میں اودھ کی شاہی فوجوں کے میر بخشی تھے۔ ان کے والد راجا لال جی کو بادشاہ دہلی کی طرف سے راجا کا خطاب ملا تھا۔ الفت رائے کی ولادت ۱۲۳۵ھ (۱۸۱۰ء) میں ہوئی۔ انہوں نے مولوی احسان اللہ ممتاز سے تعلیم حاصل کی۔ کچھ عرصہ باپ کے ساتھ مرزا پور میں مقیم رہے۔ ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲-۳۳ء) عہد نصیر الدین حیدر میں جب راجا لال جی وزیر اودھ روشن الدولہ کے بیٹے جرنیل محمد حسن خان بہادر کے نائب مقرر ہو کر لکھنؤ میں رہنے لگے تو الفت رائے بھی لکھنؤ میں آ گئے۔ ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷ء) میں نصیر الدین حیدر کی وفات کے بعد جب محمد علی شاہ بادشاہ ہوئے تو روشن الدولہ اور جرنیل صاحب خانہ نشیں ہو گئے۔ نئے وزیر منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خان اور منور الدولہ احمد علی خان کے دور دورے میں لال جی اور الفت رائے معتوب ہو کر قید ہو گئے۔ ایک لاکھ روپے دے کر دونوں نے مخلصی پائی۔ ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء) میں امجد علی شاہ بادشاہ ہوئے۔ ان کے وزیر امین الدین امداد حسین خان کی عنایت سے راجا لال جی کو بخشی گری کا عہدہ ملا۔ لیکن ڈھائی سال کے بعد سیاسی کرتوتوں کے نتیجے میں اس عہدے پر فتح الدولہ برقؔ لکھنوی کا تقرر ہو گیا۔ اور راجا لال جی پھر قید کر لئے گئے اور کوئی تین سال تک مقید رہے۔

۱۲۶۳ھ (۱۸۴۷ء) میں واجد علی شاہ تخت نشین ہوئے اور انہوں نے امین الدولہ کے بعد نواب علی نقی خان کو اپنا وزیر بنایا۔ علی نقی خان نے سابقہ آشنائی کی بنا پر لال جی کو رہا کرا کر پھر سے بخشی کا عہدہ دیا۔ لال جی کی وفات کے بعد الفت رائے کو یہ عہدہ اور راجگی اور

بہادری کا خطاب ملا۔ آخر کار ے شوال ۱۲۷۰ھ (جولائی ۱۸۵۴ء) کی رات کو راجا الفت رائے کا اچانک انتقال ہوگیا۔ وفات کے وقت ان کی عمر پینتالیس سال چار ماہ کی تھی۔

الفتؔ اردو فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ ''انشائے الفت'' فارسی نثر کے رنگین اور سادہ اسلوبوں اور متعلقات انشا پردازی پر ان کی قدرت کا ثبوت ہے۔ وہ رسولؐ اور آل رسول کے بڑے عقیدت مند تھے جس کا اظہار ان کی شاعری سے بھی ہوتا ہے۔ ان کے بیٹے کنور دھنپت رائے تخلص محبؔ انہیں ''شیعہ مرتضٰی و مداح آل رسول'' لکھتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ وہ مجالس عزا میں بہت گریہ کرتے تھے اور ماہ محرم میں ذاکروں کو دوشالے رومال اور نقد نذرانے پیش کرتے تھے (عہد شاہی کے لکھنؤ میں کایستھ رئیسوں کی شادیاں از ڈاکٹر نیر مسعود، مطبوعہ اکادمی دو ماہی لکھنؤ)

خواجہ عشرت لکھنوی (ہندو شعراء ص ۱۸ مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ ۱۹۳۱ء) میں لکھتے ہیں کہ:۔

''الفت مرثیہ گوئی میں مشہور عالم ہیں۔ اردو میں کلیات مراثی، کلیات سلام جا بجا دیکھنے میں آیا، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کتب خانے (ذخیرۂ ادیب مرحوم) میں ایک ضخیم قلمی بیاض کی جلد مخطوطہ نمبر ۶۰۲ کے تحت موجود ہے۔ اس میں الفتؔ کے سلاموں کے علاوہ الفت کے کچھ مرثیے بھی ہیں۔ تعداد صفحات ۴۰۰ ہے۔ ابتدا میں ۳۹۳ صفحات میں ۱۵۹ سلام ہیں۔ اس کے بعد مرثیے ہیں۔ ایک سلام ۶ رمضان ۱۲۷۵ھ کا مکتوبہ ہے۔ یہ امجد علی شاہ کے عہد حکومت میں تصنیف کیا گیا۔ اس میں ۲۶ شعر ہیں۔ مقطع میں کہتے ہیں ؎

شاد ہو الفت ہوا امجد علی شاہ بادشاہ — اب یقیں ہے سارے عالم کا بھلا ہوجائے گا
سُن کے یہ مژدہ چلے آتے ہیں ہر جانب سے لوگ — لکھنؤ آباد پہلے سے سوا ہوجائے گا

ایک اور سلام میں جس میں ۲۲ شعر ہیں اور جس کا مطلع ذیل میں ہے ؎

مجرئی دل ہے غم شاہ زمن کے واسطے — ہے زباں گویا ثنائے پنجتن کے واسطے

اس میں کہتے ہیں ؎

صدق دل سے اب بدرگاہ خداوند کریم — کر دعا امجد علی شاہ زمن کے واسطے
یا الٰہی حشر تک قائم رہے یہ بادشاہ — مصطفٰی کے واسطے خیبر شکن کے واسطے

لکھنؤ آباد اقدام مبارک سے رہے ساری مطلب دل کے بر آویں حسنؔ کے واسطے
ملکۂ آفاق کا سایہ سرِشہ پر رہے ہے بقا جس دن تلک چرخ کہن کے واسطے
بہر بقائے ملکۂ آفاق وشاہ ہند مانگیں دعا یہ ہاتھ اٹھا کر جدا جدا

ملکۂ آفاق محمد علی شاہ کی بیاہتا بیوی تھیں۔ ان کا انتقال ۱۲۶۷ھ میں ہوا۔

الفت محب اہل بیت تھے۔ اس کا اظہار انہوں نے بار بار کیا ہے۔ ایک سلام میں ۳۲ شعر ہیں۔

مرا گھر دل پنجتن ہو گیا سلامی جناں میں وطن ہو گیا
ہوئے کیا ہی الفتؔ کے طالع رسا غلام حسین وحسن ہو گیا

الفت مجلسیں کرتے تھے اور درگاہ حضرت عباس کی زیارت بھی کیا کرتے تھے۔ ان کے ذیل کے غیر مطبوعہ مرثیے دستیاب ہوئے۔ جو ذخیرۂ ادیب علی گڑھ میں اوپر کے مخطوطے میں ہیں۔

۱۔ جب رن میں ہوا نرغۂ اعدا شہہ دیں پر ۲۶ بند
۲۔ چلے مدینے سے جب سوئے کربلا سرورؑ ۴۱ بند
۳۔ حکم شبیرؑ سے میداں میں جو عباس آئے ۲۴ بند
۴۔ کام آئے جو میدان میں شبیرؑ کے انصار ۲۷ بند
۵۔ تشنہ لب ذبح ہوئے جب شہہ والا رن میں ۳۴ بند

## مرثیہ الفت غیر مطبوعہ

تشنہ لب ذبح ہوئے جب شہہ والا رن میں آب خنجر سے بہا خون کا دریا رن میں
خاک پر لاشۂ مجروح جو تڑپا رن میں پھٹ گئے زخم تن پاک سراپا رن میں
شور تھا خاتمۂ پنجتنؑ پاک ہوا
آج مخدومۂ کونین کا گھر خاک ہوا

زلزلہ عرش کو تھا گاو زمیں تھی بے تاب　　تھرتھراتی تھی زمیں دشت میں مثل سیماب
فرط اندوہ سے حیواں بھی تھے بے دانہ وآب　　نہ کسی چشم کو آتی تھی نظر صورتِ خواب
خاک اڑاتی تھی زمیں ساتوں فلک روتے تھے
حوریں سر پیٹتی تھیں جن وملک روتے تھے

خاک صحرا کی اڑاتے تھے سروں پر آہو　　مچھلیاں ریت پہ بیتاب پڑی تھیں لب جو
ماتم شاہ میں گردوں سے برستا تھا لہو　　چشمِ مرغان ہوا سے بھی رواں تھے آنسو
خاک اور خوں میں بھرا تھا رخ زیبائے حسینؑ
ہر طرف سے یہی آتی تھی صدا ہائے حسینؑ

اس قدر رن میں اٹھا تیرہ و تاریک غبار　　بے مہر نور ہوا ہوگئی دن کو شب تار
کچھ نہ آتا تھا نظر اہل نظر کو زنہار　　صاف ہنگامۂ محشر کے عیاں تھے آثار
آشیاں جانوروں کو نہ نظر آتے تھے
اپنا سر سب درودیوار سے ٹکراتے تھے

مالکِ چشمہ کوثر کی یہ آتی تھی صدا　　لب دریا مرے فرزند کو پیاسا مارا
کوک پکڑے ہوئی کہتی تھی جناب زہراؑ　　شمر نے تیغ سے کاٹا ہے کلیجہ میرا
ہائے دنیا میں مری گود کا پالا نہ رہا
میری زینبؑ کا کوئی پوچھنے والا نہ رہا

کیسے فریاد کروں کون سنے حال مرا　　شمر سا بھی کوئی بے رحم نہ دیکھا نہ سنا
میری آغوش میں کاٹا میرے بیٹے کا گلا　　تشنہ لب ذبح کیا آب کا قطرہ نہ دیا
بے کفن لاش ہے کچھ دفن کا سامان نہیں
ایسے بے رحم ہیں اعدا کہ ذرا دھیان نہیں

کبھی فرزند کے لاشے پہ نگاہ کہ جاتی　　غل مچاتی تھی کہ لوٹی گئی میں کوکھ جلی
آج بر باد ہوئی ساری کمائی میری　　کیسے فریاد کروں میں نہیں سنتا کوئی
خشک گردن پہ رواں ظلم کی شمشیر ہوئی
نہ میرے لال کی ثابت کوئی تقصیر ہوئی

کبھی کہتی تھی یہ دریا سے مخاطب ہوکر یہ مرے حق مہر حق نے مجھے بخشا تھا مگر
تو نے پانی نہ دیا مرگیا میرا دلبر مرتے دم بھی نہ ہوا حلق مرے لال کا تر
رن میں سیراب جو تجھ سے مرا جانی ہوتا
ایک ساغر سے نہ کم نہر کا پانی ہوتا

کبھی کہتی تھی یہ مرغانِ ہوا سے جاجا رن میں بے گوروکفن فخر سلیماں ہے پڑا
دھوپ میں جلتی زمیں پر ہے تڑپتا لاشا تم کو لازم ہے کرو جاکے پروں سے سایا
اپنی چھاتی پہ سدا اس کو سلاتی تھی بتولؑ
گھر سے باہر نہ کبھی دھوپ میں لاتی تھی بتول

اس بیاں سے تھی عجب رن میں قیامت برپا دردودیوار سے فریاد کی آتی تھی صدا
تھرتھراتی تھی زمیں خاک اڑاتی تھی صبا صورتِ ماہی بے آب طپاں تھا دریا
ہوکے بیتاب زمیں پر شہپرا روتے تھے
اوج پر درد سے مرغانِ ہوا روتے تھے

بین کرتی تھی ابھی رن میں یہ روکر زہراؑ آئی اک سمت سے فریاد کی ناگاہ صدا
تب تو گھبرا کے یہ خاتون قیامت نے کہا کوئی یارب دلِ پردرد سے کرتا ہے بکا
کس کے رونے کی یہ جنگل سے صدا آتی ہے
سُن کے آواز مری چھاتی پھٹی جاتی ہے

کیا کوئی اور بھی ہے بے کس ونالاں مجھ سا کیا کسی اور پہ بھی غم کا فلک ٹوٹ پڑا
کیا مری طرح کسی اور پہ ہے ظلم ہوا کیا کسی اور کے بیٹے کا گلا کاٹا گیا
یہ صدا سُن کے اڑے جاتے ہیں اوسان میرے
آشنا پر ہیں اس آواز سے کچھ کان میرے

ناگہاں فاطمہؑ کو غیب سے آئی یہ ندا کیوں نہ بیتاب اس آواز سے ہو دل تیرا
اے مصیبت زدہ یہ ہے تیری زینبؑ کی صدا اپنے بھائی کے لیے خیمے میں کرتی ہیں بکا
کیوں وہ بے تاب نہ ہو آج کہ بے سر ہے حسینؑ
تیرا بیٹا ہے تو زینبؑ کا برادر ہے حسینؑ

یہ سخن سن کے نہ آیا دل زہراؑ کو قرار　طرف خیمہ چلی روتی ہوئی زار وزار
آ کے خیمے میں عجب طرح کے دیکھے آثار　اپنا سر پیٹتے ہیں سب حرم سینہ فگار
بچے روتے ہوئے بادرد والم پھرتے ہیں
بال کھولے ہوئے سب اہل حرم پھرتے ہیں

سب حرم سینہ زنی کرتے ہیں کھولے ہوئے مُو　لب پہ فریاد ہے آنکھوں سے رواں ہیں آنسو
سر کو نہوڑائے ہوئے زانو پہ روتی ہے بہو　اور سکینہؑ نے پریشان کئے ہیں گیسو
سب حرم کرتے ہیں زاری کوئی خاموش نہیں
سب ہیں بے ہوش کسی کو بھی ذرا ہوش نہیں

گھر میں خاتون قیامت کے مچا ہے کہرام　بی بیاں پیٹتی ہیں لے لے کے شبیرؑ کا نام
ہر طرف غل ہے کہ ہے ہے مرے مظلوم امام　رو رو زینبؑ یہی ہر ایک سے کرتی ہے کلام
آج شبیرؑ برادر سے بھی چھوٹی زینبؑ
آ کے پردیس میں لوگو گئی لوٹی زینبؑ

جس گھڑی سر سے مرے اٹھی تھیں اماں زہرا　میں یہ کہتی تھی سلامت ہیں ابھی شیر خدا
جب پدر مرگئے تھا سر پہ حسنؑ کا سایا　بعد ان سب کے بھروسا مجھے شبیرؑ کا تھا
ہائے بے وارثی قسمت نے بنایا مجھکو
بھائی شبیرؑ کا بھی داغ دکھایا مجھکو

عالم یاس میں ماں باپ چھڑاتی تھی یاد　دیکھ کر پیاسوں کو ہوتی تھی میں غمگیں دل شاد
شہؑ کے مرنے سے مری اب ہوئی زینبؑ برباد　کس سے فریاد کروں دے جو مرے ظلم کی داد
لشکرِ شام نے لوٹا مجھے یارب فریاد
ہوگئی خلق میں بن بھائی کے زینبؑ فریاد

جب کہ ٹکڑے ہوئے تیغوں سے مرے ماہ لقا　میں نے کچھ غم نہ کیا دیکھ کے لاشا ان کا
جی میں کہتی تھی اگر مرگئے بیٹے غم کیا　صدوی سال سلامت رہے بھائی میرا
قاسمؑ واکبرؑ وعباسؑ پہ نازاں تھی میں
دونوں بیٹوں کی نہ مرنے سے ہراساں تھی میں

ہائے اب تو کوئی سر پر مرے وارث نہ رہا　　نہ برادر ہی نہ ماں ہے نہ پدر ہے نہ چچا
ہوگیا قتل مرا ناز اٹھانے والا　　کس طرح سے دل بے تاب کو سمجھاؤں بھلا

بھانجے بھائی بھتیجے نہیں دلدار نہیں
ماں نہیں باپ نہیں کوئی بھی غمخوار نہیں

پیار جیسا کہ مجھے کرتے تھے بھائی شبیرؑ　　یوں تو پیاری کسی بھائی کو نہ ہوگی ہمشیر
گو میں تھی تابع فرمانِ امامِ دلگیر　　پر ادب کرتے تھے میرا شہہؑ گردوں توقیر

گو انہیں جانتی تھی میں شہہ مرداں کی جگہ
پر سمجھتے تھے مجھے سبط نبیؐ ماں کی جگہ

آپ کے جائے کو گھوڑے سے اتارا کس نے　　جب لگا خاک پہ گرنے تو سنبھالا کس نے
مرتے دم زانو پہ سر بھائی کا رکھا کس نے　　کس نے مجروح کیا ذبح کیا تھا کس نے

کون سا غم تہہ خنجر شہہؑ دیگر کو تھا
دھیان کچھ میری اسیری کا نہ شبیرؑ کو تھا

شہہؑ مظلوم کا زینبؑ نے جو پوچھا احوال　　غم سے تغییر ہوا مادر شبیرؑ کا حال
پہلے بے ساختہ چلائی کہ ہے ہے مرا لال　　پھر یہ رو رو کے کیا زینبؑ مضطر سے مقال

کیا کہوں حال یہ رونا نہیں بے جا زینبؑ
غم سے آتا ہے مرا منھ کو کلیجا زینبؑ

رن میں گرنے جو لگا خاک پہ وہ رشکِ قمر　　آگے تھامی تھی پیمبرؐ کی نواسی نے کمر
ہاتھ فرزند کی بغلوں میں دیئے تھے حیدرؑ　　پیار سے بھائی کا سر تھامے ہوئے تھے شبرؑ

چاک ماتم میں گریباں کئے تھے جبریلؑ
پاؤں شبیرؑ کے ہاتھوں پہ لئے تھے جبریلؑ

یہ بیاں کرتی تھی اور روتی تھی وہ کوکھ جلی　　سر کو ٹکراتی تھی اور خاک تھی چہرے پہ ملی
لب پہ جاری تھی صدا ہائے حسینؑ ابن علی　　یہی کہتی تھی چھری بھائی کی گردن پہ چلی

تھی دل و جاں سے جو وہ عاشق و شیدائے حسینؑ
ہائے بھائی کبھی کہتی تھی کبھی ہائے حسینؑ

اپنی بیٹی کا جو زہراؑ کے یہ دیکھا احوال ٹکڑے ٹکڑے ہوا دل غم سے ہوا رنج کمال
دخترِ خستہ جگر سے یہ کیا اس نے مقال کس طرف سے ترا اے زینبؑ ناشاد خیال

اب سرِ خاک سے اٹھ بیٹھ سنبھل کر زینبؑ
اپنے بھائی کی وصیت پہ عمل کر زینبؑ

گو کہ سر پر ترے آفت کا فلک ٹوٹ پڑا پر جو صابر ہیں ہراساں نہیں ہوتے اتنا
دیکھ تو باپ نے اور بھائی نے کیا صبر کیا تہہ شمشیر بھی جز شکر خدا لب نہ ہلا

گو بڑا غم ہے یہ لازم تجھے فریاد نہیں
صبر پہلوئے شکستہ کا میرے یاد نہیں

ماں سے کہنے لگی زینبؑ یہ بجا ہے ارشاد پر وہ کیا صبر کرے جس پہ یہ گزرے بیداد
صبر کا دھیان ہے بھائی کی وصیت بھی ہے یاد پر کروں کیا کہ نکل جاتی ہے دل سے فریاد

غم مرے نالہ وزاری کا نہ کھاؤ اماں
کچھ مجھے حالِ برادر کا سناؤ اماں

جب گرا خاک پہ گھوڑے سے وہ مجروح جگر قبلہ رو ہو کے جھکا سجدۂ معبود میں سر
شکرِ معبود سے لب خشک تھے اس پیاسے کے تر محوِ دیدار کو تھی کچھ نہ تن و سر کی خبر

نکل آئی تھی زباں سے پیاس غش طاری تھا
پر لبِ زخم سے بھی شکر خدا جاری تھا

عین سجدے میں جو سر کاٹنے آیا گمراہ رو دیا پاس سے کر چہرۂ قاتل پہ نگاہ
جس گھڑی ذبح کیا شمرؔ نے بے جرم وگناہ آئی آواز کٹے حلق سے اماں للہ

مرتے دم بھی نہ جدا ماں سے جدا تھا زینبؑ
جب کٹا حلق مری گود میں سر تھا زینبؑ

جب یہ رو رو کے یہاں فاطمہ زہراؑ نے کیا زینبؑ خستہ جگر کے نہ رہے ہوش بجا
آہ کی تھام کے ہاتھوں سے کلیجا یہ کہا بھائی اس تیری محبت پہ یہ ہمشیر فدا

تہہ خنجر نہ پہ ناشاد فراموش ہوئی
مرتے دم بھی نہ مری یاد فراموش ہوئی [1]

---

[1] ایک بند لکھنے سے رہ گیا ہے (ا۔ح)

میری غم خوار بہن تم کو مرے سر کی قسم　　رہِ تسلیم سے باہر نہ کبھی رکھیو قدم
تم دعا دیجیو جب ظلم کریں اہل ستم　　سب کو سمجھائیو رو دیں جو مجھے اہل حرم
آشنا لب سے کبھی شکوۂ بیداد نہ ہو
مجھے ڈر ہے کہیں محنت مری برباد نہ ہو
آگے اب حال کچھ الفت نہیں جاہے لکھا　　نہ تو طاقت ہے قلم کو نہ زباں کو یارا
حق سے روکر یہ دعا مانگ کہ صدقہ شہ کا　　سختی پُرسشِ اعمال نہ ہو روز جزا
جام کوثر کا پلائے مرا آقا مجھکو
لے کے فردوس میں جائے مرا آقا مجھکو

○

# راجہ دھنپت رائے محبؔ

محبؔ تخلص۔ راجہ دھنپت رائے نام۔ ان کے بارے میں بجز اس کے کچھ معلوم نہ ہوسکا کہ ان کے والد بخشی الملک راجہ الفت رائے بہادر تخلص الفتؔ تھے۔ دونوں باپ بیٹے مرثیے کہتے تھے اور مجالس عزا برپا کیا کرتے تھے۔ ذخیرۂ ادیب مرحوم (مولانا ابوالکلام آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) میں ایک ضخیم مخطوطہ نمبر ۵۹۸ کے تحت موجود ہے۔ اس کا سائز ½ ۸ × ۶ ہے اور یہ ۲۴۵ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس پر ایک اور ہندو مرثیہ گو شاعر لالہ دینا ناتھ المعروف بہ منشی حسین بخش واجب نے اصلاح کی اور اسیر لکھنوی نے نظر ثانی کی۔ مخطوطے کی ابتدا میں یہ عبارت درج ہے:۔

> ''کتاب سلام ہائے من تصنیف افصح الفصحاً ابلغ البلغاً راجہ دھنپت رائے صاحب متخلص بہ محبؔ خلف بخشی الملک راجہ الفت رائے بہادر متخلص بہ الفتؔ بہ اصلاح منشی حسین بخش المتخلص بہ واجب خلف لالہ سکھن لال طالبؔ ساکن چودھری ٹولہ و بانظر ثانی فرمودہ شد بخشی الملک موصوف الصدر و نظر ثانی کردہ تدبیر الدولہ منشی مظفر علی جنگ بہادر متخلص بہ اسیرؔ، مصاحب خاص حضرت سلطان عالم واجد علی شاہ بادشاہ غازی خلد واللہ وملکہ وسلطنتہ۔''

مخطوطے پر راجہ الفتؔ رائے الفتؔ نے بھی نظر ڈالی تھی۔ الفتؔ کا انتقال ۱۸۵۴ء میں ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کتابت عہد واجد علی شاہی میں (۵۲-۱۸۴۷ء) میں ہوئی ہے۔ مخطوطہ بہت خوشخط ہے۔ عنوان لال روشنائی میں ہیں۔ اس میں ۸۱ سلام، ۴۸ رباعیات اور ۴۰ مرثیے ہیں۔ مرثیہ کے اسلوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ محبؔ نے بہت سے مرثیے کہے ہیں اور

اس فن میں انہیں قدرت حاصل تھی۔ زبان کی سادگی اور روانی قابل ذکر ہے۔ محبؔ نے مرثیوں میں امام حسینؑ کے تئیں اپنے خلوص اور عقیدت کا اظہار بڑے شدومد کے ساتھ کیا ہے۔ کہتے ہیں ؎

ہر سمتِ نظر مجلس ماتم آئے    پھر ہند میں سلطان دو عالم آئے
جی کھول کے روئیں غم آقا میں محبؔ    پھر جلد کہیں ماہ محرم آئے

○

مداح شہنشاہِ خراساں ہوں میں    پھر کیوں اس امر میں ہراساں ہوں میں
جس دم لیا نام اپنے آقا کا محبؔ    مشکل کہتی ہے آپ آساں ہوں میں

○

محبؔ جناب سیدالشہدا کی زیارت کے بھی متمنی تھے۔ مرثیے کے آخر میں کہتے ہیں ؎

کر حق سے میری عرض دعا یہ قبول ہو    حاصل مجھے زیارت سبط رسولؐ ہو

محبؔ کا ایک سلام بھی تبرکاً پیش کیا جاتا ہے ؎

شاہ کی تشنہ لبی کا گر بیاں ہوجائے گا    اے سلامی چشم سے دریا رواں ہوجائے گا
شہہ کے غم میں جو کہ مصروف فغاں ہوجائے گا    مجرئی وہ ساکن قصرِ جناں ہوجائے گا
جس کا دل اس غم سے داغی لالہ سان ہوجائے گا    مجرئی باغ ارم اس کا مکاں ہوجائے گا
بانو کہتی تھی نہ تھا مجھکو یقیں اس عمر میں    تیر سے بے جان مرا ابروکماں ہوجائے گا
کہتی تھیں صبح شب عاشور روکر بلبلیں    آج زہرا کا چمن صرف خزاں ہوجائے گا
شاہ فرماتے تھے میں نعرہ کروں گا جس گھڑی    ارض کانپ اٹھے گی لرزاں آسماں ہوجائے گا
الاماں کا شور ہوگا لشکر کفار میں    درہم وبرہم ابھی سارا جہاں ہوجائے گا
چوم کر شبیرؑ کی گردن یہ کہتے تھے نبیؐ    اس پر اک دن شمر کا خنجر رواں ہوجائے گا
پہنچے جس دم کربلا میں رو کے شہہ کہنے لگے    غارت اس جنگل میں اپنا کارواں ہوجائے گا
بولی بانو جائے گا جس وقت اکبرؑ سامنے    سب لعینوں کو پیمبرؐ کا گماں ہوجائے گا
بولے شبہؑ کوثر سے وہ سیراب ہوگا خلد میں    راہِ حق میں قتل جو تشنہ دہاں ہوجائے گا
دیکھ کر گلزار سبطِ مصطفیٰ بولی اجل    فصل گل میں یہ چمن صرف خزاں ہوجائے گا

شاہ کہتے تھے داہم کو اپنے صبروشکر کا	آج وقتِ عصرائے دل امتحاں ہوجائے گا
کہتے تھے شبیرؑ میں کھنچوں گا جس دم ذوالفقار	عالم بالا پہ شور الاماں ہوجائے گا
شاہ کہتے تھے خریداروں کو ہے جلدی کمال	نرخ بازار شہادت اب گراں ہوجائے گا
کہتے تھے سجاد جو چاہو ستم کرلو یہاں	ظالموں انصاف اس کا کل وہاں ہوجائے گا

بزم ماتم میں پڑھا جائے گا جس دم یہ سلام
اے محبؔ ہر ایک مومن خوں فشاں ہوجائے گا

کلیات محبؔ میں کئی خمسے بھی ہیں۔ محبؔ نے اپنے والد۔ الفتؔ کے سلاموں پر خمسے بھی کہے ہیں۔ ذیل میں دوخمسوں کے دو دو بند پیش کیے جاتے ہیں۔ پہلے مخمس میں ۲۷ اور دوسرے میں ۳۱ بند ہیں۔

سب لوٹ کر حسینؑ کا گھر بار لے گئے	آل نبیؐ کو کرکے گرفتار لے گئے
کیا لکھوں کس طرح سے جفا کار لے گئے	اعدا حرم کو مثل گنہگار لے گئے
مجرائی بے ردا سر بازار لے گئے

جو ہے محبؔ اٹھائے گا راحت بہشت میں	حب علیؑ سے پائے گا نعمت بہشت میں
دل سے ہر اک مٹائے گا کلفت بہشت میں	یارو ضرور جائے گا الفتؔ بہشت میں
سن لیجیؤ کہ حیدرؑ کرار لے گئے

○

جگر غم سے شق جابجا چاہیے	گریباں بھی غم سے پھٹا چاہیے
یہی شغل صبح و مسا چاہیے	سلامی کو دل سے عزا چاہیے
غم شہہؑ ہر دم بکا چاہیے

محبؔ روضۂ شہہ سے اب ہیں قریں	کسی طور کا شبہہ اس میں نہیں
ہے اس بات کا فرض سب کو یقین	نہیں دور الفتؔ درشاہِ دیں
مدد گار بخت رسا چاہیے

محبؔ نوحے بھی کہتے ہیں۔ ایک نوحہ کے دو شعر درج کیے جاتے ہیں۔

مجرا اُسے جو کرتی تھی رو رو کے یہ تقریر	بھائی علی اکبرؑ

میداں کا نہ تم قصد کرو صدقے یہ ہمشیر　　بھائی علی اکبرؑ
کس طرح بیاں ہووے محبؔ اپنی زباں سے　　تقریر سکینہؑ
کہتی تھی نہ جا مرنے کو صدقے ہو یہ ہمشیر　　بھائی علی اکبر

مخطوطے کے آخری صفحے میں یادداشت کے طور پر میر انیس (متوفی ۱۸۷۴ء) کی ذیل کی دو رباعیاں درج ہیں جو انہوں نے مرنے سے پہلے احتضار میں کہی تھیں۔

چھٹتا ہے مقام کوچ کرتا ہوں میں　　رخصت اے زندگانی کہ مرتا ہوں میں
اللہ سے لو لگی ہوئی ہے میری　　اوپر کے دم اس واسطے بھرتا ہوں میں
ہرآں گھٹی جاتی ہے طاقت میری　　بڑھتی ہے گھڑی گھڑی نقاہت میری
آتا نہیں آب رفتہ پھر جو میں انیس　　اب مرگ پہ موقوف ہے صحت میری

اس کے بعد مرزا دبیرؔ کے معرکہ آرا قطعۂ تاریخ وفات انیسؔ کے آخری دو شعر بھی ہیں۔ پہلا شعر پہلی مرتبہ منظر عام پر آ رہا ہے۔ غالباً غیر مطبوعہ ہے۔

حیف شد تاریک در چشم محبانِ حسینؑ　　نہ سپہر و مہر و ماہ و ہفت اختر بے انیسؔ
آسمان بے ماہِ کامل سدرہ بے روح الامیں　　طور سینا بے کلیم اللہ منبر بے انیسؔ

کلیات میں جو مرثیے ہیں ان کے مطلع ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ محبؔ کے تخلص سے کئی شاعر گزرے ہیں۔

قتل جب ہوگیا شبیرؑ کا لشکر رن میں　　کوئی باقی نہ رہا مونس و یاور رن میں
رہ گئے بیکس و تنہا شہہ صفدر رن میں　　یہی فرماتے تھے باحالت مضطر رن میں
اب کسی کا بھی نہیں ہم کو سہارا رن میں
اب نہیں تیرے سوا کوئی ہمارا رن میں

مقطع۔

کہہ کے یہ جانب خیمہ ہوئے شبیر رواں　　گود میں لاشۂ فرزند تھا اور لب پہ تھا فغاں
داخل خیمہ ہوئے جب کہ شہہ ہر دو جہاں　　ہوگیا نالہ وفریاد سے یک حشر عیاں
اے محبؔ آگے نہیں تاب رقم ہے ہرگز
اتنا مضموں بھی نہیں رونے کو کم ہے ہرگز

کرتے ہیں طلب رخصت میداں علی اکبرؑ استادہ ہیں پیش شہہ ذیشاں علی اکبرؑ
کہتے ہیں یہ بادیدۂ گریاں علی اکبرؑ اب دیکھ چکا مرگ عزیزاں علی اکبرؑ
اعدا کے ستم سہنے کا یارا نہیں بابا
واللہ کہ اب زیست گوارا نہیں بابا

مقطع ؎

یہ کہہ کے چلا خیمے سے باہر وہ خوش انجام اور خیمۂ سرورؑ میں بپا ہوگیا کہرام
اب تابِ رقم کی نہیں خامے کو محبؔ تھام خالق سے دعا مانگ پئے اکبرؑ نا کام
برسر ترے افضال سے بابا رہے یارب
سرپر مرے حسینؑ کا سایا رہے یارب

حسینؑ امام پہ جب رن میں قحط آب ہوا کمال پیاس سے لشکر کو اضطراب ہوا
کلیجہ جل گیا دل صورت کباب ہوا دم آیا ہونٹوں پہ صبرو قرار خواب ہوا
ہر ایک کہتا تھا صورت اجل دکھاتی ہے
پلاؤ پانی شہا ورنہ جان جاتی ہے

یہ کہہ کے راہی ملک بقا ہوئے عباسؑ حسینؑ رونے لگے سخت دل پہ چھا گئی یاس
محبؔ زیادہ نہیں فرط غم سے ہوش وحواس دعا یہ مانگ خدا کہ سے یا الہٰ الناس
حصول تیری عنایت سے سرفرازی ہو
مری مدد پہ علمدار شاہ غازی ہو

محبؔ کا سارا کلام غیر مطبوعہ ہے۔ کلیات سلام کے علاوہ ان کے مراثی کی تعداد بھی غالبًا اچھی خاصی ہوگی۔ ذخیرۂ ادیب مرحوم کے دیکھنے کے لیے عمر دراز کی ضرورت ہے۔ ہمارے ہاتھ صرف کلیات سلام آگیا۔ ان مخطوطات میں تیز دوا ڈالی گئی ہے۔ بیاض کھولتے ہی سردرد اور زکام ہونے لگتا ہے۔ بہر حال ذیل میں ان کا ایک مرثیہ درج کیا جاتا ہے۔ شاعر نے اس میں دیگر مرثیہ گو شعراء کی طرح روز دعا شورا زعفر جن کی روایت پیش کی ہے۔

زعفر جن کے لشکر کا حال دیکھئے ؎

موروملخ سے کثرتِ لشکر ہے کچھ سوا چھائی ہے فوج چار طرف جس طرح گھٹا

دریا امڈا آتا ہے ہرسو سے جابجا　　پیکِ نظر کو ملتی نہیں ان کی انتہا
رہواروں کے سموں کی صدا ایسی آتی ہے
مانند بید رن کی زمیں تھر تھراتی ہے

## "مرثیہ"

رَن میں ہوا شہید جو لشکر حسینؑ کا　　کوئی رہا نہ مونس و یاور حسینؑ کا
مرجھا گیا ہر ایک گل تر حسینؑ کا　　تاراج کیا اجل نے بھرا گھر حسینؑ کا
زخموں سے چور چور وہ عالی وقار تھا
غیر از خدا رفیق نہ ہمدم نہ یار تھا

فرما رہے تھے یاس کے عالم میں بار بار　　مجھ سا نہ ہوگا بیکس و محروم زینہار
بھائی ہے نہ پسر ہے نہ ہمدم نہ کوئی یار　　اک جاں ہے اور تشنۂ خوں ہیں کئی ہزار
مونس نہیں رفیق نہیں آشنا نہیں
فریاد رس ہمارا کوئی جز خدا نہیں

سامع ہے کون کس سے کہوں دردِ دل کا حال　　اب اپنا کوئی دوست نہیں غیر ذوالجلال
اک دِل ہے لاکھ رنج ہیں اک جاں ہے سو ملال　　دشمن دکھائی دیتے ہیں پہنچے جدھر خیال
سینہ ہے ٹکڑے ٹکڑے جگر داغدار ہے
جینا ہے شاق موت کا بس انتظار ہے

یہ کہہ کے سوئے گنج شہیداں کیا گزر　　روئے ہر ایک لاش پہ سر پیٹ پیٹ کر
آواز دی رفیقوں کو پھر یوں بچشم تر　　کیوں یار ہم کو چھوڑ کے تم کر گئے سفر
کیسا ادا یہ حق رفاقت کو کر گئے
آئے تو ساتھ ساتھ تھے اور پیشتر گئے

بعد اس کے جاکے لاشۂ عباس کے قریب　　فرمایا رو کے اے مرے بھائی میرے حبیب
فرطِ الم سے اب میرا احوال ہے عجیب　　بہرِ وداع آیا ہوں میں بے کس و غریب

کیا مثل شیر ساحل دریا پہ سوتے ہو
مرنے کو بھائی جاتا ہے رخصت بھی ہوتے ہو

قاسم کی نعش سے یہ کہا پھر بصد فغاں　　اے نامدار سید مسموم کے نشاں
رخصت کو تم سے آیا ہے یہ غم ناتواں　　آنکھیں ذرا تو کھول دو صدقے یہ نیم جاں
اب درد دل کے سہنے کا یارا نہیں ہمیں
جاتے ہیں مرنے زیست گوارا نہیں ہمیں

بعد اس کے آئے لاشۂ اکبرؑ کے پاس شاہ　　صدمہ ہوا یہ دل پہ کہ حالت ہوئی تباہ
جس دم پسر کے زخم جگر پر پڑی نگاہ　　جاں آئی لب پہ آنکھوں میں عالم ہوا سیاہ
فرمایا روکے یہ تھا مقدر ہزار حیف
یہ شکل تیری دیکھوں میں دلبر ہزار حیف

ہے ہے اجل نے کردیا ویران میرا گھر　　ہے ہے کلیجہ پھٹ گیا ٹکڑے ہوا جگر
ہے ہے پدر کے سامنے تم مرگئے پسر　　ہے ہے ضعیف باپ پہ تم نے نہ کی نظر
میداں میں جاکے ہم بھی بس اب سر کٹاتے ہیں
لگ جاؤ اٹھ کے سینے سے اے جان جاتے ہیں

پھر جاکے قبر اصغر معصوم پر حسینؑ　　روئے تڑپ کے اور کئے اس طرح سے بین
آغوش میں مزار کے سوتے ہو نورعینؑ　　فرقت میں اب تمہاری نہیں میرے دل کو چین
کچھ اپنا حال باپ سے بیٹا بیاں کرو
کیا گزری آہ گور میں کچھ تو عیاں کرو

زخم گلو میں درد تو اے میری جاں نہیں　　بتلاؤ اب تو لب پہ تمہارے فغاں نہیں
فرط عطش سے خشک تو بیٹا زباں نہیں　　کنج لحد کا تنگ تو پیارے مکاں نہیں
گھبرائے تو نہیں ہو اکیلے مزار میں
بے چین تو نہیں ہو لحد کے کنار میں

فرقت میں تیری ہم کو بھی جینے سے عار ہے　　جو دم ہے زندگی کا وہ بس ناگوار ہے
واللہ اب تو مرگ کا دل خواستگار ہے　　سینے میں سخت جان حزیں بے قرار ہے

ہیں ہم بھی کوئی آن کے مہمان الوداع
بیٹا خدا تمہارا نگہبان الوداع

اب یوں بیان کرتا ہے راوی معتبر بیٹے کی قبر پر تھے ابھی شاہ نوحہ گر
یکبار سوئے دشت جو کی آپ نے نظر کیا دیکھتے ہیں آتا ہے لشکر بہ کرّ و فر
ایسا غبار اٹھتا ہے دشت نبرد سے
سب کاسۂ سپہر ہے معمور گرد سے

مور و ملخ سے کثرتِ لشکر ہے کچھ سوا چھائی ہے فوج چار طرف جس طرح گھٹا
دریا سا امڈا آتا ہے ہر سو سے جابجا پیکِ نظر کو ملتی نہیں ان کی انتہا
راہواروں کے سموں کی صدا ایسی آتی ہے
مانند بید رن کی زمیں تھر تھراتی ہے

توسن ہر ایک رن میں ہے مانند شیر نر کیا شیر نر وہ برق کے مانند تیز تر
اسوار بھی ہر ایک ہے ان میں ملک سیر تیغیں لیے ہیں ہاتھ میں اور دوش پر سپر
اوج سما پہ غل ہے کہ طرفہ یہ حال ہیں
لاکھوں مہ کمال ہیں لاکھوں ہلال ہیں

سردار اس گروہ کا ہے ایک نوجواں چہرے سے اس کے نور شجاعت کا ہے عیاں
پر اس کے دونوں بازوں پر ہیں فرشتہ ساں نیزہ ہے دہنے ہاتھ میں اور دوش پر کماں
دریائے آہنی میں سراپا وہ غرق ہے
خورشید سر بہ خود ہے تلوار برق ہے

چتون سے یہ عیاں ہے کہ غصے میں ہے وہ مرد ظاہر ہے عزم سے کہ ہے آمادۂ نبرد
ہر چند گرم رو ہے پہ بھرتا ہے آہ سرد اس سے یہ آشکار ہے رکھتا ہے دل میں درد
آنسو زیادہ تر ہیں رواں آب نہر سے
ہردم عدد کی فوج کو تکتا ہے قہر سے

حضرت کی تھی نگاہ ابھی اس کی فوج پر جو پاس آکے پہنچا وہ سردار خوش سیر
اترا زمیں پہ توسن چالاک روک کر خدمت میں آئے مجرے کو اس نے جھکایا سر

پھر پائے سبط صاحب لولاک پر گرا
روتا ہوا وہ اشک صفتِ خاک پر گرا
قدموں سے اپنے شاہ نے اس کا اٹھایا سر شفقت سے پھر یہ کہنے لگے شاہِ بحرو بر
آیا ہے کس طرف سے تو اور جائے گا کدھر کیا نام ہے مکاں ہے کہاں کچھ بیان کر
کیا غم ہے اس قدر جو ہے بے تاب اے جواں
آنکھوں سے کیوں بہاتا ہے خوناب اے جواں
درپیش ہو اگر کوئی مشکل تو کر بیاں فضل خدا سے ہو ابھی آسان اے جواں
عالم میں ہو اگر کوئی تیرا عدوئے جاں تیرے عوض میں چل کے لڑوں اس سے بے گماں
رونے سے تیرے مجھ کو نہایت ملال ہے
اب جلد کر بیان جو کچھ دل کا حال ہے
یہ سن کے یہ کلامِ بہت رویا وہ جری قدموں سے سر اٹھا کے یہ پھر اس سے عرض کی
قربان یہ غلام زہے بندہ پروری ہاں ہم کو سب طرح کی ہے طاقت خدا نے دی
مقبول کرد گار ہو سبط رسولؐ ہو
میں جانتا ہوں جانِ علیؑ و بتولؑ ہو
اس وقت اپنے ملک میں تھا میں جگر فگار جو ایک جن نے جا کے خبر دی یہ ایک بار
یعنی ہوئی ہے جمع بہت فوج بدشعار اور کر رہی ہے لشکر حضرت سے کار زار
لاکھوں جواں ہیں اس سپہ پر غرور میں
کل خویش اقربا ہیں بہتر حضور میں
اے بادشاہ جن و بشر خلق کے امامؑ سردار ملک جن ہوں میں اور قاف ہے مقام
پہچانتے نہیں مجھے ہوں آپ کا غلام مشہور سب میں زعفر جنی ہے میرا نام
میں شیعۂ امام علیہ السلام ہوں
والد مرا غلام تھا میں بھی غلام ہوں
سنتے ہی یہ سخن نہ رہا آہ مجھ میں ہوش تصویر کی طرح میں رہا دیر تک خموش
پھر آپ کے غلام نے دل میں کیا جو جوش ہمراہ اپنے لے کے یہ سب فوج سرفروش

مثل نسیم آیا ہوں میں اِس مکاں تلک
صد شکر آن پہنچا امامؑ زماں تلک

حضرت یہ لوگ کون ہیں ساکن کہاں کے ہیں دشمن جو آہ تم سے امام جہاں کے ہیں
تابع مگر نہیں یہ رسول زماں کے ہیں اور کلمہ گو نہیں یہ شہہ مرسلاں کے ہیں
نصرانیوں میں ہیں یہ دیا اہل روس ہیں
ثابت نہیں ہے گبر ہیں یہ یا مجوس ہیں

اب اذن مجھکو دیجئے بہر جنگ یا امامؑ اس وقت میں کمال ہوں دل تنگ یا امامؑ
لڑنے کا میرے دیکھئے اب ڈھنگ یا امامؑ کیسا عدو کو کرتا ہوں چورنگ یا امامؑ
طور دِغا سپاہ میں بھجوا کے دیکھئے
جوہر حضور تیغ مصفا کے دیکھئے

فرمایا شبہؑ نے زعفر ذی جاہ مرحبا کیا خوب حوصلہ ہے ترا واہ مرحبا
آل نبیؐ کا تو ہے ہوا خواہ مرحبا جو حق تھا وہ ادا کیا واللہ مرحبا
لاریب تو نے شرط رفاقت تمام کی
راضی ہے تجھ سے روح رسولؐ انام کی

زعفر برائے جنگ تجھے دوں میں اذن کیا امت ہیں میرے بابا کے یہ سارے اشقیا
ہوتا اگر خیال مجھے ان کے قتل کا کافی تھی ذوالفقارِ شہنشاہ لافتا
پیاسے نہ رہتے زخم نہ یوں تن پہ کھاتے ہم
کیوں ایک دل پہ داغ بہتر اٹھاتے ہم

طفلی سے ہم کو بخشش امت کا ہے سوال بارے دعا وہ ہوگئی مقبولِ ذوالجلال
لشکر کے مرنے کا نہیں اب ہم کو کچھ خیال اور گھر کے لٹنے کا بھی نہیں مطلقاً ملال
راہِ خدا میں اب تو شہادت کا شوق ہے
کٹوا کے سر حصول سعادت کا ذوق ہے

آیا مری مدد کو تو اے بندۂ خدا اس جزا کی ذرا تجھے خالق کرے عطا
کہتے ہیں جس کو شرط وفا تو نے کی ادا بس لے کے اپنی فوج کو اب تو یہاں سے جا

اب امتحانِ صبرو عبادت کا وقت ہے
دن ڈھل گیا ہے اپنی شہادت کا وقت ہے

زعفر یہ سن کے رونے لگا سر کو پیٹ کر لشکر میں اُس کے ہوگیا کہرام سر بسر
پھر پڑھ کے الوداع بصد غم وہ خوش سیر راہی ہوا وطن کی طرف کو بچشم تر
کہتا تھا فوج سے نہ میں کیونکر بکا کروں
امید دل کی دل میں رہی آہ کیا کروں

لکھا ہے راہ میں تھا ابھی زعفر حزیں جو ایک جن نے اس کو خبر جا کے دی وہیں
سجدے میں قتل ہوگیا سلطانِ مومنیں اب جل رہے ہیں خیمۂ ناموس شاہ دیں
اہل حرم کو لوٹ رہے ہیں لعیں دریغ
بیوؤں پہ رحم کرتے نہیں اہل کیں دریغ

سُن کر خبر یہ گھوڑے سے وہ خاک پر گرا پھینکا عمامہ سر سے گریباں کیا قبا
سر پر اڑا کے خاک یہ کہتا تھا برملا مجبور ہوں میں کیا کروں اب وا مصیبتا
جاوے گا کس طرح سے محمدؐ کے سامنے
آقا کا ساتھ بھی نہ دیا مجھ غلام نے

یہ کہہ کے غش زمیں پہ ہوا پھر وہ سرفروش باقی رہے نہ نام کو اس میں حواس وہوش
لشکر میں اس کے رونے کا چاروں طرف تھا جوش آگے نہیں بیان کی طاقت محبؔ خموش
کرحق سے میری عرض دعا یہ قبول ہو
حاصل مجھے زیارت سبط رسولؐ ہو

# گوپی ناتھ امنؔ لکھنوی

ثنا خوان پیمبر ذاکر آل پیمبر ہے
خدا ہی جانتا ہے بندہ مومن ہے کہ کافر ہے

(امنؔ)

آج سے آٹھ سال قبل رثائی ادب کے چیف ایڈیٹر اور محمدی ایجوکیشن کراچی کے مالک جناب ہادی عسکری صاحب کی فرمائش اور ڈاکٹر سید کلب صادق قبلہ سکریٹری توحید المسلمین کے توسل سے میں نے ہندو مرثیہ گو شعرا کا مسودہ بغرض اشاعت عسکری صاحب کے سپرد کیا۔ بعد ازاں میں نے گوپی ناتھ امنؔ کا ایک اور مرثیہ جو مجھے پروفیسر سید نیر مسعود سے ملا اور جس کو سید محمود نقوی ایڈیٹر ''حدیث دل'' نے ''سیل عقیدت'' کے نام سے کتابچہ کی صورت میں شائع کیا تھا ڈاکٹر ہلال نقوی کو کراچی بھیجا تھا۔ موصوف رثائی ادب کے ایڈیٹر ہیں اور انھیں کے زیر اہتمام میری کتاب چھپنے والی تھی۔ اس دوران میں نے کئی مرتبہ کتاب کی پروف ریڈنگ بھی کرلی تھی۔ کتاب کی اشاعت کا اعلان بار بار رثائی ادب میں کیا جاتا رہا۔ آخر کار یہ اعلان بھی شائع ہوا تھا کہ کتاب ۲۰۰۰ء کی ابتدا میں منظر عام پر آرہی ہے۔ دریں اثنا ڈاکٹر کلب صادق اور عسکری صاحب کے درمیان کسی معاملے پر شدید اختلاف پیدا ہوا جو آج تک جاری ہے۔ اس اختلاف کے نتیجہ میں عسکری صاحب کا نزلہ مجھ پر گرا اور انھوں نے اپنا پیمان توڑ کر میری کتاب کی اشاعت روک دی۔ میں نے جناب اقبال حسین کاظمی مئوسس مرثیہ فاؤنڈیشن کراچی کی خدمت میں گزارش کی کہ ڈاکٹر ہلال نقوی سے مسودہ حاصل کر کے شائع کریں۔ وہ آمادہ ہوگئے تھے۔ پھر انھوں نے میری درخواست پر یہ بھاری بھرکم مسودہ

مجھے ہوائی ڈاک سے روانہ کیا۔ پارسل عین اسی دن مجھے موصول ہوا جب ڈاکٹر سید تقی عابدی صاحب (کنیڈا) ۲۵ فروری (۲۰۰۴ء) کو غریب خانے پر تشریف لائے۔ انھوں نے مسودہ دیکھا۔ اپنے بیگ (Bag) میں رکھا اور فرمایا کہ میں اسے شائع کرواں گا۔ چند روز پہلے فون آیا کہ مسودہ میں امنؔ لکھنوی کا مرثیہ موجود نہیں ہے۔ بہر حال میں نے اس کی نقل تلاش کر کے اہل مطبع کو روانہ کی جو شامل کتاب کیا جائے۔ (اکبر حیدری)

گوپی ناتھ امنؔ ۱۶ر ستمبر ۱۸۹۸ء کو لکھنؤ کے محلہ غوث نگر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد بزرگوار کا نام جناب مہادیو پرساد تخلص عاصیؔ تھا جو اردو فارسی میں شعر کہتے تھے۔ امنؔ (متوفی ۷ جولائی ۱۹۸۳ء) کے گھر میں ادبی ماحول تھا اس لیے وہ اوائل عمر سے ہی شعر کہنے لگے۔ آل رسول کی عقیدت ورثہ میں ملی تھی۔ عاصیؔ بھی اہل بیت کے مداحوں میں تھے۔ ایک قطعہ پیش کیا جاتا ہے ؎

سودا ہے نصیری کے خدا کا مرے سر میں | جچتا ہی نہیں کوئی بشر میری نظر میں
تحریر ہے رحمت کی چھپی دامنِ تر میں | دامن پہ تیرے اشکوں کے دھبے نہیں عاصیؔ

امن کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو مربوط کرنے والی شے تھی ایمان۔ ان کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ چاہے میدان صحافت ہو، یا شعر و ادب، سیاست ہو یا مذہب، امنؔ نے ہمیشہ حق پرستی کو اپنا نصب العین بنائے رکھا۔ انھوں نے کبھی اصولوں کو نظر انداز کر کے سمجھوتا نہیں کیا۔ سماجی زندگی ہو یا نجی زندگی، صداقت و الفت کی ازلی و ابدی قدروں پر ان کا یقین راسخ رہا۔ وہ کہا کرتے تھے کہ انسانی زندگی کو الگ الگ خانوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اسی فکر و عمل کی یک رنگی نے امنؔ کو حسینیت کا پرستار بنایا۔ ان کے دل میں مولائے کائنات حضرت علی اور آل علی کے لیے عقیدت کی شمع فروزاں تھی، کیونکہ کسی بھی صاحب فکر و نظر، اہل دل کے لیے یہ ایک قدرتی اور فطری عمل ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں:

روزِ ازل سے دل یہ عقیدت شعار ہے | یہ انتظارِ حسنِ عقیدت کا ہے نشاں

امن نے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، شاعری اوائل عمر میں شروع کر دی تھی۔ پہلی نظم اس وقت کہی جب پانچویں درجہ میں پڑھتے تھے۔ جب نویں میں پہنچے تو مرزا محمد ہادی عزیزؔ لکھنوی کے شاگرد ہوئے۔ استاد نے اپنے عزیز شاگرد کی فنی مہارت بڑھانے کے ساتھ

ساتھ ان کی دینی معلومات میں بھی خاصا اضافہ کیا۔

امن کئی عہدوں پر فائز رہے۔ کئی قومی اور ادبی اعزازات سے سرفراز ہوئے۔ ان میں پدم بھوشن کا خطاب قابل ذکر ہے۔ باوجود علم اور اعلیٰ منصب کے ان کے دل میں کبھی بھی غرور پیدا نہیں ہوا۔ فارسی اور ہندی اردو تینوں زبانوں میں شاعری کی، مگر تعلی کا ایک مصرع بھی زبان قلم سے نہیں نکلا۔ کہتے ہیں:

خدائے پاک نے شرط سجود اے امنؔ یہ رکھی
کہ نخوت سرے ہو رخصت جو سجدے میں جبیں آئے

اپنے متعلق لکھتے ہیں:

ہوئے ہیں جمع بزم میں مرے سخن کے مشتری — مگر مجھے کبھی رہا نہ دعویٰ سخنوری
میان بزم علم و فضل ہیں سخن کے جوہری — حقیر شعر گو ہوں میں یہ بزم بزم حیدری
حقیر میرا فن سہی وقیع ہے سخنوری — سبب یہ ہے بیان کر رہا ہوں شان حیدری
مرے قلم سے کیا بیاں ہو وصف ذات حیدری — نہ قادر الکلام ہوں نہ رودکیؔ نہ انوریؔ

حقیر ہے حقیر ہے مگر علی کا مدح گر
یہی تو ناز امنؔ ہے یہ دل کی ہے تونگری

اس شعر کے تیور بھی ملاحظہ ہو

میں نہ زاہد، نہ عبادت ہی کی تدبیر آئے — نہ میں عالم ہوں نہ مجھ کو فن تقریر آئے

امنؔ حقیقتاً قناعت پسند اور خود دار تھے۔ فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ لباس بھی سادہ پہنتے تھے۔ زندگی سادگی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ جاہ وحشمت اور ہوس گیری سے اپنے دامن کو کبھی داغدار بنانے کی کوشش نہیں کی۔ جب غازی آباد میں وکالت کرتے تھے تو باوجود اس کے وہ کسی جھوٹے مقدمہ کی وکالت نہیں کرتے تھے۔ آمدنی خاص ہونے کی وجہ سے وہ اپنی ضروریات سے زائد رقم اپنے والد کو بھیج دیتے تھے۔

امنؔ واقعی پرامن زندگی گزارنے کے قائل تھے۔ ہندو اور مسلمانوں میں باہمی اتحاد قائم کرنے کے زبردست حامی تھے۔ علیؑ اور حسینؑ کے کردار سے بے حد مانوس ہو چکے تھے اور آئمہ معصومین کی زندگی کو اپنے لیے مشعل راہ قرار دیا تھا۔ کہتے ہیں:

ایک جانب مادی سامان کی آرائشیں دوسری جانب شکیبائی کا جوہر دیکھیے
ایک جانب انتہائے جورو استبداد و ظلم دوسری جانب رضائے حق کا پیکر دیکھیے
ایک جانب ظلمتیں، کاوش، کدورت مکرو زور دوسری جانب فقط اللہ کا ڈر دیکھیے
دشمنوں پر بھی رہی چشم عنایت عمر بھر پیروی اسوۂ ذات پیمبر دیکھیے

امن نے تاریخ اسلام کا بھی مطالعہ کیا تھا۔ وہ اسلام کو امن و آشتی کا مذہب سمجھتے تھے اور اسلام کے پھیلاؤ کے لیے زورزبردستی کو جائز قرار نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔

ذریعہ تیغ کو تبلیغ کا سمجھتے ہیں تو پھر وہ معنی اسلام کیا سمجھتے ہیں
نہیں تعلق اسلام ملک گیری سے جو یہ سمجھتے ہیں بس وہ بجا سمجھتے ہیں
کہاں محبت دیں اور کہاں ہواؤ ہوس یہ کیا کہ حرص کو راہ خدا سمجھتے ہیں
نہیں بدلتے کبھی دل سنان و خنجر سے جو اہل دل ہیں وہ یہ ماجرا سمجھتے ہیں
کلام پاک میں آیا جو لفظ لا اکراہ اسی سے دیں کو پیام وفا سمجھتے ہیں
سلامتی تو ہے اسلام اور کیا شے ہے اسے فجور سے ہم ماورا سمجھتے ہیں
جہاں کے واسطے لایا جو صلح کا پیغام غضب ہے دیں اسے تلوار کا سمجھتے ہیں
غلط سمجھنے کے اسباب بھی ہیں کچھ موجود بیاں ہم ان کا مگر ناروا سمجھتے ہیں

جو ملک گیروں کی مدحت گری پہ کرتے ہیں فخر
زباں سے کیا کہیں ہم ان کو کیا سمجھتے ہیں

امنؔ کو راقم حروف نے بھی محافل مولود اور مجالس عزا میں پڑھتے ہوئے سنا ہے۔ اس کی مزید تائید جناب عزیز وارثی صاحب مرحوم سے بھی ہوتی ہے۔ وہ اپنے مضمون ''گوپی ناتھ امن پیکر عقیدت'' میں لکھتے ہیں:

> ''دلی کی کربلا یعنی شاہ مرداں یا پنچکوئیاں روڈ کا امامیہ ہال یا کشمیری گیٹ کا پنجہ شریف، ان مقامات پر جو پروگرام ہوتے تھے۔ امنؔ صاحب کا ان میں شریک ہونا ضروری و لازمی تھا۔ ان مقدس مقامات کے علاوہ شیعہ حضرات بلی ماران، سوئی والان، پہاڑ گنج میں بھی مجالس منعقد کراتے تھے اور امن صاحب منبر پر بیٹھ کر باقاعدہ مجلس پڑھتے تھے۔ ان کی معلومات اور انداز بیاں اتنا موثر ہوتا تھا کہ مجلس ختم ہونے کے بعد عقیدت

مند ان سے باقاعدہ مصافحہ کرتے تھے اور مصافحہ کے بعد وہی ہاتھ اپنے سینے سے لگاتے تھے۔ یہ ان کی قدر دانی کا بدرجہ اتم اظہار تھا۔"

پرستش علی روا نہیں ہے مومنین کو
مجھے یہ حق کہ پوجتا ہوں دیدۂ پُرآب سے

ہندو ہوں وہ ہندو کہ بہ فیضان تصور
ہوجاتا ہے دیدار حسینؑ ابن علی کا
کافر کہے تو کوئی کہے امنؔ کو مگر
ایوان دل میں اس کے قیام حسینؑ ہے
پیش کر دیتا ہوں کچھ نذر عقیدت ہر سال
تاکہ اس سے میرے اعمال میں تنویر آئے
یہ دعا ہے کہ حسین ابن علی دھیان میں ہوں
وقت پیری جو اجل ہونے گلو گیر آئے

امنؔ نے آل رسول کی شان میں قصیدے، سلام اور مرثیے کہے۔ سردست ان کا جو کلام دستیاب ہوا اس کی تفصیل اس طرح ہے:

"رسول خدا کی شان میں ۷ نظمیں، حضرت علیؑ، امام حسنؑ، امام حسینؑ، حضرت عباسؑ، حضرت سجادؑ، حضرت علی اصغرؑ اور حجت آخر کی مدح میں ۲۰ قصیدے، دو مرثیے، ۲۴ سلام، ۲۰ رباعیات، اور ۱۴ قطعات میرے پیش نظر ہے۔"

ذیل میں چند سلام اور ایک مکمل مرثیہ امنؔ کی تصانیف میں سے درج کیے جاتے ہیں۔

شاداں ہوئے نبی رخ کرار دیکھ کر
انوار میں کشش ہوئی انوار دیکھ کر
رحمت کا امتحان ہے حیراں ہیں مومنین
بزم عزا میں مجھ سا گنہگار دیکھ کر
مسلم ہیں یہ بھی کیا جنھیں آتا نہیں ترس
عابد سے غم رسیدہ کو بیمار دیکھ کر
مسلم جو میں نہیں ہوں تو فتویٰ بھی دیں گے کیا
ابن علیؑ کا مجھ کو پرستار دیکھ کر
پیاسے جو خوں کے تھے انھیں پانی پلا دیا
حر ہوگیا غلام یہ کردار دیکھ کر
مولود کعبہ کے لیے کیا کیا تھے اہتمام
در کو حجاب تھا شق دیوار دیکھ کر

غم شبیر میں آنکھوں سے اشک اکثر نکلتے ہیں
رہے تا حشر جن کی قدر وہ گوہر نکلتے ہیں
خدا کی شان حیدرؑ کی ادا، صورت محمدؐ کی
بہ ایں انداز میداں میں علیؑ اکبر نکلتے ہیں
علم بردار دیں ہونے کے دعویدار کچھ کافر
سر آل نبیؐ نیزوں پہ لے لے کر نکلتے ہیں
اب اور انداز سے ہوگی حفاظت دین کی محکم
فدا ہونے کو امت پر علی اصغر نکلتے ہیں

مورخ جائزہ لیتے ہیں جب تاریخ عالم کا — صف دیں میں منافق بدتر از کافر نکلتے ہیں
ذرا اے امنؔ دیکھیں کارگر ہوتا ہے کون ان میں
کہیں آہیں نکلتی ہیں کہیں خنجر نکلتے ہیں

یہ شہ دوسرا کا ماتم ہے — اک مجسم وفا کا ماتم ہے
جس کے دم سے نوائے حق زندہ — آج اس بے نوا کا ماتم ہے
اہل صدق و صفا کا ہے مجمع — جان صدق وفا کا ماتم ہے
پنجتن کو کہیں جو پنج ارکان — رکن دینِ خدا کا ماتم ہے
کیوں نہ ہو شدت تپش سے امنؔ
کشتہ کربلا کا ماتم ہے

غم حسین میں جو آنکھ تر نہیں ہوتی — اسے نصیب حقیقی نظر نہیں ہوتی
جھکا سکے نہ کبھی سر جو ماسوا کے لیے — ہے سر بلند اسے فکر سر نہیں ہوتی
ہوئے نہ ہوتے جو شبیرؑ کربلا میں شہید — نظر زمانے کی اسلام پر نہیں ہوتی
کبھی کبھی نظر آتی ہے فتح باطل کی — خدا گواہ کہ وہ معتبر نہیں ہوتی
غم حسینؑ نہ ہوتا جو امن کے دل میں
غم زمانہ سے اس کو مفر نہیں ہوتی

گرسرن لال ادیب لکھنوی جناب امنؔ کے بھائی ہنوز بقید حیات ہیں۔ وہ لکھنؤ کی عزا داری سے متاثر ہوکر اپنے ایک مضمون بعنوان ''برادر محترم امنؔ صاحب'' میں رقم طراز ہیں:

''لکھنؤ شیعہ کلچر کا مرکز تھا۔ شہر میں ماہ محرم میں تعزیہ داری، سوز خوانی اور مجالس جا بجا ہوتی تھیں۔ سبیلیں رکھائی جاتی تھیں۔ شیعہ حضرات کے علاوہ ہندو بھی تعزیہ داری کرتے تھے اور سبیلیں رکھاتے تھے۔ اگر کوئی وبا پھیلتی تھی تو علم نکالے جاتے تھے اور بآواز بلند نعرے لگائے جاتے تھے۔ ''یا علی مرتضیٰ دور ہو سب کی بلا'' غرض لکھنؤ میں ہر طرف شیعہ تمدن کے اثرات نمایاں تھے۔ لوگوں پر ایسا گہرا اثر تھا کہ بعض ہندو حضرات نے اپنے نام بھی اماموں کے نام پر رکھ لیے تھے۔ چنانچہ ایک صاحب راجہ امام بخش کایستھ تھے جن کے پوتے پر پوتے آج بھی موجود ہیں۔ خود ہمارے دادا صاحب جناب لکشمی پرساد لکھنوی شیعہ آداب کے

دلدادہ تھے۔ ان کے لباس سے بھی شیعی لکھنو کلچر آشکار تھا۔ یعنی دو پلی ٹوپی، پردے دار اچکن، چوڑے پائنچوں کا پاجامہ، بکسوے دار جوتا۔ ہمارے گھر میں چہلم تک خوشی کی کوئی رسم ادا نہیں کی جاتی تھی۔ اگر ماہ محرم گرمی میں ہوتا تھا تو سبیل رکھائی جاتی تھی جس کا منتظم مسلمان ہوتا تھا۔ محلہ مولوی گنج (جو ہمارے محلے غوث نگر سے قریب تھا) میں نواب سلیمان قدر کی کوٹھی سے رات میں پہرے داروں کی صدا یا علی حیدر (جاگتے رہو کے بجائے) ہمارے گھر پر صاف سنائی دیتی تھی۔ ہم لوگ پڑوس میں مرزا جی کے یہاں تعزیہ داری میں شریک ہونے جاتے تھے۔

لکھنؤ میں اس زمانے میں مقاصدے، مسالمے، مرثیہ خوانی کی مجلسیں منعقد ہوتی تھیں۔ شعراء میں عالی جناب پیارے صاحب رشید، مودب، صفی عزیز عروج، محشر اور دیگر نامور اساتذہ مراثی، سلام اور نوحے لکھتے تھے۔ ان کے علاوہ دیگر کتنے ہی اور خوش بیاں شعراء، حمد، نعت اور منقبت، سلام، نوحے وغیرہ دینی کلام میں طبع آزمائی کرتے تھے۔ والد محترم جناب مہادیو پرساد عاصی بھی بارگاہ ائمہ میں منظوم خراج عقیدت پیش کرتے جاتے تھے۔ برادر محترم جناب امن صاحب اور راقم الحروف کبھی دادا صاحب اور کبھی والد محترم کے ساتھ ان مجالس شعری اور نثری میں شریک ہوتے تھے۔ امن صاحب کا دل ایسا درد آشنا تھا کہ کسی کی تکلیف ان سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ مجالس میں ذکر مظلوم ہوتا تھا تو ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے۔ حضرت علی اور حضرت امام حسینؑ کے کردار کے وہ شیدائی تھے اور انھیں اپنی زندگی میں ڈھالنے کی کوشش کرتے تھے۔ انھوں نے پیغمبر اسلام اور آئمہ معصومین کے پیغام کو لوگوں تک تحریر و تقریر سے پہنچایا۔ شعری و نثری عقیدت پیش کی۔ ملک کے بہت سے مقامات پر آپ نے پر اثر تقریریں کیں۔ وہ ان حضرات میں تھے جن کے دل و دماغ میں فاصلہ نہ تھا۔ ہر مذہب کے بزرگوں کی عزت کرتے تھے۔ حضرت علیؑ اور آل علیؑ کے کردار سے نہایت متاثر تھے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

علیؑ نے راہ خدا میں کیا جو خود کو نثار — ہر ایک صاحب دل کیوں نہ ہو نثار علیؑ
جو دل میں امن کے ہے کچھ جذب قربانی — تو یوں سمجھیے کہ ہے رسم مستعار علیؑ
سیاسیات میں جو امن اصول کچھ نبھا سکا — علیؑ مرتضیٰ کا فیض خاص آشکار ہے

حقیر ہے فقیر ہے مگر علیؑ کا مدح گر　　یہی تو ناز امنؔ ہے یہ دل کی ہے تونگری
غلام ذات مرتضٰی جو امنؔ کو کہا گیا　　بڑھے گا اس کا وقار اور کسی خطاب سے
عمل ہو صبر و شکر بھی یہی ہے مدعائے دیں　　اعادہ اس کا حیدری عمل سے بار بار ہے
جو امنؔ ذات کا ہندو ہے اس کو حیرت کیا　　اگر علیؑ کو نصیری خدا سمجھتے ہیں

# مرثیہ

حامل تجلیوں کا نہیں ہے مرا کلام　　کیا میرا علم و فن ہے بھلا اور کیا کلام
کچھ شان اور رکھتا تھا اسلاف کا کلام　　تاریخ میں مقام بلند ان کا لا کلام
اسلاف کا وہ حسن بیاں کیسے پاسکوں
دعویٰ ہی کیو ں کروں جو نہ جوہر دکھا سکوں

اگلے جو اہل فن تھے، کمال ان کالا زوال　　میں ان کی ہمسری کروں میری یہ کیا مجال
وہ چست چست بندشیں لفظوں کا وہ جمال　　اک بند ان کے پایہ کا لکھنا بھی ہے محال
میدان نظم کوئی نہ وہ چھوڑ کر گئے
مضمون وہ لکھے کہ قلم توڑ کر گئے

ان کا بجا تھا ناز کہ ہیں صاحب قلم　　مضمون تازہ کرتے ہیں ہر نظم میں رقم
جوہر فصاحت اور بلاغت کے تھے بہم　　زور بیاں جو ان میں تھا لائے، یہ کس میں دم
زور قلم سے اپنے وہ منظر دکھا گئے
ہندوستاں کے پھول عرب میں کھلا گئے

اس زور و شور سے کیا تلوار کا بیاں　　پڑھتے ہی پڑھتے لب سے نکل جائے الاماں
ایک ایک وار میں ہوئے بے سر کئی جواں　　ایسی چمک دکھائی وہ بجلی میں بھی کہاں
پہنچی کبھی زمیں پہ کبھی آسماں میں تھی
برش کی اس کی داد صف قدسیاں میں تھی

اس لطف سے بیاں کیے اوصاف اسپ تیز　　جس کے مقابلے میں صبا کو بھی ہو گریز
سطح زمیں سے تا بہ فلک اس کی جست خیز　　اس کا خرام ناز صبا جیسے مشک بیز

یکساں رسائی اس کی بلند اور پست میں
وہم و خیال سے بھی فزوں اپنی جست میں
گرمی کا ایسا ذکر کہ پڑھ کر لگ آئے پیاس  شدت وہ دھوپ کی جسے پڑھ کر ہوں گم حواس
ہو جل کے باسیوں کو بھی جل جانے کا ہراس  جھونکے وہ لو کے جن سے جہنم بھی ہو اداس
کیا ذہن کی رسائی ہے اور کیسی فکر ہے
یعنی نظر کی آبلہ پائی کا ذکر ہے
پہلے دکن میں لکھے گئے چند مرثیے  سودا نے چند بند سپرد قلم کیے
گو پیش بند میر نے بھی چند لکھ دیے  میداں مگر یہ وقف تھا اوروں ہی کے لیے
سب صاحب کمال اودھ کی زمیں کے تھے
یعنی دبیر، انیس، تعشق یہیں کے تھے
پھر ان کی نسل میں ہوئے وہ صاحب کمال  تھا اپنی اپنی طرز میں ہر ایک بے مثال
اوج و نفیس دونوں کی شہرت ہے لازوال  تھی عشق کے کلام میں بھی ندرتِ خیال
عارف بھی اپنے علم کے جوہر دکھا گئے
مرجھاتے ہی نہیں وہ شگوفے کھلا گئے
تھے حضرت رشید بھی ایسے ہی اہل فن  اس سرزمین میں خوب کھلائے نئے چمن
وہ حضرت مودب و شاعر کا بانکپن  نانک بھی اپنے قسم کا اک صاحب سخن
کتنے ہی اور مرثیہ گو با ہنر ہوئے
جن کا کلام سن کے بہت دیدے تر ہوئے
موجودہ دور میں بھی ہیں واقف سے نکتہ رس  وہ پڑھتے جائیں رات بھر اور سنتے جاؤ بس
انداز وہ نصیب ہو بیکار یہ ہوس  ان کو عظیم کہنے میں کیا مجھ کو پیش و پس
وہ ارض لکھنؤ جو مری زاد بھوم ہے
اس میں خبیر اور مہذب کی دھوم ہے
پھر لکھ رہا ہوں کس لیے کیا باعث سخن  اس سے غرض نہیں کوئی اظہار علم و فن
ہے یوں کہ لکھنؤ میں ملے مصطفےٰ حسن  بولے کہ لکھو کوئی رسالہ رفیق من
جس میں بیاں ہو وجہ شہادت حسینؑ کی
کیوں اہل دل کے دل میں ہے الفت حسینؑ کی

دلی میں آ کے لکھنے جو بیٹھا میں ایک رات    آیا یہ دل میں نظم میں لکھو وہ واقعات
ہوں سیدھے سادے لفظوں میں کچھ دل کے واردات    نکلے زبان خامہ سے اشعار پانچ سات
تکمیل سلسلہ جو ہوئی پیش بزم ہے
پس منظر اس میں رزم کا ہے ذکر رزم ہے

تجنیس کا ہے لطف نہ ترسیل کا ہے لطف    توجیہ کا ہے لطف نہ تاویل کا ہے لطف
تشبیہ کا ہے لطف نہ تمثیل کا ہے لطف    لطف مبالغہ ہے نہ تخئیل کا ہے لطف
زور قلم نہ لطف بیاں کی ہی بات ہے
مداح اہل بیت ہوں اتنی سی بات ہے

اکثر غلط ہیں قافیے اپنی ہے یہ بساط    محدود ہے بہت ہی تخیل کی کائنات
ہے ذہن تنگ ، ہیچ ہے حد تصورات    ناں چند ایک بند میں کہہ دی دل کی بات
پہلو مگر یہ ایک ہے میرے کلام کا
ہے تذکرہ حسینؑ علیہ السلام کا

جو لوگ حق شناس ہیں جو لوگ حق نگر    موضوع کو بناتے ہیں وہ مرکز نظر
نقاد کی نگاہ ہے طرز کلام پر    ہر حسن ہے سخن میں سخن ہو جو با اثر
بد شکل ظرف میں بھی جو آب حیات ہو
اس کی کریں نہ قدر تو یہ کیسی بات ہو

بے مائیگی کا اپنا مگر آ گیا خیال    اہل سلف کے خوب نمایاں ہوئے کمال
میں ان کی ہمسری کروں میری یہ کیا مجال    لکھتا ہوں لیکن اس لیے شاہ زمن کا حال
تبلیغ ہو زمانے میں اک نیک بات کی
پیدا ہو اپنے واسطے صورت نجات کی

پہلے زبان خامہ پہ ہے ذکر ذات حق    جس کے رچے رچائے ہیں یہ چاردہ طبق
نور سحر ،سیاہی شب، سرخی شفق    ہر برگ سبز جس کی ہے قدرت کا اک ورق
انساں کو راہ راست دکھانے کے واسطے
بھیجے رسولؐ جس نے زمانے کے واسطے

اور پھر ثنائے احمد مرسل بیاں کروں ذکر علیؑ سے پاک پھر اپنی زباں کروں
ذکر حسنؑ میں آنکھ سے آنسو رواں کروں ذکر حسینؑ سے مژہ کو خونچکاں کروں
پھر اپنے نقص علم کا صاف اعتراف ہو
جس سے مرے کلام کی خامی معاف ہو

ہر ایک دیں میں آتا ہے اس بات کا بیاں جب کذب اور گناہ سے ہوتا ہے پُر جہاں
جو نیک بندے ہوتے ہیں کہتے ہیں الاماں خلاق دوجہاں تبھی ہوتا ہے مہرباں
دنیا میں بھیجتا ہے اک ایسے رسول کو
جو دے پیام امن جہان ملول کو

ملک عرب میں ایسا ہی نازک وہ دور تھا جب اک قبیلہ دوسرے کو کرتا تھا خفا
چھوٹی سے چھوٹی بات پہ ہوتا تھا معرکہ کرتے تھے زندہ لڑکیوں کو دفن اشقیا
اکثر دلوں میں کین و حسد تھا غرور تھا
مٹکوں میں تھی شراب دلوں میں فجور تھا

وحشت کا دور تھا وہ جہالت کا دور تھا دور غرور و کبر رعونت کا دور تھا
باہم عرب قبیلوں میں نفرت کا دور تھا اہل ثواب کو وہ مصیبت کا دور تھا
کچھ نیک بندوں نے جو کی اللہ سے دعا
آخر نبیؐ کا ملک عرب میں جنم ہوا

طفلی میں ان کے جوہر ذاتی عیاں ہوئے جو نیک تھے صفت میں وہ سب تر زباں ہوئے
اللہ کے کرم سے نبی جب جواں ہوئے پہنچے جہاں بھی آپ کے سب مدح خواں ہوئے
لیکن کچھ ایسے لوگ غلط جن کے طور تھے
ظاہر میں اور کچھ تھے، وہ باطن میں اور تھے

احمد کو جب خدا سے نبوت ہوئی عطا بیعت کی جس نے پہلے پہل وہ تھے مرتضیٰ
پھر تو متابعت کا بہت سلسلہ بڑھا لیکن تھے اس ہجوم میں ایسے بھی اشقیا
اسلام تھا زبان پہ اور کفر دل میں تھا
دل کیا خمیر کفر کا ہی آب و گل میں تھا

داخل ہوئے مدینے میں جب فخر کائنات تبلیغ دین پاک سے ٹوٹے توہمات
سننے لگے تمام قبیلے نبی کی بات سارے عرب میں ہوگئی مشہور ان کی ذات
ایران و مصر و روم میں بھی غلغلہ ہوا
یعنی ہر اک دیار میں چرچا بڑا ہوا

جب دین مصطفےٰ کا فزوں ہوگیا وقار جھکنے لگے تھے مصر و عجم کے بھی تاجدار
اسلام میں شمول ہوا وجہ افتخار تب مسلموں میں ہونے لگے وہ بھی شمار
جن کو خدا سے کام نہ احمدؐ سے کام تھا
ہر ایک ان میں دولت و زر کا غلام تھا

احمدؐ کی ذات پاک کے ہمراہ ایسے فرد اس پر ذرا عجب نہ کرے کوئی نیک مرد
ہوتے ہیں راہ زن کسی منزل پہ رہ نورد چندن کو سانپ لپٹے ہیں یہ گرم ہیں وہ سرد
نیکوں میں آکے ملتے ہیں کچھ بدشعار بھی
ہے نور کچھ دلوں میں تو کچھ میں غبار بھی

خالق نے خیر و شر کو کیا ساتھ آشکار کچھ ہیں سلیقہ مند تو کچھ لوگ بدشعار
دلکش ہے صحن باغ مگر اس میں بھی ہیں خار زاہد کے آس پاس ہی بستے ہیں نابکار
بے سایہ تھے نبیؐ تو منافق سیاہ دل
وہ کلب دہر جن کے تھے مائل بہ جاہ دل

رحمت خدا کی تھی شہ لولاک کی نمود سو بار ہو سلام اسے سیکڑوں درود
مولیٰ کی راہ میں کہاں فکر زیان و سود بحر سخا و بحر کرم بحر لطف و جود
ذات رسول پاکؐ سے جو بھی دغا کریں
مسلم نہیں وہ خود کو مسلماں کہا کریں

مسلم سمجھئے ہم کو یہ خواہاں تو ہم بھی ہیں اوروں کی طرح صاحب ایماں تو ہم بھی ہیں
ہاں قائل صداقت قرآں تو ہم بھی ہیں دین محمدی کے نگہباں تو ہم بھی ہیں
محدود تھے مگر یہ دعاوی زبان تک
ایماں کا تھا نہ ان کے دلوں میں نشان تک

مسلم ہوئے تھے یہ بہ تقاضائے مصلحت
اغراض دنیوی سے نبی کی متابعت
فردا کا تھا خیال نہ کچھ فکر عاقبت
دل میں تھا کفر اور تھی منظور عافیت
بزدل بھی آگئے تھے دلیروں کے بھیس میں
تھے کچھ رنگے سیار بھی شیروں کے بھیس میں

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو رجعت پسند تھے
کلمہ زباں پہ، لات و ہبل میں وہ بند تھے
وہ اپنی عافیت کے بڑے فکر مند تھے
اس مصلحت کے نعرے لبوں پر بلند تھے
ہاتھ آئے کچھ تو پیرو قرآں رہیں گے ہم
فاتح ہوئے نبی تو مسلماں رہیں گے ہم

ایسا ہی ہوتا آیا ہے تاریخ ہے گواہ
قوت جو کوئی دہر میں بڑھتی ہے بے پناہ
آتی نہیں نظر جنھیں بچنے کی کوئی راہ
ہوجاتے ہیں شریک لیے دل میں اشتباہ
جب امتحاں کا وقت ہو منہ موڑ جاتے ہیں
جن کے بنے مرید انھیں چھوڑ جاتے ہیں

ملت ہو کوئی دین ہو یا ہو کوئی سماج
کوئی نظام ہو کوئی تحریک کوئی راج
سب کو منافقوں سے بچانے کی احتیاج
ایسا یہ طبقہ ہے کہ نہیں جس کو کوئی لاج
دشمن ہو رو برو تو ہو اس کا مقابلہ
ہو مار آستیں تو بھلا کیا مقابلہ

موسیٰ کے ارد گرد بھی تھے کچھ سیاہ کار
عیسیٰ کے آس پاس بھی تھے چند بدشعار
تھے اقربا میں کرشن کے بھی کچھ گناہ گار
سکھوں کے پیشوا بھی ہوئے ایسوں سے دوچار
تاریخ نے بہت یہ مناظر دکھائے ہیں
اچھوں کے ساتھ ساتھ بُرے ہوتے آئے ہیں

جو مشکلیں رسولؐ کو آتی رہی تھیں پیش
ان میں اضافہ کرتے رہے تھے یہ جورکیش
نصرت رہی تو داد کے خواہاں رہے یہ بیش
القصہ ارد گرد نبی کے تھے نوش و نیش
حصہ بٹانے کے لیے وہ آگے آتے تھے
جب معرکہ ہو گرم تو وہ بھاگ جاتے تھے

ایسا ہوا نبیؐ کے زمانے میں بار بار　　اصحاب گرد و پیش ہوئے مائل فرار
مرنے کے خوف سے نہ رہے ہوش استوار　　ان کے عمل سے صاحب ایماں تھے شرمسار

دل پر اثر نہ کرسکا پیغام دین کا
دنیا کی آرزو تھی مگر نام دین کا

فرمایا تھا حسینؑ نے ایک نکتہ عظیم　　کرتے ہیں اس کی قدر جو ہیں زیرک وفہیم
ترجیح دیں جو دین پہ دنیا کو ہیں رحیم　　ہرگز نہ دیکھ پائیں گے وہ راہ مستقیم

بہر ہوا و حرص نقابیں ہیں دین کی
باتیں ہیں آسماں کی ہوس ہے زمین کی

دل میں کسی کے دولت دنیا کی چاہ ہے　　پیش نظر کسی کے فقط عز و جاہ ہے
سب پر عیاں یہ بات کہ لالچ گناہ ہے　　لیکن بڑی سہاونی دوزخ کی راہ ہے

جو خود کو جیت لیتے ہیں وہ خاص بندے ہیں
ورنہ ہر ایک کے لیے دنیا کے پھندے ہیں

مومن کو کیا غرض ہوس و حب جاہ سے　　دنیا کو دیکھتا ہے وہ دیں کی نگاہ سے
ملتی ہیں زر کی سرحدیں ہر اک گناہ سے　　دولت ہٹا ہی دیتی ہے اللہ کی راہ سے

کنگال ہو کوئی یہ مرا مدعا نہیں
لیکن ہوس کی راہ تو راہ خدا نہیں

ہر ایک جانتا ہے کہ مرنا ضرور ہے　　کیا جانے کس کی موت قریں کس کی دور ہے
اچھے برے کا یوں تو ہر اک میں شعور ہے　　پھر کیوں یہ حرص و کینہ و کبر و نفور ہے

انسان جانتے ہوئے انجان بن گیا
انجان بھی کچھ ایسا کہ شیطان بن گیا

خود کو فریب دینے کا یہ بھی ہے اک چلن　　کر کے گناہ پردۂ دیں میں وہ ہیں مگن
اللہ کا نام لے کے جو ہوتے ہیں نعرہ زن　　ان میں سے کتنوں ہی کے دلوں میں ہے ماؤمن

بے کیف ایسے لوگوں کی تلقین ہوتی ہے
اس مکر سے تو دین کی توہین ہوتی ہے

کچھ ایسے ایسے لوگ نبی کے بھی تھے قریں یوں تو یہ بات سب کو نہیں آنے کی یقیں
اک ذات پاک اور قریب اس کے اہل کیں تاریکیوں کا نور سے ہے واسطہ کہیں
مصرع ہے ایک سادہ سا اس کے جواب میں
اے امن پائے جاتے ہیں کانٹے گلاب میں

کوئی نظام دہر پہ ڈالے اگر نظر دنیا میں ساتھ ساتھ ہی رہتے ہیں خیر و شر
ہیں نوش و نیش ساتھ یہ کہتے ہیں دیدہ ور رہتے ہیں ناقصوں میں گھرے صاحب ہنر
اکثر کو انبیائے سلف نے کیا درست
جو بد گہر تھے رہ گئے آخر کو نا درست

اسلام میں کچھ ایسے منافق تھے بدضمیر ایمان کے مٹانے میں آپ اپنی تھے نظیر
ظاہر میں اہل دیں تھے مگر کفر کے اسیر فتنے ہزار دل میں چھپائے تھے وہ شریر
خیبر شکن کی ذات سے ان سب کو بیر تھا
یاں پنجتن کی ذات سے ان سب کو بیر تھا

ظاہر ہے یہ علی سے نبی کو تھا کتنا پیار کہتے تھے باب علم انھیں باصد افتخار
مجھ سے علی علی سے میں کہتے تھے بار بار خیبر کے واقعہ سے بڑھا اور بھی وقار
رتبہ بڑھا علی کا تو حاسد کھٹک گئے
کینہ تھا دل میں راہ خدا سے بھٹک گئے

تعریف ہو علی کی یہ مجھ میں کہاں ہے دم میری زبان گنگ ہے ساکت مرا قلم
وہ ذات پاک جس کو کہیں زادۂ حرم تاریخ جس کو کرتی ہے خیبر شکن رقم
اس مصرعہ ادیب میں پایا وفور نور
دیوار کعبہ شق ہوئی وقت ظہور نور

آغوش میں نبی کے ہوئی جس کی چشم وا جس کو کہا رسول نے قرآن بولتا
نان شعیر جس کی تھی مرغوب تر غذا پُر بیت مال، تن پہ تھا بوسیدہ پارچا
دوش نبی پہ جس کو میسر مقام ہو
کیوں کر نہ اس کو اہل جہاں کا سلام ہو

یوں تو جہاں میں گزرے ہیں لاکھوں ہی پہلواں تاریخ ہے سمیٹے ہوئے جن کی داستاں
عالم بھی ایسے ایسے ہوئے ہیں یہاں عیاں علم وادب کا جن کے ہوا معتقد جہاں
تھا ارتقائے علم و عمل ایک ذات میں
یہ بات تھی تو حیدر عالی صفات میں

کیوں کر نبی کی ذات کو پیارے نہ ہوں علی کہتے ہیں جن کو امت اسلام کا ولی
چال ان کے آگے کفر کی کوئی نہیں چلی مشکل جو پیش آئی وہ اس ذات سے ٹلی
جو ہیں دلیر کہتے ہیں شیر خدا انھیں
مشکل کے وقت کہتے ہیں مشکل کشا انھیں

حیدر نبی کے ساتھ تھے وقت حیات بھی بالیں پہ مصطفٰے کے تھے وقت ممات بھی
بستر پہ مصطفٰے کے گزاری تھی رات بھی اور دوش مصطفٰے پہ تھا پائے ثبات بھی
حامی علی تھے دین کے ہر اک اصول کے
ہر حال میں شریک رہے تھے رسول کے

اکثر منافقین کو یہ سب تھا ناپسند وہ چاہتے تھے ذات علی کو ملے گزند
کیں سازشیں حیات نبی میں انھوں نے چند کھل کھیلے وہ رسول کی آنکھیں ہوئیں جو بند
ذات علی کھٹکتی تھی ان کی نگاہ میں
بوتے تھے کانٹے وہ اسد اللہ کی راہ میں

ذات علی کا صبر و تحمل خدا کی شان امت کی بہتری کے لیے وقف ان کی جان
عامل تھا واصبروا پہ وہ قرآں کا راز داں ظلم اور بد دعا پہ نہ کھولی کبھی زباں
یوں تو وہ کافروں سے بہت معرکے لڑے
یہ فکر تھی کہ پھوٹ نہ اسلام میں پڑے

آیا اک ایسا دور یہ کی سب نے التجا بار خلافت آپ سنبھالیں پئے خدا
بولا علی کہ اس کا میں خواہاں نہیں ذرا لیکن قبول کرلیا اصرار جب ہوا
کچھ فتنہ گر مکر پہ ایذا کھڑے ہوئے
اس خرقہ پوش کے لیے رخنے بڑے ہوئے

کیا سخت پانچ سال تھے تاریخ ہے گواہ　　سازش منافقوں کی وہ اللہ کی پناہ
نومسلموں کے گوشہ دل میں تھی حب جاہ　　وہ چاہتے تھے ہم بنیں امت کے بادشاہ
بوتے رہے وہ کانٹے رہ بوتراب میں
صبر علی تھا فتنہ و شر کے جواب میں

الزام وہ علیؑ پہ لگائے کہ الاماں　　ان کا جو ذکر آئے تو تھراتی ہے زباں
تھے مسلموں میں ایسے منافق بلائے جاں　　مقصود جن کا تھا ہوا اسلام کا زیاں
ایسا بھلایا دین نبی کے اصول کو
کر بیٹھے بدگمان وہ زوج رسول کو

فتنہ فرد وہ حیدر کرار نے کیا　　سامان صلح دین کے سردار نے کیا
دمساز مسلموں کو جو کفار نے کیا　　جو کام تھا زبان کا تلوار نے کیا
تعظیم اس فضا میں بھی کرتے رہے علی
تفہیم اس فضا میں بھی کرتے رہے علی

حیدر نے رکھی فکر بہت بیت مال کی　　ہر ایک محکمہ کی بہت دیکھ بھال کی
مسکینوں مفلسوں کی مدد بے مثال کی　　شرع محمدی ہمہ صورت بحال کی
لیکن جو جلنے والے تھے وہ جلتے ہی رہے
گمراہیوں کی راہ پہ وہ چلتے ہی رہے

آخر وہ دن بھی آیا کہ تھا جس کا ڈر شدید　　وقت نماز امام نختیں ہوا شہید
اس واقعہ سے خوش تھا بہت کنبہ یزید　　ماتم تھا مومنوں میں تو تھی دشمنوں کی عید
حالات کہہ رہے تھے کہ اندیشہ اور ہے
مائل ستم پہ چرخ جفا پیشہ اور ہے

عہد رسول میں ہوئیں جتنی لڑائیاں　　انداز جارحانہ بھلا ان میں تھا کہاں
راہ رسول پر چلے حیدر بھی بے گماں　　اطوار اہل شام بیاں کیا کرے زباں
حرص و ہوا پہ مہر لگائی تھی دین کی
چاہا کہ ملکیت ملے ساری زمین کی

دور علی میں ہوگئی تھیں ٹولیاں یہ دو  اک وہ جو دیں فروش تھے لیکن تھے کلمہ گو
اک وہ جو کہتے تھے کہ فدا دیں پہ جاں کرو  اسلام اس طرف ہے کہ ہے اس طرف کہو
اس سمت دین حق کے فدائی ڈٹے ہوئے
اس سمت تھے منافق بد بیں چھپے ہوئے

بعد علی وہ تفرقے اسلام میں پڑے  جس سے کہ دین والوں کو نقصان ہوئے بڑے
ایسے اصول کفر کے اسلام میں گھڑے  مسلم سے مسلم ارض عرب میں بہت لڑے
اعدائے دین حق کو بھی دعوئ تھے دین کے
تاروں کی ریس کرتے تھے ذرے زمین کے

طاعت سے کام تھا نہ ریاضت سے کام تھا  تھا کام زہد سے نہ عبادت سے کام تھا
نیکی سے کام تھا نہ سخاوت سے کام تھا  بس کام تھا تو شوکت وحشمت سے کام تھا
جنگ و جدل کی رسم کو یوں عام کر دیا
اسلام کو حریصوں نے بد نام کر دیا

ابن معاویہ کے تھے ایسے ہے دوست دار  مسلم برائے نام تھے باطن میں بد شعار
عقبیٰ پہ کچھ عقیدہ نہ تھا دل سے زینہار  ہاں مصلحت یہ تھی کہ مسلمان ہو شمار
یوں تو ہزاروں لاکھوں مسلماں تھے نام کے
لیکن تھے خال خال مسلمان کام کے

اسلام ملک شام میں صورت بدل گیا  دنیا کا وار دین کی قدروں پہ چل گیا
جب حکمران عیش کے سانچے میں ڈھل گیا  حیرت نہیں پلید جو بیٹا نکل گیا
ہے ظلم اور جاہ کی سرحد ملی ہوئی
ہے عشرت و گناہ کی سرحد ملی ہوئی

ہر دور میں رہے ہیں کچھ ایسے بھی آدمی  روشن تھی جن کی عقل، عمل کی رہی کمی
محدود صرف پلکوں میں تھی آنکھ کی نمی  ایمان تھا مگر نہ تھی ایماں کی جڑ جمی
بگڑے اگر تو حاکم رے ہو کے کھو گئے
سنبھلے تو حر کی طرح وہ کچھ اور ہو گئے

فتنے نئے نئے جو اٹھے ارض شام سے
کب تھا گریز مسلموں کے قتل عام سے
شب بھر تو دل بہلتے تھے بنیاد جام سے
وقت سحر نکلتے تھے خنجر نیام سے
خنجر وہی جو حلق مسلماں پہ چلتے تھے
جو حق پرست تھے کف افسوس ملتے تھے

منظور تھا حسن کو یہی ہو نہ قتل عام
کرتے تھے اہتمام کہ ہو صلح کا قیام
جو جو اذیتیں انھیں دیتے تھے اہل شام
صد شکر کہہ کے آپ وہ سہتے رہے تمام
صلح حدیبیہ کی طرح صلح کی اک اور
غیروں کو بہر راست روی ڈھیل دی اک اور

لیکن مخالفوں سے تھا عہد حدیبیہ
اور یہ منافقوں سے پڑا تھا معاہدہ
فرما گئے ہیں ٹھیک یہ ارباب فلسفہ
مشکل بہت منافقوں سے ہے مقابلہ
فتنہ فرو کیا تو یہیں قہر ہوگیا
یہ صبر بھی حسن کے لیے زہر ہوگیا

کانٹا کھٹک رہا تھا دلوں میں کہ ہائے ہائے
باغ نبی کا گل کہیں مقبول ہو نہ جائے
سارے منافقوں کی بالآخر ہوئی یہ رائے
لو جان اس طرح سے کوئی جان بھی نہ پائے
وہ سم دیا جو دشمن جان حسن ہوا
سوئے جناں روانہ امام زمن ہوا

اب دشمنان دیں کی نظر تھی حسین پر
خواہاں جان خیر ہوئے تھے تمام شر
کیا بات تھی نہ جس کی تھی شبیر کو خبر
وہ صبر سے گزارتے تھے روز و شب مگر
جوں جوں وہ بات کہتے تھے دین مجید کی
تشویش اور بڑھتی تھی اس سے یزید کی

ایسے بھی لوگ تھے جنھیں شبیر تھے عزیز
یہ مانتے تھے دل سے کہ ایماں ہے کوئی چیز
کیا ہے ثواب کیا ہے عذاب اس کی تھی تمیز
انسانیت کا فرض وہ پہچانتے تھے نیز
پھر بھی وہ حفظ دیں کے لیے جاں نہ دے سکے
اس واسطے یزید سے ٹکر نہ لے سکے

شبیر کو یزید نے بھجوایا یہ پیام بیعت کرو یہ کہتا ہے فرمانروائے شام
واقف تھے شاہ دیں کہ ہے نیت عدو کی شام فرما دیا کہ بندہ نہیں دہر کا غلام

ترجیح دی نہیں کبھی دنیا کو دین پر
ہم ہیں وصیٔ دین محمد زمین پر

جب یہ سنا یزید نے چکر سا کھا گیا حق بات سن کے اور اسے طیش آ گیا
جب حضرت حسین کے منشاء کو پا گیا سمجھا کہ اپنا وار یہ خالی چلا گیا

داعی حق کے پاؤں عرب میں جو جم گئے
پھر تو عرب سے شام سے دونوں سے ہم گئے

مطلب یہ تھا کہ نام تو اسلام کا رہے دین نبی مگر نہ کسی کام کا رہے
مسجد میں روز شغل مئے وجام کا رہے سکہ عرب کے دین پہ بھی شام کا رہے

مئے پی کے جھوم جھوم نمازیں ادا کریں
جو ناروا ہے دین میں اس کو روا کریں

بیعت کریں حسین تو آسان ہو یہ کام تحریف ہم کریں گے لگا دیں گے ان کا نام
جن باتوں کو رسولؐ نے ٹھہرایا ہے حرام جاری کریں گے ان کے لیے اپنا اذن عام

اور ساتھ ہی کہیں گے مسلمان ہم بھی ہیں
اسلام کے نمونے کے انسان ہم بھی ہیں

سازش ہوئی حسین کو کوفہ بلایئے ہم صلح چاہتے ہیں انھیں یہ بتایئے
دل میں جو مکر وفن ہے اسے آزمایئے آل نبی ہو ختم تو خوشیاں منایئے

کوفہ میں ابن حیدر کرار قتل ہو
حائل ہے راہ میں یہی دیندار قتل ہو

پھر بحث کچھ نہ ہوگی حلال و حرام پر جو چاہنا وہ کرنا محمد کے نام پر
کوئی نہ معترض رہے مینا و جام پر ظاہر نہ ہو یہ مکر کا پہلو عوام پر

جب تک حسین زندہ ہیں یہ سب محال ہے
قتل حسین اس لیے پہلا سوال ہے

یہ سوچنا یزید کا از روئے نفسیات  فرمایئے جو غور تو ہے قدرتی یہ بات
ہر چند ہے علاحدہ ہر اک بشر کی ذات  اجداد سے ضرور کچھ آجاتے ہیں صفات
مستی میں جو گزارے زمانہ شباب کا
کیا اس کے دل میں دغدغہ روز حساب کا

سچ بات یہ حسین نے فرمائی لا کلام  اہل جہاں کے واسطے جس میں ہے اک پیام
لازم ہے یہ کہ دل پہ کریں نقش خاص و عام  ایک ایک لفظ اس کا ہے اک معرفت کا جام
کیسا حسین ابن علی کا بیان ہے
فرمودۂ حسینؑ میں قرآں کی شان ہے

فرمایا بیش تر سگ دنیا ہیں آدمی  کرتے ہیں گو وہ دین کے دعویٰ کبھی کبھی
لیکن جو امتحان کی آئے کبھی گھڑی  اک وقت چھوڑ دیتے ہیں الفت وہ دین کی
ترجیح دینے لگتے ہیں دنیا کو دین پر
یہ دیکھتے ہیں ملتا ہے کیا کیا زمین پر

فرمانروائے رے کی ہے ایسی ہی اک مثال  دنیا جسے عزیز تھی عقبیٰ کا بھی خیال
قائل تھا اس کا دل کہ ہیں شبیر خوشخصال  خوف یزید تھا کہ نہ چھن جائے ملک و مال
ایمان ہاتھ سے دیا دنیا کے واسطے
خود کو ذلیل کرلیا دنیا کے واسطے

تھا بے قرار رات سے دل میں یہ تھا بچار  ذات حسین ذات نبی کی ہے یادگار
مسلم کو ان کا قتل روا ہے نہ زینہار  لیکن اسی کے ساتھ خیال آیا بار بار
شبیر کا جو ساتھ دیا جان جائے گی
جنت تو کس نے دیکھی ہے کب ہاتھ آئے گی

ایمان غیب ہی تو عبادت کی جان ہے  ایمان غیب ہی سے تو ایماں کی شان ہے
ایماں کے حاملوں کا یہی امتحان ہے  سب کچھ ہے اس یقیں میں اک اور جہان ہے
آخر سحر کو غلبہ جو شیطان کا ہوا
کچھ ٹمٹما کے گل دیا ایمان کا ہوا

شبیر جانتے تھے سبھی دشمنوں کی گھات　　پوشیدہ ان سے رہتی تھی دنیا کی کون بات
ان کی نظر میں رہتا تھا سب راز کائنات　　روز ازل سے وقف شہادت تھی ان کی ذات

کوفے کی سمت چل دیے سب جانتے ہوئے
اسلام زندہ رکھنا ہے یہ مانتے ہوئے

پہلے تھا حج کا قصد مگر آیا یہ خیال　　ایسا نہ ہو کہ چھیڑیں لڑائی یہ بدخصال
نزد حرم بپا ہوا گر باہمی جدال　　حکم نبی کی بے ادبی ہوگی یہ کمال

ابن علی کی قوم کی حرمت پہ تھی نظر
اور فخر انبیا کی ہدایت پہ تھی نظر

چلتے برائے جنگ جو شبیر نامدار　　ظاہر ہے یہ کہ ساتھ میں ہوتے کئی ہزار
مقصود تھا کہ دین پہ ہوجائیں ہم نثار　　اہل حرم کو ساتھ لیے فخر روزگار

کوفہ کی سمت بہر شہادت رواں ہوئے
احمد کا باغ سینچنے حضرت رواں ہوئے

القصہ سوئے کوفہ جو یہ قافلہ چلا　　اس کی صفت زبان قلم سے ہو کیا بھلا
پیارے نبی کے جاتے ہیں اب سوئے کربلا　　ہے خنجر عدو کے لیے وقف یہ گلا

آں حج کعبہ بودہ و ایں حج اکبر است
آں حج فریضہ بودہ و ایں حج اکبر است

آیا تھا حر جو راہ میں کرنے مقابلہ　　دیکھا سفر میں آل محمد کا قافلہ
شبیر نے دیا تھا عداوت کا یہ صلہ　　پانی تمام لشکر حر کو پلا دیا

ایماں کی رہ کو حر سے مشکک نے پالیا
احسان نے حضور کے اس کو بچا لیا

ہے اک سوال دل میں جو اٹھتا ہے بار بار　　حر اور یزید دونوں ہی کا تھا غلط شعار
حر راہ حق پہ آہی گیا ہو کے کامگار　　لیکن یزید اول و آخر تھا نابکار

کیوں راہ حق پہ مثل حر آیا نہیں یزید
ایمان کیوں حسین پہ لایا نہیں یزید

اس کا سبب بتاتے ہیں یہ عالمان دیں ایمان دب گیا ہو گنہ سے جہاں کہیں
ڈھل جاتے ہیں گناہ تو کھل جاتا ہے یقیں لیکن علاج کیا ہو اگر قلب ہو لعیں
ہوں کیا درست وہ ہے جہاں کفر خون میں
عیسی سے بھی کمی نہ ہو ان کے جنون میں

جب قافلہ حسین کا آیا سر فرات پہرے لگائے نہر پہ دیکھے کمینہ ذات
مقصد یہ تھا کہ تنگ کریں عرصہ حیات مجبور ہوں حسین تو مانیں گے ان کی بات
شبیر پہ نہ غلبہ دنیائے دوں ہوا
پیاسے رہے تو شوق شہادت فزوں ہوا

مقتل کی سر زمین پہ پہنچے جو شاہ دیں خیمے وہیں گڑے کہ یہ منزل تھی آخریں
ان کوفیوں میں رسم وفا نام کو نہیں تھی معرکے کی ماہ محرم کی ساتویں
اپنا کوئی نہیں ہے یہاں ہے جو غیر ہے
مسلم ہیں اور آل محمد سے بیر ہے

یہ بھی دیا حسین نے اغیار کو پیام مانا کہ بیر ہے نہ کرو تیغ بے نیام
راہیں جو کھول دو تو اکھڑ جائیں سب خیام چھوڑیں عرب کو جاکے کریں ہند میں قیام
اے سر زمین گنگ و جمن وجہ ناز ہے
تیری طرف رخ شہ گیتی نواز ہے

ہر قسم کے ہیں پھول ہر اک قسم کے ہیں پھل ٹھنڈی ہوائیں چلتی ہیں میٹھا ہے تیرا جل
صحرا کہیں ہے دشت کہیں ہے کہیں جبل فصل خزاں بھی ہو تو بہاریں یہاں اٹل
مشہور اک زمانے سے ہے رام کی زمیں
یہ رام کی زمین ہے آرام کی زمیں

ہیں صبح و شام باغ میں چڑیوں کے چہچہے ایسی ہے مشک بیز صبا کوئی کیا کہے
کلیوں کی مسکراہٹیں پھولوں کے قہقہے موزوں تھا یہ رسول کا پیارا یہاں رہے
انکار اس سے کردیا لیکن یزید نے
ہند آنے کی بھی راہ نہ دی اس پلید نے

دو دن گزارے پیاس میں آئی نویں کی رات ہمراہیوں سے بولے حسین نبی صفات
پیش آئیں گے کبھی کو شہادت کے واقعات جائیں جنھیں عزیز ہو یہ دنیوی حیات
گل کر کے شمع خیمے کی یہ بولے شاہ دیں
رہ جائیں وہ یہاں جنھیں پیاری ہے راہ دیں

بولے یہ جاں نثار حسین فلک مقام ہم کو عزیز دین ہے جاں سے نہیں ہے کام
آقا ہیں آپ ہم ہیں کبھی آپ کے غلام رن میں کریں گے نوش شہادت کا ہم بھی جام
جو آپ پر فدا ہو بڑا ارجمند ہے
قدموں پہ آپ کے ہمیں مرنا پسند ہے

آئی سحر پیام قیامت لیے ہوئے گرمی روز حشر کی شدت لیے ہوئے
آل نبی نبی کی محبت لیے ہوئے جن کی تھی جنگ شان ریاضت لیے ہوئے
ایک ایک کر کے جان وہ دیتے چلے گئے
اپنا مقام خلد میں لیتے چلے گئے

قاسم ابھی بلوغ کی حد تک نہ آئے تھے جوہر کبھی نہ رزم میں اب تک دکھائے تھے
اب تک کبھی نہ تیغ و تبر آزمائے تھے ان کو حسین لڑنے کی خاطر نہ لائے تھے
دل میں تھا ان کے شوق شہادت مگر بہت
بالغ نہ تھے مگر تھا بلوغ نظر بہت

شہ نے کہاں کہ تم تو ابھی تک جواں نہیں ریش و بروت کے ابھی رخ پر نشاں نہیں
رن میں کبھی بھی تم نے چڑھائی کماں نہیں ہم تم کو جنگ کے لیے لائے یہاں نہیں
یہ دن کہاں مصائب و غم جھیلنے کے ہیں
نو عمر ہو ابھی تو یہ دن کھیلنے کے ہیں

قاسم کے دل پہ صدمہ ہوا جب سنی یہ بات حسرت سے اور رنج سے ملنے لگے وہ ہات
کیا کہہ رہے تھے صبح کو شہ کیا کہا تھا رات کیا کرتے اور طرح عیاں دل کے وارادت
تکیے سے منہ چھپالیا اتنے نڈھال تھے
رن میں شہید ہونے کے شائق کمال تھے

آخر دکھایا شہ کو جو تعویذ تھا بندھا　　تعویذ کھول کر شہ ذی جاہ نے پڑھا
مضمون تھا بہ طرز وصیت لکھا ہوا　　اب رن میں بھیجنے میں تامل نہیں رہا
جو تین روز پہلے تھے دولھا کے روپ میں
سالار بن کے نکلے ہیں گرمی کے دھوپ میں

قاسم وہ آئے دیکھتے میدان جنگ میں　　اپنا لہو ملانے کو مہندی کے رنگ میں
یہ کم نہیں کسی سے بھی اپنی امنگ میں　　ہیں سو پیام موت کے ان کے خدنگ میں
کم سن تھے پھر بھی رن میں وہ جوہر دکھا گئے
دشمن کی ساری فوج کے چھکے چھڑا گئے

اک صاحب جمال دکھاتا ہے اب کمال　　اک ہاتھ میں ہے تیغ تو اک ہاتھ میں ہے ڈھال
آجاؤ سامنے صف اعدا سے ہے سوال　　آنکھوں میں طرفہ نور ہے چہرے پہ ہے جلال
کس بانکپن سے جنگ کے میداں میں آئے ہیں
سکتہ ہے دشمنوں کو وہ جوہر دکھائے ہیں

قاسم ہکارے رن میں جو اک بار یا علی　　فوج عدو میں مچ گئی اک دم سے کھلبلی
قاسم کی تیغ رن میں کچھ اس انداز سے چلی　　ایک ایک کرکے دال نہ اعدا کی جب گلی
آخر میں نرغہ سب نے کیا مل کے ایک بار
قاسم شہید ہوگئے کرتے ہی کرتے وار

شادی و غم قریب ہیں کس درجہ یا اللہ　　کچھ اور حال شام ہے کچھ اور صبح گاہ
ایسا یہ سلسلہ ہے کہ ملتی نہیں ہے تھاہ　　دولھا جو تھا وہ خوں میں نہایا ہے آہ آہ
منظر یہ دل خراش ہے میدان جنگ میں
مہندی کا رنگ مل گیا ہے خون کے رنگ میں

یہ واقعہ ہے روز جسے دیکھتے ہیں ہم　　ہر ایک چاہتا ہے یہاں جاہ اور حشم
ہر دل میں ہے یہ چاہ زیادہ ہو یا ہو کم　　عہدوں پر اور وقار پہ دیتے ہیں اپنا دم
ہر دل میں ہے یہ شوق کہ عشرت سے ہم رہیں
اوروں پہ کچھ بھی بیتے مسرت سے ہم رہیں

میدان کربلا میں مگر اور ہی ہے رنگ ہمراہیان ابن علی کے ہیں اور ڈھنگ
ہر ایک دل میں شوق یہی ہے میان جنگ ہم عرصہ حیات کریں دشمنوں پہ تنگ
حالات کربلا میں اک ایسا سبق بھی ہے
ہمت کے ساتھ جس میں ادب کا سبق بھی ہے

اکبر کے دل میں ولولے پیدا تھے بے شمار بولے حسین سے کہ اگر ہو نہ ناگوار
اک بات دل میں ہے اسے کرتا ہوں آشکار امید ہے قبول کریں آپ نامدار
مرنے کو ہم سب آئے ہیں آقا کے ساتھ میں
ہے التجا کہ دیجیے علم میرے ہاتھ میں

بولے حسین حفظ مراتب ہے لازمی اکبر ہمیں یہ حق تو پہنچتا نہیں ابھی
عباس نامدار جو ہیں جنگ کے دھنی تم سے بڑے ہیں لے کے چلیں گے علم وہی
ہے جس طرح سلیقہ مراتب کا بزم میں
یوں ہی لحاظ چھوٹے بڑے کا ہے رزم میں

اکبر یہ بولے آپ کا فرمانا ہے بجا مجھ کو معاف کیجیے سرزد ہوئی خطا
مجھ سے بڑے ہیں رتبہ سوا رکھتے ہیں چچا جب میرا وقت آئے گا جوہر دکھاؤں گا
باغ جناں میں ہم سے وہ پہلے ہی جائیں گے
اکبر بھی آرہا ہے نبی کو بتائیں گے

عباس نامدار جو پہنچے سرفرات دم دشمنوں کے رک گئے دکھلائے ایسے ہات
ہاتھوں میں مشک دیکھ کے اعدا نے کی یہ گھات برسائے اتنے تیر کہ چھلنی ہوئی وہ گات
بازو کٹے تو دانتوں سے مشکیزہ تھام کے
جانے لگے قریں شہ عالی مقام کے

اتنے میں تیر اور چلے جب کئی ہزار پھر نکلی سر سے سینے سے، شانے سے خوں کی دھار
بے ہوش ہوکے گر گئے عباس نامدار آئے حسین دیکھا یہ بھائی کا حال زار
عباس ان کو دیکھ کے باہوش ہوگئے
اور پھر سدا کے واسطے خاموش ہوگئے

اکبر علم سنبھال کے میدان میں جو آئے　　دشمن بھی داد دینے لگے ہاتھ وہ دکھائے
ہے کتنی فوج سامنے خاطر میں کچھ نہ لائے　　کر کے ہلاک سیکڑوں کو چل دیے وہ ہائے
دیکھا حسین نے کہ وہ میرا پسر گرا
قابو میں کیسے دل رہے لخت جگر گرا

اصغر کو لے کے گود میں آئے جو شاہ دیں　　پوچھا یہ ظالموں سے تمھیں کیوں ہے بغض و کیں
پیاسا تو شیر خوار کو رکھتے نہیں کہیں　　مسلم بنے ہو رحم و کرم پر نہیں یقیں
جذبہ خلاف آل نبی بے حساب تھا
اصغر پہ تیر چل گئے یہ اک جواب تھا

خیمے میں تھا یہ شور کہ اکبر کہاں گیا　　ننھا سا پھول میرا وہ اصغر کہاں گیا
عباس سادہ مرد دلاور کہاں گیا　　نوشاہ بن کے زادۂ شبر کہاں گیا
بہنوں سے بھائی ماؤں سے بیٹے بچھڑ گئے
کتنی سہاگنوں کے بھرے گھر اجڑ گئے

آئے حسین جب سرمیدان کارزار　　فرمایا میں ہوں دین محمد کا پاس دار
سب کچھ کیا حفاظت دیں کے لیے نثار　　اب خود بھی حق کی راہ میں ہوتا ہوں جاں سپار
بھائی بھتیجے بیٹے گئے اس جہان سے
میں بھی گزر رہا ہوں اسی امتحان سے

سینہ فگار غم سے تھا اور تین دن کی پیاس　　انجام سب نظر میں تھا جینے سے دل اداس
اس حال میں بھی شرع کے احکام کا تھا پاس　　گھوڑے پہ چڑھ کے آ گئے میداں میں بے ہراس
گو جسم ناتوان تھا قوت کچھ اور تھی
حیدر سے جو ملی تھی وہ طاقت کچھ اور تھی

حیدر کی یادگار تھی ہاتھوں میں ذوالفقار　　صف کی صفائی کرنے لگا ایک ایک وار
آئی صدا یہ غیب سے اے فخر روزگار　　جوہر دکھائے آپ نے میداں میں بے شمار
ایفائے عہد شافع امت کا وقت ہے
تلوار چھوڑیے کہ شہادت کا وقت ہے

سجدے میں تھے حسین تو گھر آئے سب شریر　　خنجر چلایا شمر نے آخر تھا بد خمیر

سجدہ تھا یہ کہ آپ کی تھی منزل اخیر　　دنیا سے آخر اٹھ گئے امت کے دستگیر

خیموں میں یہ صدا تھی کہ مولا کدھر گئے

ہے ہے کہاں رسولؐ کے لخت جگر گئے

زینب پکاریں، اے مرے بھائی کہاں ہو تم　　بولی سکینہ کیوں مرے ابّا نہاں ہو تم

فضہ یہ بولیں ''ہم کو بلا لو جہاں ہو تم؟　　عابد یہ بولے'' خلد میں شاہ شہاں ہو تم''

تم چل دیے کہاں ہمیں اس طرح چھوڑ کے

جاتا ہے کوئی کنبے سے یوں منہ کو موڑ کے

اتنے پہ دشمنوں کو نہ آیا مگر قرار　　خیمے جلائے بڑھ کے دلوں میں جو تھا غبار

درے لگائے پشت پہ زینب کے بے شمار　　اس ظلم کی مثال ملے گی نہ زینہار

یہ حال خاندان شہ بوتراب ہے

منظر بیان کر سکے یہ کس کی تاب ہے

میدان میں یہ حال تھا لاشیں تھیں منتشر　　بازو کٹے کسی کے، کسی کا کٹا تھا سر

قرآن کے ورق تھے یہ بکھرے ادھر ادھر　　ہر قوم کے بشر کی ہے اس غم میں آنکھ تر

لاشوں کی یوں ضرورت دفن و کفن گئی

کانپی زمین، دھول اڑی قبر بن گئی

اے شاہ دیں مجھے بھی عطا کر اک ایسا دل　　غم دیکھ کر جو اوروں کے ہوجائے مضمحل

درد رفاہ عام رہے دل میں مستقل　　مولا بہت ہوں اپنے گناہوں پہ منفعل

انسانیت کے جذبے کو دل میں ابھار دے

مداح اہل بیت ہوں بگڑی سنوار دے

○○○

# مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ

مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ ایک صاحب مذاق غیر معمولی شخصیت کے مالک تھے۔ ان کے دامن دولت سے بہت سے لوگ وابستہ تھے۔ مولانا حالی نے ان کو اپنا مسدس سنایا۔ مولانا شبلی نے شعر العجم کا تحفہ پیش کیا۔ علامہ اقبال نے ان کو اسرار خودی اور رموز بے خودی سمجھائے۔ اکبر الہ آبادی نے ان کو حکیمانہ شعر سنائے۔ آغا شاعر قزلباش دہلوی نے رباعیات عمر خیام کا منظور ترجمہ سنایا۔ پیارے صاحب رشید اور دولھا صاحب عروج نے ان سے اپنی مرثیہ گوئی کی داد پائی۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار ان کی ڈیوڑھی پر برسوں براجمان رہے۔ علامہ نظم طباطبائی ان کے ممنون تھے تو جلیل مانک پوری ان کے شکر گزار۔ اختر مینائی انھیں کے فیض سے چمکے۔ ترک علی شاہ ترکی اور مولانا گرامی نے یہیں نام پایا۔ ثاقب نے یہیں اپنی خوش کلامی اور شاعری کے داؤ پیچ کے جوہر دکھائے۔ دلورام کوثری نے انھیں کے سامنے یہ مصرع پڑھا تھا۔

گنگا سے جو پھسلا لب کوثر پہنچا

جوش کی رندانہ شاعری کی انھوں نے قیمت ادا کی۔ فانی کو ان کی قدردانیوں سے بقا نصیب ہوئی۔

مہاراجہ کشن پرشاد شاد ایک ایسے کھتری خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس نے عہد مغلیہ میں راجہ ٹوڈرمل اور عہد آصفیہ میں مہاراجہ چندو لال جیسی عظیم شخصیتیں پیدا کیں۔ چندو لال کی ادب پروری، انسان دوستی، داد و دہش اور شخصیت کی چھاپ اتنی گہری تھی کہ ایک زمانے میں حیدرآباد چندو لال کا حیدرآباد کہلاتا تھا۔ یہی چندو لال مہاراجہ کشن پرشاد کے جدّ اعلیٰ تھے۔

مہاراجہ کشن پرشاد، راجہ ہری کشن سررشتہ دار محکمہ نظم جمعیت کے فرزند تھے اور مہاراجہ نریندر پرشاد پیش کار و مدار المہام کے حقیقی نواسے تھے۔ ۲۸ر فروری ۱۸۶۴ء (۸ شعبان ۱۲۸۰ھ) کو پیدا ہوئے۔ نام پرشوتم داس رکھا گیا لیکن نانا نے کشن پرشاد کہہ کر پکارا اور یہی نام چل نکلا۔ کسی نے ''فرزند فرخندہ'' (۱۲۸۰ھ) سے تاریخ بھی نکالی تھی۔ تعلیم و تربیت ان کے نانا کی نگرانی میں ہوئی اور انھوں نے بہت جلد فارسی، سنسکرت، عربی، اردو، خطاطی اور فنون سپہ گری میں دستگاہ حاصل کرلی۔ رمل، نجوم، مصوری اور موسیقی انھوں نے خود اپنے شوق سے سیکھی۔ چند دن مدرسہ عالیہ میں بھی تعلیم پائی لیکن انگریزی سے کوئی زیادہ مناسبت پیدا نہ ہوئی۔ مہاراجہ نریندر پرشاد کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ''تین کروڑ کے پتلے'' تھے۔ کیونکہ مہاراجہ چندولال نے ایک کروڑ ان کی زنار بندی پر، ایک کروڑ تعلیم پر اور ایک کروڑ ان کی شادی پر صرف کیے تھے۔ مہاراجہ نریندر پرشاد نے بھی اپنے نواسے مہاراجہ کشن پرشاد پر کچھ اسی طرح صرف کیا۔ کیونکہ ان کی اپنی نرینہ اولاد کوئی نہ تھی۔

تیرہ سال کے تھے کہ والدہ کا ساتھ چھوٹا۔ ۲۹ر رجب ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء) کو آپ کے والد ہری کشن نے وفات پائی۔ آپ کے نانا مہاراجہ نریندر پرشاد کا انتقال ۱۲ر رمضان ۱۳۰۶ھ (۱۸۸۹ء) کو ہوا باوجودیکہ نانا نے کشن پرشاد کو اپنا جائز وارث اور جانشین قرار دے دیا تھا۔ جس کی بنا پر ایک بہت بڑی جاگیر جس کی آمدنی تقریباً سولہ لاکھ روپے سالانہ تھے ان کو ورثے میں ملی تھی لیکن بعض دشمنوں کی در اندازیوں نے اس مسئلے کو اس قدر الجھا دیا کہ چند سال آپ کو سخت پریشانیوں میں مبتلا رہنا پڑا۔ آخر ۳ رجب ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۳ء) کو آپ کے آقا محبوب جہاں غفراں مکاں نے آپ کو موروثی خدمت پیش کاری سے سرفراز فرمایا اور خلعت عطا کی۔ آپ کو صدر المہام فوج اور وزیر افواج کے جلیل القدر عہدے مامور کیا۔ ۱۰ر جمادی الاول ۱۳۱۹ھ (۱۹۰۱ء) کو اس سے بھی زیادہ ذمہ دارانہ اور اہم خدمت مدار المہامی آپ کے سپرد کی۔ جو ۱۵ر جب ۱۳۳۰ھ (۱۹۱۲ء) تک رہی۔ اس کے بعد حالات نے پلٹا کھایا اور کچھ ایسی صورت پیدا ہوگئی کہ آپ خود ہی اس منصب جلیلہ سے مستعفی ہوگئے۔ اس دوران آپ کو بڑے بڑے خطابات سے نوازا گیا۔

آپ پہلے مدار المہام تھے جن کی ڈیوڑھی پر ۱۳۲۱ھ (۱۹۰۳ء) میں ہندوستان کے

وائسرائے لارڈ کرزن نے بمعیت غفراں مکان میر محبوب علی خاں محرم کی پانچویں تاریخ کا لنگر ملاحظہ فرمایا۔

مدارالمہامی سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ نے ۱۹۱۳ء میں پنجاب، دہلی، بمبئی اور اجمیر شریف وغیرہ کا طویل سفر کیا۔ اس سفر کے حالات آپ نے ''سیر پنجاب'' کے نام سے قلم بند کیے ہیں جو بہت دلچسپ ہیں۔ یہ کتاب ۱۹۲۳ء میں مطبع مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ میں چھپی تھی۔ میری نظر سے گزری ہے۔

۱۷/ جمادالاول ۱۳۴۵ھ (۱۹۲۶ء) کو ایک دفعہ پھر مہاراجہ کو دکن کی صدارت عظمیٰ کے لیے منتخب کیا گیا۔ اس کی افواہ تین چار سال پہلے ہی اڑ گئی تھی اور علامہ اقبال نے اس پر یقین کر کے یہ قطعہ تاریخ لکھا۔

صدر اعظم گشت شاد نکتہ سنج    ناوک او دشمناں را سینہ سفت
سال ایں معنی سروش غیب داں    ''جان سلطاں سرکشن پرشاد گفت''

۱۳۴۱ھ

مگر اس پر ۱۳۴۵ھ میں عمل ہوا اور ملک کے گوشے گوشے میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

۱۹۳۷ء تک مہاراجہ حیدرآباد کے سیاہ وسفید کے مالک رہے اور غرہ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ (۹ مئی ۱۹۴۰ء) کو آپ نے انتقال کیا۔ میت کے جلوس میں ہزاروں آدمی شریک ہوئے۔ ساری ریاست میں سوگ منایا گیا اور پرانے پل کے دروازے کی داہنی جانب ندی کے کنارے مہاراجہ چندو لال اور مہاراجہ نریندر پرشاد کے درمیانی حصے میں سمادھی بنائی گئی۔

مہاراجہ کا ماحول امیرانہ اور عادت فقیرانہ تھی۔ گھر سے باہر نکلتے تو سکے بکھیرتے جاتے ''بچوں والے راجہ'' پکارے جاتے تھے۔ ہولی میں کرشن کنہیا بنے رہتے تھے۔ شباب کی ترنگ میں غوثیہ بیگم کو جان پر کھیل کر اور عزت و آبرو کو بالائے طاق رکھ کر آغوش محبت میں اڑا لائے تھے اور ختنہ بھی کرا لیا تھا ''با مسلماں اللہ اللہ'' ''با برہمن رام رام'' کا صوفیانہ مشرب رکھتے تھے۔ مندروں میں قشقہ لگاتے، مسجدوں میں نماز پڑھتے، مجالس عزا میں اشک بہاتے اور حال و قال کی محفلوں میں سر دھنتے تھے۔ نعتیں، منقبتیں، سلام اور مرثیے لکھ کر انھوں نے اپنی

عقیدت وارادت اور دل گزاری کا ثبوت دیا و۔ وہ اپنے مسلک کے بارے میں کہتے ہیں۔

میں ہوں ہندو میں ہوں مسلماں ہر مذہب ہے میرا ایماں
شاد کا مذہب شاد ہی جانے آزادی آزاد ہی جانے

مہاراجہ نے اپنے بیٹے راجہ راجن کمار عرف راجہ خواجہ پرشاد کو اپنا جانشیں مقرر کیا۔ ان کے وصیت نامے میں اپنا مسلک یوں بیان کرتے ہیں۔ ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔

''میں سرکشن پرشاد یمین السلطنت کھتری مہرالیعنی سپاہی نژاد صاحب سیف اپنی وصیت کو خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں جو ایک ہے اور ایک ہی ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ میرا اعتقاد ہے کہ کوئی خدا سوائے ایک خدا کے سزاوار حمد نہیں ہے۔''

اپنے مسلک کے بیان میں کہتے ہیں:

''میں تعصب اور نفرت کو بری نظر سے دیکھتا ہوں۔ ہر مذہب اور قوم کی عزت کرتا ہوں۔ انصاف، دوستی اور عدل کو انسان کے بہترین جوہر سمجھتا ہوں کیونکہ انصاف ہر متنفس اور حکومت کے لیے بہترین خصلت ہے۔ میں اپنے اہل خاندان اور اولاد اور وارث کو ہدایت کرتا ہوں کہ خدا پر کامل بھروسہ رکھو۔ ہر تکلیف کا جوانمردی سے مقابلہ کرنا اور ہر مصیبت کو صبر سے برداشت کرنا، صرف خدا ہی سے مدد طلب کرنا اور ہمیشہ اسی کی مشیت پر راضی برضا رہنا، یہی وہ تعلیم ہے جو ہمارے بزرگوں سے ملتی چلی آئی ہے اور جس کی پیروی کرنا ایک کھتری اور ایک جواں مرد سپاہی کے لیے ضروری ہے۔ میں بھی تم سب کو نیکوکارانہ زندگی گزارنے اور بوقت مایوسی خدا سے امداد طلب کرنے کی ہدایت کرتا ہوں۔ خصوصاً مجھے اپنے جانشیں اور وارث راجہ خواجہ پرشاد سے توقع ہے کہ وہ ان سب امور کو جو میں نے مذہبی اعتقاد کے متعلق اوپر بیان کیے ہیں اپنا نصب العین بنائیں گے۔''[1]

سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں مہاراجہ کشن پرشاد شاد کی درجنوں چھوٹی بڑی کتابیں میری نظر سے گزری ہیں۔ مولوی محمد عبداللہ قریشی نے اپنی کتاب اقبال بنام شاد (صفحہ ۲۱ طبع اول ۱۹۸۶ء) بزم اقبال لاہور میں ''مملکت حیدرآباد'' کے حوالے سے ان کتابوں کی تعداد ۴۷ درج کی ہے۔

---

[1] اقبال بنام شاد صفحہ ۱۶ مرتبہ مولوی عبداللہ قریشی ۱۹۸۶ء۔ بزم اقبال لاہور

مہاراجہ کشن پرشاد شاد کو آل رسول سے بڑی عقیدت تھی۔ ہم نے قیام حیدرآباد کے زمانے میں بڑے بڑے بزرگوں سے سنا ہے کہ وہ ایام محرم میں مجلسوں میں جایا کرتے تھے اور خوب گریہ بھی کرتے تھے۔ نواب مہدی نواز جنگ اپنی مرتبہ کتاب ''مہاراجہ کشن پرشاد شاد'' صفحہ ۳۴۹ میں لکھتے ہیں کہ:

''کرشن جی کی امت میں ہونے کے باوجود انھیں محمدؐ و آل محمدؐ سے بھی سچی عقیدت تھی۔ حضرت علیؑ، حضرت فاطمۃ الزہراؑ اور امام حسینؑ کی مدح میں مہاراجہ بہادر نے بہت کچھ کہا ہے اور خلوص سے کہا ہے۔ اس میں کسی مصلحت اندیشی یا ریاکاری کو ہرگز دخل نہیں۔ ان کا ایمان تھا کہ ہند کے پیغمبروں میں رام، کشن، گوتم بدھ کے علاوہ فطرت نے اور قومی برگزیدہ ہستیوں کو بھی شرف نبوت و امامت بخشا ہے۔ حق شناس و حق پرستی یہی تھا ان کا ایمان۔''

شاد کا ایک سفرنامہ ''جام جہاں نما'' کے عنوان سے ۱۹۳۰ء میں محبوب پریس علاقہ پیشکاری حیدرآباد دکن طبع ہوا۔ اس میں بمبئی کے سفر کے حالات ہیں۔ حضرت علی سے اتنی سچی عقیدت تھی کہ اس سفر میں انھوں نے حضرت علی کا دیوان جو ان کے زیر مطالعہ میں رہتا تھا۔ تیرہ قطعات کا اردو اور فارسی میں ترجمہ کیا۔ جامعہ عثمانیہ کے خطبہ تقسیم اسناد منعقدہ ۱۹۲۷ء (۱۳۲۷ ف) میں کہا گیا تھا۔

''حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ علیہ السلام جیسی مقدس ہستی عارف باللہ اور محقق کا عارفانہ قول ہے کہ علم تین چیزیں سکھاتا ہے یعنی حق شناسی، عالم شناسی اور خود شناسی، حق شناسی اور عالم شناسی کے ساتھ خود شناسی پیدا ہوتی ہے۔''

شاد نے ''اقوال حضرت علی'' کے نام سے ایک کتابچہ بھی لکھا تھا جسے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ پریس نے ۱۹۲۲ء میں شائع کیا۔ شاد نے واقعات کربلا اور فلسفہ شہادت حسین کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ ان کا ایک مضمون ''شہید اعظم'' کے عنوان سے سرفراز لکھنو کے محرم بابت ۱۳۵۳ھ (اپریل ۱۹۳۴ء) میں شائع ہوا تھا۔ مضمون طویل ہے۔ ابتدائی جملے یہ ہیں۔

''نہ فقط دنیائے اسلام بلکہ از آغاز تا انجام کوئی مثال دنیا میں واقعہ روح فرسا ارض نینوا ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گی۔ یہ سانحہ اپنی نوعیت اور اہمیت کے لحاظ سے اپنی مثال خود ہی

ہوسکتا ہے۔ یہی وہ واقعہ ہے جس سے بنی نوع انسان انسانی تکمیل کے واسطے ہر قسم کی نصیحت اور سبق حاصل کرسکتا ہے۔"

شاد نے "مخمکدۂ رحمت" نعتوں کا مجموعہ مرتب کیا جو محبوب پریس حیدرآباد میں ۱۳۲۵ ہجری (۱۹۰۷ء) میں شائع ہوا۔ اس میں ردیف وار نعتیں اور متعدد سلام ہیں جو رجب ۱۳۱۸ھ سے ۱۳۲۳ھ تک نظم کیے گئے۔ ترکی شاہ ترکی نے تاریخ طبع کہی۔ مادۂ تاریخ ہے "نعت شگفتہ"

کتاب میں متعدد سلام ہیں۔ ذیل میں صرف پانچ سلاموں کے مطلع نقل کیے جاتے ہیں:

(۱) سوز خواں ہم جو ہوئے چاک گریباں ہو کر ۱۲ شعر
(۲) تصور شہ عالی جناب رہتا ہے ۱۱ شعر
(۳) اے سلامی حال اپنا زار ہے ۱۵ شعر
(۴) خالی اصغر سے جو جھولا رہ گیا ۱۶ شعر
(۵) ذکر ہے شبیر کا سجاد کا ۱۶ شعر

صفحہ ۱۸۴ میں شاد نے میر مونس کے سلام کی تخمیس کہی۔ پہلا اور آخری بند درج ذیل ہیں:

مطلع:

اے سلامی غم کی کشتی کا تو لنگر کھول دے — کھول دے بہر خدا ابر پیمبر کھول دے
ضبط کیوں کرتا ہے تو دونوں سمندر کھول دے — عقدۂ مسلک گہر اے دیدہ تر کھول دے
ابر نیساں پر برس کے اپنے جوہر کھول دے

مقطع:

وصف پوچھے مجھ سے گر سبط رسول اللہ کے — سننے والا ہو اگر وہ فضل سے اللہ کے
میں کروں اوصاف اے شاد اس خدا آگاہ کے — نکتہ داں طالب ہوں مونس سے جو ذکر شاہ کے
اپنے سینے سے ابھی دفتر کے دفتر کھول دے

صفحہ ۱۸۸ میں میر انیس کے سلام کا مخمس کیا۔ پہلا اور آخری بند حاضر ہیں:

مطلع:

للہ الحمد کہ لختِ دلِ حیدر چھوٹے  جو شجاعت کے دھنی تھے وہ دلاور چھوٹے
بیشۂ ہمت و جرأت کے غضنفر چھوٹے  مجرئی قید سے جب عابد بے پر چھوٹے
شام میں شورا ہوا آل پیمبر چھوٹے

مقطع:

روز اول میں ہے گر اپنے مقدر میں انیس  نام اپنا بھی لکھا جائے گا دفتر میں انیس
درد ہے شاد کے بھی اس دلِ مضطر میں انیس  آرزو یہ ہے کہ ہنگامہ محشر میں انیس
ہاتھ سے میرے نہ دامانِ پیمبر چھوٹے

واقعہ کربلا پر شاد کی تین کتابیں ہیں۔ (۱) دین حسین، (۲) نوحہ شاد، (۳) ماتم حسین

دین حسین۔ اس کی شان نزول یہ ہے کہ خواجہ حسن نظامی نے ۱۹۱۵ء میں محرم نامہ شائع کیا۔ اس کا ایک نسخہ مہاراجہ کی خدمت میں بھیجا۔ مہاراجہ نے اس کا مطالعہ کیا اور اس سے متاثر ہوئے کتاب پر انھوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ اس کا عنوان ''دین حسین'' رکھا۔ یہ مقالہ ½ ۶×۵ انچ کے سائز کا ہے۔ اس میں ۳۹ صفحات ہیں۔ احمد حسین جعفر علی کے اہتمام سے احمد یہ پریس چار مینار بازار حیدرآباد دکن میں طبع ہوا۔ مہاراجہ نے اس مقالے میں حضرت امام حسین کی شہادت اور کربلا کے واقعات قلم بند کیے ہیں۔ یہ مقالہ محرم نامہ کے دوسرے ایڈیشن میں بھی آخر میں چھپا ہے۔ مقالے کی ابتدا ذیل کے شعر سے ہوتی ہے۔

خود شاہ ہے حسین خلافت کا ذکر کیا  اسلام سچ جو پوچھو تو دین حسین ہے

مہاراجہ حضرت امام حسین کی عظمت اور بلند حوصلگی کی تعریف کرتے ہوئے آخری صفحات میں لکھتے ہیں:

> ''حسین پر فدا ہو۔ حسین کے نام پر جاں نثار کرو۔ دشت کربلا کی خاک کو خاک شفا مانو۔ آنکھوں کا سرمہ بناؤ۔ سعادت کے چہرے کو روشن کرو۔ ناروا کوششوں سے باز آؤ۔ آپس کی کدورتوں میں آگ لگا کر اسے خاک میں ملاؤ حسین کا نام جپو، حسین کا حکم پڑھو..........''
>
> حسین نے راہ خدا میں خون بہا کر اور خون بہالے کر شہنشاہی حاصل کی اور خدائی کے مختار بن بیٹھے اور تم خلافت کو لیے بیٹھے ہو۔''

(۲) نوحہ شاد: سائز ½۸ × ½۵ انچ مطبوعہ تاج پریس، حیدر آباد دکن۔ سنہ اشاعت ندارد۔

میر انیس (متوفی دسمبر ۱۸۷۴ء) نے محرم ۱۸۷۱ء میں حیدر آباد دکن میں عشرۂ محرم پڑھا تھا۔ اس وقت مہاراجہ کم عمر تھے اور ان کا سن ۱۰ برس کا تھا۔ اتنی کم سنی میں انھوں نے غالباً میر انیس کو نہیں دیکھا ہوگا۔ البتہ اپنے کلام میں انھوں نے انیس سے استفادہ کیا ہے۔ نوحہ شاد میں ایک جگہ کہتے ہیں:

اس مرثیے سے مجھ کو غرض شاد ہے ثواب
میں نے کیا انیس سے اس فن کا اکتساب

میر انیس کے انتقال کے کوئی پندرہ سال کے بعد میر انیس کے چھوٹے بھائی میر انس (متوفی ۱۸۹۳ء) محرم ۱۸۸۹ء میں حیدر آباد مجلس پڑھنے گئے تھے۔ اس مرتبہ شاؔد کا سن ۲۵ سال کا تھا اور انہوں نے غالباً میر انؔس کو پڑھتے دیکھا ہوگا۔ اور ان سے ملے بھی ہوں گے۔ کہتے ہیں ؎

انؔس و انیؔس مرثیہ میں نامدار تھے ملک سخن کے شاؔد وہی تاجدار تھے

ایک جگہ نوحہ شاد میں امام حسینؑ کا کردار یوں پیش کرتے ہیں ؎

حق کو دیا نہ ہاتھ سے سر اپنا دے دیا راہ خدا میں جان کو اپنی فدا کیا
درگاہ حق میں شیوہ تھا تسلیم اور رضا راضی رسول ان سے تھے خوشنود کبریا

وصف حسینؑ کوئی کرے کیا مجال ہے
اس جا زبانِ ناطقۂ خلق لال ہے

شاؔد دشمنان آل رسولؐ پر اس طرح لعن وطعن اور دعائے بد کرتے ہیں ؎

روندا گیا ہے جسم مطہر جو گھوڑوں سے ارمان پورے دشمنوں کے دل کے اب ہوئے
یارب تو منتقم ہے سزا ان کی ان کو دے اعدا کا خاندان یوں ہی خاک میں ملے

مقہور بارگاہِ الٰہی یزید ہو
اور روسیاہ دونوں جہاں میں پلید ہو

ایک جگہ مہاراجہ شاؔد نے مرثیے میں اپنے عقیدے کا بھی اظہار کیا ہے ؎

ہوں قوم کا سپاہی رہوں گا سپاہی میں　　توحید میرا دین ہے دوں گا گواہی میں
صوفی ہوں اور عارف ذات الٰہی میں　　اور ہوں طریق عشق میں اے شاؔد راہی میں

جیسا کہ اعتقاد مجھے انبیاء سے ہے
ویسا ہی اعتقاد مجھے اولیاء سے ہے

آخر میں شاؔد مرثیہ ذیل کے دعائیہ پر ختم کرتا ہے۔

اپنے خدا سے دل سے دعا مانگ تو پہ شاد　　بہر حسینؑ وشیر خدا دل کی دے مراد
کر ذوالفقار قہر سے اعداؑ کا انسداد　　اولاد شاؔد شاد رہے عمر ہو دراز

ایماں پر ہو خاتمہ دنیا میں آبرو
دل میں ہو عشق تیرا رہے تیری آرزو

○

**(۳) ماتم حسینؑ:** یہ مرثیہ نادر ونایاب ہے۔ اس کا واحد نسخہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ میں نے پورے مرثیے کو اپنے قلم سے نقل کیا ہے۔ کیونکہ یہاں زیراکس کا کوئی انتظام نہیں ہے اور نہ کتاب باہر لے جانے کی ہی اجازت ہے۔ اس کا سائز $8\frac{1}{2} \times 5\frac{1}{2}$ ہے۔ یوں تو بندوں کی تعداد ۹۲ دکھائی گئی ہے۔ لیکن ایک بند دو مرتبہ لکھا گیا ہے۔ صحیح تعداد ۹۱ بند ہے۔ سرورق کی عبارت اس طرح ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرثیہ

موسوم بہ/ ماتم حسینؑ/ مصنفہ

ہر اکسیلنسی راجہ راجایان سرکشن پرشاد مہاراجہ بہادر شاؔد، یمین السلطنت جی۔سی۔آئی۔ای پیشکار وسابق مدارالمہام دولت آصفیہ

المتخلص بہ شاد

تلمیذ حضرت آصف غفراں مکان علیہ الرحمۃ

باہتمام۔سید ناظرالحسن ہوش بلگرامی، اڈیٹر ذخیرہ

مطبوعہ/ ذخیرہ پریس حیدر آباد دکن

۱۹۱۸ء/ ۱۳۳۶ ہجری

سرورق کے دوسرے صفحے میں شاد کی ۳۷ مطبوعہ تصانیف کی فہرست دی گئی ہے۔ جملہ صفحات ۲۴ ہیں۔

ماتم حسینؑ مکمل مرثیہ ہے۔ اس میں روانگی مدینہ سے کربلا پہنچنے تک کے بھی واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ آخر میں حسینؑ کی دلدوز شہادت کا واقعہ ہے۔ مدینہ میں روضۂ رسول اللہ پر حاضری دینا، عمرہ کرکے بغیر حج کے چلے جانا، راستے میں خبر مسلم کی شہادت پانا اور پھر وارد کربلا ہونا جزئیات سے بیان کئے گئے ہیں، کہتے ہیں ۔

ہائے مکّے میں بھی مظلوم کو رہنے نہ دیا     کعبہ اس غم میں سیہ پوش ہوا واویلا
درو دیوار حرم سے ہے اداسی پیدا     حج کو عمرے سے بدلتے ہیں شہہ ہر دوسرا
قصد کوفے کا ہے واں معرکہ آرائی ہے
پیشوائی کو اجل دوڑی ہوئی آئی ہے

شہہ نے فرمایا سفر میں ہے مناسب جلدی     کہ مری وجہ سے مکّے میں نہ ہو خونریزی
دیکھا تھا عالم رویا میں پیمبرؐ کو ابھی     ابن عباسؓ خدا کی بھی یہی ہے مرضی
عقل وہوش ودل من درغم آں روے برفت
بلکہ جان ودل من درسرآں کوئے برفت

خیمہ زن تھے رہ کوفہ میں شہ بحر و بر     کہ ملی مسلمؑ بے کس کی شہادت کی خبر
واپسی کا کیا حضرت نے تہیہ یکسر     تھی جو اولاد عقیل آگے بڑھی یہ کہہ کر
خونِ مسلم کا نہ جب تک کہ عوض ہم لیں گے
اے شہ دیں نہ کہیں راہ میں ہم دم لیں گے

شاہ کوفے کو روانہ ہوئے بادیدۂ تر     اور عناں گیر ہوا راہ میں حُر کا لشکر
عرض کی کوفے میں شہہ کا نہیں جانا بہتر     آپ واپس ہوئے لیکن نہ ملی جائے مفر
کربلا میں وہ مدینے کے مسافر اُترے
راہیں سب بند تھیں حضرت یہیں آخر اُترے

تلوار کی تعریف کس سادگی سے کرتے ہیں۔

لو ہوا قہر وہ تیغ شہہ ذی جاہ چلی
سر اٹھائے ہوئے وہ جانب بدخواہ چلی
دیکھو سایہ کی طرح موت بھی ہمراہ چلی
دیکھنا چال قیامت کی وہ ناگاہ چلی
خیرہ کرتی ہے نگاہوں کو چمک ایسی ہے
کس جہنم کا ہے شعلہ کہ لپک ایسی ہے

اس نے جب آگ لگادی تو بجھائی نہ گئی
صف کی دیوار گرادی تو اٹھائی نہ گئی
کج ادائی نہ گئی چشم نمائی نہ گئی
جب یہ بگڑی تو کوئی بات بنائی نہ گئی
شور ہے رن میں کہ یہ تیغ ہے یا بجلی ہے
یا پری ہے کہ پئے جلوہ گری نکلی ہے

گھوڑے کی تعریف

اللہ اللہ رے رہوار کی وہ جست وخیز
بند تھی بھاگنے والوں کے لیے راہ گریز
دیکھیے سرعت کے کرشمے کوئی ہنگام ستیز
قصد راکب کا کیا کرتا ہے کار مہمیز
پتلیاں جھاڑ کے جس وقت وہ اُڑ جاتا ہے
مردمک دیدۂ گردوں کی نظر آتا ہے

آنکھ وہ آنکھ کہ دیکھے تو ہو شرمندہ غزال
اور کنوتی وہ کنوتی جو ہے سوسن کی مثال
خم وہ گردن کا برہمن جسے کہتے ہیں ہلال
حشر پامال ہو جس چال سے ہے چال وہ چال
برق کی طرح چمک کر وہ جدھر جاتا تھا
فوج اشرار کو پامال بھی کر جاتا تھا

شآد نے امام حسینؑ کی شہادت مؤثر انداز میں بیان کی ہے۔ شہادت کے یہ بند بھی ملاحظہ ہوں۔

موزے پہنے ہوئے چھاتی پہ چڑھا جب وہ لعین
تیر پیوست ہوئے کانپ گیا عرش بریں
ظلم بیداد سے تھرا گئی مقتل کی زمیں
گرد قاتل تھے کوئی پاس نہ تھا اہل یقیں
شہؑ نے ظالم سے کئی مرتبہ مانگا پانی
نہ دیا ہائے ستمگر نے ذرا سا پانی

دھوپ سے تیز زمیں گرم ہوائے سوزاں
زخم وہ سینے کے جلاد کا وہ بار گراں

سینہ جس وقت دبا منھ سے نکل آئی زباں　　سوکھے حلقوم پہ آب دم خنجر ہے رواں
پھیرتے ہیں جو زباں کو شہہؑ والا لب پر
شکر کرتے ہیں شکایت نہیں اصلالب پر
شور ہے فوج میں برپا کہ ہوئے قتل امام　　آگ خیمے میں لگادی یہ مچا ہے کہرام
اہل بیت شہہؑ والا ہیں اسیر آلام　　سر پہ چادر ہے کسی کے نہ ہے چہروں پہ وشام
کوئی گھر آج تک اس طرح نہ تاراج ہوا
خاتمہ پنجتن پاک کا حیف آج ہوا
رکھ کے سر آپ کا نیزے پہ چلا شمر لعیں　　خوش تھا دل میں کہ یزید اس کی کرے گا تحسیں
زلفیں بکھری ہوئی وہ خون سے آلودہ جبیں　　دوڑ کر دُور سے زینبؑ نے بلائیں لے لیں
رو کے کہتی تھی کہ حاصل یہ عروج آج ہوا
سر جو نیزے پر چڑھا رتبۂ معراج ہوا
شادؔ طاقت نہیں اب مجھ میں کروں اور بیاں　　اب نہ فریاد کا یارا ہے نہ ہے تاب فغاں
جس کو ہے حُبّ حسینؑ اور خدا بھی ایماں　　حشر کے روز بھی اٹھے گا بہ چشم گریاں
عالم اس قصہ پر سوز کا پروانہ ہے
صبر ایوب کا مذکور اک افسانہ ہے
شادؔ رباعیاں بھی کہتے تھے۔ مرثیے کے آخر میں ذیل کی رباعی بھی ہے۔

## رباعی

معلوم ہوئے علیؑ سے اسرار خدا　　اور سرفکان قاب قوسین کھلا
اے شادؔ یہ مسئلہ بھی حل ہو نہ سکا　　اللہ علی ہے یا علیؑ ہے مولا

○

آخر میں شادؔ کا یہ شاہکار مرثیہ پیش کیا جاتا ہے۔
پہلے مسلم کو کیا قتل مسلمانوں نے　　۹۱ بند
پہلے مسلم کو کیا قتل مسلمانوں نے　　ہائے کیسا ظلم کیا جان کے مسلمانوں نے

قافلہ لوٹ لیا مل کے مدئی توانوں نے    گھر کو برباد کیا گھر کے نگہبانوں نے

کمر اب ٹوٹ گئی شاہ کی طاقت نہ رہی

جب ہر اول نہ رہا فوج کی شوکت نہ رہی

ہائے پردیس میں کیا حال مسافر کا ہوا    ہاشمی مطلبی لختِ دلِ شیرِ خدا

مرتے دم آپ نے لوگوں سے یہ ارشاد کیا    تن ہوا سر سے تو سرتن سے ہوا حیف جدا

کہنا بھائی سے کہ وہ کوفے میں للہ نہ آئیں

ساتھ سید اپنوں کو لے کے ادھر شاہ نہ آئیں

سات سو قرض ہیں کچھ لوگوں کے مجھ پر دِرہم    یہ وصیت ہے مری تم سے گروہ اظلم

اور یہ لکھنا کہ ادھر آئیں نہ شاہ عالم    دفن کردینا میری لاش بھی اے اہل ستم

ہیں دغا باز فسوں ساز یہ سارے کوفی

قتل کرنے پہ ہیں آمادہ تمہارے کوفی

وہ جو پہلی ہے وصیت اُسے کرتا ہوں قبول    پسرِ سعد پکارا کہ نہ دو بات کو طول

تیسری ہے جو وصیت وہ سراسر ہے فضول    خیر اس دوسری خواہش کا بھی ممکن ہے حصول

قتل ہو جائیں گے شبہؑ اور سب اولاد ان کی

بخدا کوئی سنے گا نہیں فریاد ان کی

دیکھ کر سوئے فلک کہتے تھے باصد افسوس    سُن کے یہ بات ہوئے آپ نہایت مایوس

اب وہ بیعت ہے نہ دربار نہ شوکت نہ جلوس    اے تری شان قضیہ نظر آیا معکوس

میں ہوں صابر نہیں منظور شکایت مجھکو

شکوہ کرنے کی خدا سے نہیں عادت مجھکو

اہل کوفہ ہیں موافق نہیں کچھ اس میں قصور    شبہ کو لکھا تھا یہ میں نے کہ یہاں آئیں حضور

آپ کا رتبہ مسلم ہے یہاں اور مشہور    آپ کے ہاتھ پہ بیعت بھی کریں گے یہ ضرور

کون واقف نہیں سرکار ہیں فرزند رسول

نورعین اسداللہ جگر بند رسول

آخری کون مرا شاہ کو بھجوائے سلام    کون اب جاکے خبر دے کہ ہوا قتل غلام

کون جا کر کہے مسلمؑ کا ہوا کیا انجام　　کون پہنچائے انہیں میری طرف سے یہ پیام
میں تو مرتا ہوں خدا تم کو سلامت رکھے
تاقیامت تمہیں باحشمت ونصرت رکھے

کیا خبر شاہ کو سر ہے مرا زیر خنجر　　اور آلود بخوں ہے مرا سارا پیکر
نہ وہ پیکر ہے رہ حق میں کٹا جس کا سر　　خانہ زاد اسداللہ کے یہی ہیں جوہر
ہو گیا گرچہ تصدق پہ وفادار غلام
مرتے دم بھی تمہیں بھولا نہیں زنہار غلام

رخصت اے صبر بیاں کرنے کی اب تاب نہیں　　تڑپیں کب تک جگرودل ہیں یہ سیماب نہیں
دیدۂ اشک فشاں چشمۂ خوناب نہیں　　واقعہ ہے کوئی افسانہ نہیں خواب نہیں
مجمع آل محمدؐ کی پریشانی ہے
کیسی تاراجی وبربادی و ویرانی ہے

کر کے قتل آپ کو خوش دل میں ہوا ابن سعد　　ہو گیا آپ کے حق میں وہ مسلمان جلاد
لاش کو پھینک دیا کوٹھے کے نیچے فریاد　　تاکہ مخلوق ہو کوفے کی بہت دیکھ کے شاد
کیا ستم شیر خدا کے یہ گھرانے پر ہے
صبر کی جائے ہے یہ مصلحت داور ہے

نہ فقط حضرت مسلمؑ کا ہوا کام تمام　　وہ بھی کملا گئے ہمراہ جو تھے دو گلفام
بچے ضغیم کے تھے کہلاتے تھے دونوں ضرغام　　چھوٹے چھوٹے سے وہ قد جیب کشیدہ صمصام
ہو گئے ظلم کی تلوار سے بے سر دونوں
رہ گئے خاک میں اور خوں میں تڑپ کر دونوں

تشنہ لب تھا جو بہت عرصہ سے دریائے فرات　　بجھ گئی پیاس ملا ان کو مگر آب حیات
ہو گئے غرق یہ دو گوہر غلطاں ہیہات　　نام تھے جن کے ابراہیمؑ ومحمدؐ حضرات
ابھی کچھ سن نہ تھا ان بچوں کے معصوم تھے وہ
باپ مارے گئے پردیس میں مغموم تھے وہ

ہائے مسلمؑ کے گلستاں کے تھے دونوں گل تر　　فلک حسن کے تھے دو مہہ ومہر انور

تھے سیادت کے مرقع میں یہ دومہ پیکر یہی انگشت شہادت کے تھے دو انگشتر
داغ مادر کے کلیجے میں پڑے دونوں کے
ہنسلیاں سامنے تھیں اور کڑے دونوں کے

اب کہیں صاحب اولاد پہ غم کیسا ہے کوپلیں ٹوٹ گئیں ہائے ستم کیسا ہے
ہوگئے زخم کلیجے میں الم کیسا ہے ظلم یہ آپ کو خالق کی قسم کیسا ہے
جان اس درد سے افسردہ ہوئی جاتی ہے
دل دھڑکتا ہے تو ماتم کی صدا آتی ہے

یاں تو یہ حال تھا واں سبط نبیؐ تھے مضطر دمبدم پوچھتے تھے کیا کوئی آئی ہے خبر
میرا مسلم ہے کہاں اور کہاں اس کے پسر دل پریشاں ہے مرا خیر ہو میرے داور
میں بھی کوفہ کی طرف ہوں جو رواں بہتر ہے
موت آئی ہے تو مرنا ہی وہاں بہتر ہے

ہائے کس عالم غربت میں ہیں شاہِ ابرار نہ کہیں امن کی جا ہے نہ کہیں جائے قرار
پہنچے مکے میں تو حضرت نے یہ دیکھے آثار آئے ہیں جامہ احرام پہن کر اشرار
امن ملتا جو مدینے میں یہاں کیوں آتے
مضطرب ہوکے ادھر شاہ زماں کیوں آتے

تھا مدینے میں تو بیعت پہ بیاں تک ابرام آئے شہہؑ قبر پیمبرؐ پر کیا رو کے کلام
اب مدینہ سے نکلتا ہے تمہارا یہ غلام الفراق اے شہہؑ دیں لیجئے خادم کا سلام
"درودیوار پہ حسرت کی نظر کرتے ہیں
رخصت اے اہل وطن ہم تو سفر کرتے ہیں"

آپ کا نورنظر ہوتا ہے گھر سے بے گھر اب وطن چھوڑ کے غربت میں کرے گا یہ بسر
نظر آئے گا کہاں اب یہ مزار اطہر وصل کی رات گئی ہجر کی آتی ہے سحر
اب فقط میں ہوں خدا کا ہے سہارا مجھکو
ہائے اب ہوگا نہ دیدار تمہارا مجھکو

جا کے اب روضے پہ خادم نہیں آنے والا دشتِ غربت میں بڑی دور ہے جانے والا

سر جھکائے ہوئے ہے سرکو کٹانے والا　　کون ہوگا مرا واں ناز اٹھانے والا
اپنے کاندھے پہ مجھے تم نے چڑھایا نانا
اب ستمگر میرے سینے پہ چڑھے گا نانا

آپ غربت میں نہ ساتھ اے شہہ ذی شان ہوں گے　　والدہ ہوں گی نہ بابا شہہ مردان ہوں گے
نہ حسنؑ ابن علیؑ لاش پہ نالاں ہوں گے　　ایک میں ہوں گا مرے قتل کے ساماں ہوں گے
میں کہے جاؤں گا احمدؐ کا نواسا ہوں میں
گودیوں کا شہہ والا کی کھویا ہوں میں

میری بے چارگی اب حد سے بڑھی ہے آقا　　راہ محبوب میں جان اپنی کروں گا میں فدا
رخصت اب آپ سے ہوتا ہے حسینؑ اے نانا　　آئی مرقد سے یہ آواز خدا کو سونپا
دشمن جاں ہوئی ہے ساری خدائی یارب
تجھ سے فریاد ہے ہے تیری دہائی یارب

بچوں کو بیبیوں کو لے کے چلے شاہِ ہُدا　　اور یہ دختر بیمار ہے رو رو کے کہا
دل پہ صدمہ ہے کہ تجھکو نہیں لے جاسکتا　　ایسے بیمار کا ہے گھر ہی میں رہنا اچھا
بولی وہ ساتھ نہ حضرت کے اگر جاؤں گی
کل کی مرتی ہوئی میں آج ہی مرجاؤں گی

چاہنے والے ہیں میرے علی اکبرؑ بھائی　　وہ بھی جائیں گے تو مرجائے گی یہ ماں جائی
یہ وفادار فدائی بھی ہے اور شیدائی　　میں ہوں بیمار بہت اور یہاں تنہائی
باپ سے بھائی سے مادر سے جو چھٹ جاؤں گی
سر میں اپنا در و دیوار سے ٹکراؤں گی

جب یہ دیکھا کہ بہت روتے ہیں شاہِ عالم　　رو کے خاموش ہوئیں حضرتِ صغراؑ اس دم
تو مدینے سے روانہ ہوئے سلطانِ امم　　وہ سواروں کا تجمل وہ پیادوں کا حشم
طیبہ ویراں ہوا مکے میں سواری آئی
اہل بطحا نے کہا رحمت باری آئی

ہائے مکے میں بھی مظلوم کو رہنے نہ دیا　　کعبہ اس غم میں سیہ پوش ہوا واویلا

درودیوار حرم سے ہے اداسی پیدا حج کو عمرہ سے بدلتے ہیں شہہ ہر دوسرا
قصد کوفے کا ہے واں معرکہ آرائی ہے
پیشوائی کو اجل دوڑی ہوئی آئی ہے

اپنے وارث سے حرم آج جدا ہوتا ہے کعبہ آج اپنے مطوف پہ فدا ہوتا ہے
دربدر آہ شہ ہر دوسرا ہوتا ہے کوفیوں میں ہیں چلے دیکھئے کیا ہوتا ہے
دشت از باد سموم آتش افروختہ است
برق در اول پرواز نفس سوختہ است

ہوئی جانے کی خبر شاہ کی جس دم مشہور اہل بطحا نے کیا عرض ادب سے کہ حضور
برسر جور ہیں کوفی نہیں کچھ اس میں قصور بخدا آپ کو پہنچائیں گے ایذا وہ ضرور
اہل بطحا تو ہیں سب آپ کے شیدا حضرت
آپ کا کوفہ کو جانا نہیں اچھا حضرت

سن کے اس بات کو حضرت نے کیا یہ ارشاد مجھکو لازم ہے سفر ایسی ہی کچھ ہے روداد
سب گوارا ہے مجھے اس میں ہو جو کچھ افتاد یورشیں اہل دغا کی ہیں یہاں حد سے زیاد
شبہ ہو جس کو وہ دریافت یہ روداد کرے
جاکے پھر خانۂ معبود میں فریاد کرے

ابن عباسؓ جو تھے ابن عم خیر انام عرض کرنے لگے ہیں آپ امام ابن امام
یہ ہیں ایام مناسک کے یہ ہے شہر حرام کیجئے ترک سفر باندھئے حج کا احرام
عید ہے ساری خدائی تو یہاں آتی ہے
چھوڑ کے کعبہ سواری یہ کہاں جاتی ہے

شہہؑ نے فرمایا کہ لازم نہیں مجھکو تاخیر ورنہ ہو جائے گی سب درہم وبرہم تدبیر
کیا کہیں گے مجھے کوفے کے صغیر اور کبیر میں تو ہوں طالب مرضی خداوند قدیر
ہے یہ اندیشہ کہ مکے میں نہ قربانی ہو
حاجیوں کے لیے اسباب پریشانی ہو

ابن عباسؓ نے کی عرض یہ رو رو کے حضور ہے یہی امر اگر آپ کو دل سے منظور

التجا ایک مری مانیے اے شاہ ضرور ہو اگر بے ادبی چاہتا ہوں عفو قصور
لے کے سیدانیوں کو ساتھ نہ جاؤ للہ
دشت کی دھوپ سے بچوں کو بچاؤ للہ

قابل غور ہے اے شاہ ہدایت اتنی ہیں اگر بارہ ہزار آپ کے خادم کوفی
قتل کرتے نہیں کیوں آپ کے دشمن کو ابھی تاکہ ہر شخص پہ ظاہر ہو صداقت ان کی
سبز باغ آپ کو واللہ دکھاتے ہیں یہ لوگ
کچھ دغا کرنے کو مہمان بلاتے ہیں یہ لوگ

متسلط ہے یزید آج کے دن حاکم ہے سخت مغرور جفا جو ہے بڑا ظالم ہے
گو وہ مرتد ہے ستمگار ہے نا مسلم ہے اس کا کوفے میں ہر ایک شخص بدل خادم ہے
ڈر ہے یہ عہد سے پھر جائیں نہ سارے کوفی
درپے قتل نہ ہو جائیں تمہارے کوفی

کوفہ جانے پہ جو آمادہ کرے ابن زبیر یاد رکھئے کہ اسے آل محمدؐ سے ہے بیر
ہم تو ہر طرح سے ہیں آپ کے وہ شخص ہے غیر مشورے میں مجھے اس کے نظر آتی نہیں خیر
وہ ہے غدار نہ آنا کہیں اس کے دم میں
ربط اچھا نہیں روباہ میں اور ضیغم میں

میں ابھی آپ کی بیعت کے لیے ہوں تیار وقت آئے گا تو ہو جاؤں گا قدموں پہ نثار
آپ کے ساتھ میں موجود ہوں لے کر تلوار آپ ہیں سبطِ نبیؐ آپ جہاں کے سردار
حرم کعبہ سے جانا نہیں اچھا شاہا
گھر ملے گا تو نہیں امن ملے گا شاہا

شہہ نے فرمایا سفر میں ہے مناسب جلدی کہ مری وجہ سے مکّے میں نہ ہو خونریزی
دیکھا تھا عالم رویا میں پیمبرؐ کو ابھی ابن عباسؓ خدا کی بھی یہی ہے مرضی
عقل و ہوش و دل من درغم آں روئے برفت
بلکہ جان و دل من درسرآں کوئے برفت

کہہ کے یہ شہہ نے کیا عزم سفر جلدی سے رات بھر جاگے چلے وقتِ سحر جلدی سے

پس مسلح ہوئے اور باندھی کمر جلدی سے
لے کے سب تیر و کماں تیغ و سپر جلدی سے

جانب کوفہ چلے جنس شہادت کے لیے
بیکسی ساتھ ہوئی شہہؑ کی رفاقت کے لیے

خیمہ زن تھے رہ کوفہ میں شہہ بحر و بر
کی ملی مسلمؑ بیکس کی شہادت کی خبر

واپسی کا کیا حضرتؑ نے تہیہ یکسر
تھی جو اولاد عقیل آگے بڑھی یہ کہہ کر

خون مسلمؑ کا نہ جب تک کہ عوض ہم لیں گے
اے شہہ دیں نہ کہیں راہ میں ہم دم لیں گے

شاہ کوفے کو روانہ ہوئے بادیدۂ تر
اور عناں گیر ہوا راہ میں حر کا لشکر

عرض کی کوفے میں شہہ کا نہیں جانا بہتر
آپ واپس ہوئے لیکن نہ ملی جائے مفر

کربلا میں وہ مدینہ کے مسافر اُترے
راہیں سب بند تھیں حضرت یہیں آخر اترے

پہنچے مقتل میں حسینؑ ابن علی واویلا
کرو ماتم کہ شہادت کا زمانہ آیا

اب اٹھا جاتا ہے اُمت کے سروں سے سایا
قتل اس دشت میں ہو جائیں گے شاہ شہدا

باغ زہراؑ کا اجڑنے کو ہے کوئی دم میں
خون روئے گا فلک شہہ کے غم و ماتم میں

ہوگا اب خم کدۂ درد کا می نوش جہاں
فرط اندوہ سے ہو جائے گا مدہوش جہاں

غم کرے گا نہ مگر دل سے فراموش جہاں
بے فغاں اب نہ رہے گا کبھی خاموش جہاں

ماتم آموز جہاں کے دل نالاں ہوں گے
نغمۂ سازو طرب روکش افغاں ہوں گے

کیسے سفّاک تھے اعدا کہ کیا مکر و فریب
پیارے مہماں کو یہ پہنچایا ضرر یہ آسیب

نظر آیا نہ کمینوں کو فراز اور نشیب
ظلم اعداء کے اُدھر اور ادھر صبر و شکیب

چرخ نے ایسا ستم ہائے نہ دیکھا ہوگا
یہ الم اور یہ غم ہائے نہ دیکھا ہوگا

شہہؑ کے دشمن جو تھے بانی جفا تھے واللہ
اور سلطان زمن کانِ وفا تھے واللہ

رفقاء شاہ کے سب دل سے فدا تھے واللہ　　خویش و فرزند بھی شیروغا تھا واللہ
بھوک میں پیاس میں کی سب نے وفا حضرت سے
نہ کیا بخت سے شکوہ نہ گلا حضرت سے

راہ روکے ہوئے ہر سمت سے تھی فوجِ کثیر　　جس میں ایک ایک تھا سفاک و ستمگار و شریر
شمر تھا ہاتھ میں کھینچے ہوئے ننگی شمشیر　　اور لشکر شہہ والا کا نہ تھا عشرِ عشیر
آپ نے فوجِ عدد کا جو یہ نقشہ دیکھا
ہو کے مایوس سوئے عرشِ معلّٰی دیکھا

ہے ستم ساتویں تاریخ ہوا پانی بند　　اس سے پہنچا بہت اس لشکر یثرب کو گزند
ذکر معبود میں تر کام و زباں تھی ہر چند　　تین دن پیاس میں گزرے مع خویش و فرزند
جو ہے خود مالک کوثر رہے پیاسا ایسا
ایک قطرے کو ترستا رہے دریا ایسا

کہتے ہیں بحر سخا آپ کو وہ دریا ہیں　　آپ ہی بحر نبوت کے دریکتا ہیں
آپ ہی مالک دنیا میں شہہ عقبیٰ ہیں　　اس طرف لاکھ شقی آپ ادھر تنہا ہیں
تشنگی میں یہ شجاعت ہے سزوار انہیں
حق پہ لڑتے ہیں یہ شاہی نہیں درکار انہیں

روز عاشور بڑھی لڑنے کو فوجِ اشرار　　قتل ہونے لگے حضرت کے عزیز وانصار
قاسمؑ و عونؑ و محمدؑ بھی ہوئے شہہ پہ نثار　　دیکھ کے سوئے فلک کہتے تھے شاہِ ابرار
تشنہ لب مرتے ہیں سب نام نہیں پانی کا
آج دن آل محمدؐ کی ہے قربانی کا

پیاس ایسی تھی کہ بچوں کا بہت غیر تھا حال　　گھر میں سلطانِ دوعالم کے یہ پانی کا تھا حال
جب سکینہؑ نے کیا اُن کے پانی کا سوال　　دل پہ عباسؑ کے گزرا، قلق و رنج و ملال
لے کے مشکیزہ چلے جانب دریائے فرات
قصد کوثر کا بھی اور طالب دریائے فرات

آپ جس وقت کہ پہنچے لب دریائے فرات　　بھرلیا مشک سکینہ کو بقصد حسنات

رخ کیا خیمے کی سمت اور کہی دل میں یہ بات　　بچے لب تشنہ ہیں پیاسے ہیں شہہ نیک صفات

جاں اگر اب نہیں رہتی تو نہ رہنے پائے

خون بہہ جائے مگر آب نہ بہنے پائے

حملہ ہرسو کیامل کے ستمگاروں نے　　کر کے مہمیز تعاقب کیا اسواروں نے

تیر برسائے نمازی پہ کمانداروں نے　　ہاتھ شانوں سے جدا کردیئے تلواروں نے

تیر کھاتے رہے چھد نے نہ دیا مشکیزہ

کٹ گئے ہاتھ تو دانتوں میں لیا مشکیزہ

خیمے کی سمت چلے مشک کو منہ میں لے کر　　آفریں قوت بازوئے شہہؑ جن وبشر

اسداللہ کے نور نظر و لخت جگر　　ہوگئی ختم وفاداری و ہمت تم پر

راستے میں ہی لعینوں نے کیا کام تمام

ہوگیا ہائے ترائی میں وہ ضرغام تمام

اس ترائی میں جو اس شیر کو بے جاں پایا　　فرط اندوہ سے غش سبط نبیؐ کو آیا

آگیا ہوش تو سینے سے اسے لپٹایا　　رکھ کے منہ سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ یہ فرمایا

آکے سیراب کریں ساقی کوثر تجھکو

مثل جعفر کے زمرد کے ملیں پر تجھکو

تشنگی کا علی اکبر کا لکھا ہے یہ حال　　کہ دوبارہ ہوئے جب عازم میدانِ قتال

منھ سے نکلی تھی زباں پیاس سے صدمہ تھا کمال　　مضطرب ہوکے کیا شاہ سے پانی کا سوال

منھ میں لے لی شہہ والا نے زبان اکبرؑ کی

ہائے تسکیں نہ ہوئی تشنۂ دہاں اکبرؑ کی

آپ دیکھا کئے پیاسا وہ جواں قتل ہوا　　نکلے اصغرؑ کو لئے گود میں شاہ والا

پانی مانگا کئے بچے کے لیے واویلا　　ہے ستم حلق پہ اصغرؑ کے لگا تیرِ جفا

شہہؑ ہیں اب اور غم و درد ہے حیرانی ہے

اشک ہیں صورت سیلاب وہ طغیانی ہے

پسر ساقی کوثر رہیں یوں تشنہ دہن　　اور بچوں کا یہ احوال ہو رب ذوالمنن

ہائے اے بیکس ومظلوم شہنشاہ زمن ۔۔۔ نرغۂ اعدا کا مسافر یہ ہے اور دور وطن

جس کے نانا کی خدائی تھی وہ نادار ہے آج

ظلم میں اپنے غلاموں کے گرفتار ہے آج

آپ کی جان ہے ایک اور خریدار سبھی ۔۔۔ ایک ستم کش ہیں حسینؑ اور ستمگار سبھی

کوئی غمخوار نہیں جمع ہیں خونخوار سبھی ۔۔۔ کر رہے ہیں وہ لعیں تیروں کی بوچھار سبھی

عارفو! وحدت وکثرت کا تماشا دیکھو

سب کے سب ایک طرف آپ ہیں تنہا دیکھو

اب شہہ دیں کی شہادت کی ذرا سنئے خبر ۔۔۔ صبر کی تاب کہاں سینے پہ رکھ لوں پتھر

مضطرب دل ہوتو اشکوں سے کروں آنکھیں تر ۔۔۔ وقفہ اب کچھ نہیں گردن پہ چلے گا خنجر

جو مؤحد ہیں وہ ڈرتے ہیں کہیں کثرت سے

خود میں خواہاں ہوں شہادت ہو کسی صورت سے

کوفہ و شام کی فوجوں کا وہ انبوہ کثیر ۔۔۔ جن کے ہاتھوں میں ہے تیغ وتبر و نیزہ وتیر

شاہ نے شمر ستمگار سے یہ کی تقریر ۔۔۔ ہیچ ہے فوج کثیر اور یہ لشکر کی بھیر

تیری اس فوج کی اور تیری حقیقت کیا ہے

سامنے طالب وحدت کے یہ کثرت کیا ہے

کیا نہیں جانتا حیدرؑ کا پسر ہوں اے شمر ۔۔۔ اور میں لخت دل خیر بشر ہوں اے شمر

حضرت فاطمہؑ کا نور نظر ہوں اے شمر ۔۔۔ آج میں مالک شمشیر دوسر ہوں اے شمر

یہ یقیں ہوگیا تھا سب کو کہ شامت آئی

ہوگیا حشر بپارن میں قیامت آئی

کہہ کے یہ میان سے حضرت نے نکالی تلوار ۔۔۔ دہن مار سے جس طرح نکل آئے شرار

ڈرگیا شمر لعیں کانپ گئے سب اشرار ۔۔۔ دی صدا نصرت واقبال نے دشمن فی النار

یہ یقین ہوگیا تھا سب کو کہ شامت آئی[1]

ہوگیا حشر بپا رن میں قیامت آئی

---

[1] کاتب نے شعر کی تکرار اسی طرح سے کی ہے۔ (ا۔ح)

طائر جاں کی طرح ہوش لعینوں کے اڑے　　بے حواس ایسا ہوا شمر کہ چھوٹے چھکے
پسر سعد کا دم بند تھا ڈر کے مارے　　دل میں کہتا تھا کہ ہم آج چلے دنیا سے
رن میں کیوں آیا ہوا ہائے یہ کیسا انجام
زندگی ہو چکی اب موت ہے اپنا انجام

چاہتا تھا کہ کہیں جان بچا کر جائے　　منتظر تھا کہ کسی طرح سے موقع پائے
کاش اس وقت کوئی گھر سے بلانے آئے　　بھاگے اس طرح کہ پھر منہ نہ کبھی دِکھلائے
بسکہ نامرد تھا بُودا تھا بہت ڈرتا تھا
موت کے نام سے بے موت شقی مرتا تھا

ابتدا جنگ کی شبیرؑ نے کی یوں آخر　　تیغ کا وار کیا گرنے لگے سر پر سر
شہہ کے حملوں سے ہوا لشکر اعدا تر بھر　　اور بڑھ بڑھ کے اجل کہتی تھی حاضر حاضر
صف کی صف کو دم شمشیر نے کیا صاف کیا
اک پری تھی کہ عمل قاف سے تا قاف کیا

چمک ایسی ہے کہ اک حشر بپا ہوتا ہے　　تن اگر سر سے تو سرتن سے جدا ہوتا ہے
چال ایسی ہے کہ دشمن بھی فدا ہوتا ہے　　کہہ رہے ہیں یہ عدو دیکھئے کیا ہوتا ہے
تیغ ہے یہ کہ اجل بن کے پری آتی ہے
جان لینے کی اسے عشوہ گری آتی ہے

لوہوا قہر وہ تیغِ شہہ ذی جاہ چلی　　سر اٹھائے ہوئے وہ جانب بدخواہ چلی
دیکھو سایے کی طرح موت بھی ہمراہ چلی　　دیکھنا چال قیامت کی وہ ناگاہ چلی
خیرہ کرتی ہے نگاہوں کو چمک ایسی ہے
کس جہنم کا ہے شعلہ کہ لپک ایسی ہے

اس نے جب آگ لگادی تو بجھائی نہ گئی　　صف کی دیوار گرادی تو اٹھائی نہ گئی
کج ادائی نہ گئی چشم نمائی نہ گئی　　جب یہ بگڑی تو کوئی بات بنائی نہ گئی
شور ہے رن میں کہ یہ تیغ ہے یا بجلی ہے
یا پری ہے کہ پئے جلوہ گری نکلی ہے

جس نے سرنذر دیا تیغ کو سر باز ہوا　　حلقۂ اہل جہنم میں وہ ممتاز ہوا
اُڑ گیا جس کا سرنحس سرفراز ہوا　　کیا کہیں گے نہ عدو اب بھی کہ اعجاز ہوا
روح کہتی تھی کہ دنیائے پر آفت کو سلام
اور سرکٹ کے کیا کرتا تھا حضرت کو سلام

تیغ جب دیدۂ جوہر سے نظر کرتی تھی　　پیش پا تھیں جو صفیں زیر و بر کرتی تھی
قلب میں جاکے کسی کے جو یہ گھر کرتی تھی　　جان مقتول کی اس گھر سے سفر کرتی تھی
دیکھ کر تیغ کو دم ان کے نکل جاتے تھے
رستم و سام بھی گر ہوں تو دہل جاتے تھے

عرصۂ حشر سے کچھ کم نہ تھا سارا جنگل　　شور میدان میں اٹھا تھا پڑی تھی ہل چل
سر دشمن پہ چمکتی تھی جو وہ برق اجل　　کٹ کے پابوسی کو آتا تھا وہ سر منھ کے بل
رقص بسمل کا تماشہ تھا لڑائی کیا تھی
تیغ وہ کیا تھی ہاتھوں وہ کی صفائی کیا تھی

موت کے گھاٹ کا اعدا کو پلایا پانی　　تیغ کی موج بھی آتی تھی نظر طوفانی
بڑھ گئی سیل فنا کی سی وہاں طغیانی　　کشتی تن کے ڈبو دینے میں تھی آسانی
تیغ کے گھاٹ پہ آفت میں عدو آتے تھے
سر نظر شکل حباب لب جو آتے تھے

رن میں کشتوں کا ہر اک سمت لگا تھا انبار　　مرنے آئے تھے یہاں چھوڑ کے ظالم گھربار
اس طرح کے وہ مسلمان تھے سب اور دیندار　　متعجب ہوں جنہیں دیکھ کے اہل زنار
حاکم شام کو پرچہ جو گزر جائے گا
ہے غضب اور بھی وہ غیظ میں بھر جائے گا

سیکڑوں مرتبہ یکجا ہوئے سارے اظلم　　مگر اک تیغ کے دم نے کیا سب کو بے دم
ہوگئے صاف پرے جب کئے حملے پیہم　　ایسی بھاگڑ تھی کہ اکھڑے ہوئے تھے سب کے قدم
زد پہ جو آگیا وہ جانب دوزخ پہنچا
جو بچا بھاگ کے وہ سیکڑوں فرسخ پہنچا

اللہ اللہ رے رہوار کی وہ جست و خیز　　بند تھی بھاگنے والوں کے لیے راہ گریز
دیکھے سرعت کے کرشمے کوئی ہنگام ستیز　　قصد راکب کا کیا کرتا ہے کار مہمیز
پتلیاں جھاڑ کے جس وقت وہ اڑ جاتا ہے
مردمک دیدۂ گردوں کی نظر آتا ہے

دیکھ کر تیزی پری اسپ کی حیراں میں ہوں　　کس سے شبیرؑ کے رہوار کی نسبت میں دوں
حور میں ہے یہ کرشمہ نہ پری میں افسوں　　میں اسے برق کہوں یا کہ چھلاوہ سمجھوں
کیسا چالاک فرس کیسا ہے طرار فرس
باتیں کرتا ہے ہوا سے دم رفتار فرس

حملہ کرنے میں یہ رہوار ہے ضیغم سے زیاد　　اور قوت میں جو پوچھو تو ہے رستم سے زیاد
حسن میں شان میں ہے ابرش وادہم سے زیاد　　تھا قدم اس کا سبک پھول پہ شبنم سے زیاد
برق کی طرح ہوا میں وہ شنا کرتا ہے
بن کے طاؤس قیامت کی ادا کرتا ہے

آنکھ وہ آنکھ کہ دیکھے تو ہو شرمندہ غزال　　اور کنوتی وہ کنوتی جو ہے سوسن کی مثال
خم وہ گردن کا برہمن جسے کہتے ہیں ہلال　　حشر پامال ہو جس چال سے ہے چال وہ چال
برق کی طرح چمک کر وہ جدھر جاتا تھا
فوج اشرار کو پامال بھی کر جاتا تھا

ناگہاں حکم قضا آگیا شبیرؑ کو یاد　　آپ نے روک لیا ہاتھ بڑھے اہل عناد
نفس سے اپنے تھا اب شاہ کو منظور جہاد　　ہونے والا تھا مگر فاطمہؑ کا گھر برباد
کام تسلیم و رضا، تھی نہ جفا تھی منظور
راہ میں حق کے انہیں صرف وفا تھی منظور

مضطرب تھے جو بہت پیاس کی شدت سے امامؑ　　طلب آب کبھی تھی کبھی لب پر یہ کلام
جانتے ہو کہ حسینؑ ابن علیؑ ہے مرا نام　　دیکھو پچھتاؤ گے کیوں کھینچتے ہو مجھ پہ حسام
میرے نانا کی شفاعت کے طلب گار بھی ہو
درپئے قتل مرے درپئے آزار بھی ہو

شاہ فریاد ابھی کرتے تھے میداں میں کھڑے — لے کے تیغ و تبر و تیر شقی ٹوٹ پڑے
دُور سے وار وہ کرتے تھے کہ تیر دل پہ پڑے — تین دن کی ہو جسے پیاس کہاں تک وہ لڑے
بیچ میں آپ تھے اور چاروں طرف قاتل تھے
زغہ خونخواروں کا تھا اور شہہؑ عادل تھے

ہوگئے تیروں سے سر تا بقدم شہہ زخمی — کرگئی کام لگی سینے میں برچھی کی انی
سینہ وہ سینہ جو گنجینۂ اسرار خفی — بہہ گیا خون عناں ہاتھوں سے حضرت کی چھٹی
جلتی ریتی پہ گرے شاہِ ہدا گھوڑے سے
ساتھ ہی شمر لعین کود پڑا گھوڑے سے

موزے پہنے ہوئے چھاتی پہ چڑھا جب وہ لعیں — تیر پیوست ہوئے کانپ گیا عرش بریں
ظلم و بیداد سے تھرّا گئی مقتل کی زمیں — گرد قاتل تھے کوئی پاس نہ تھا اہل یقیں
شہہ نے ظالم سے کئی مرتبہ مانگا پانی
نہ دیا ہائے ستمگر نے ذرا سا پانی

دھوپ ہے تیز زمیں گرم ہوا ہے سوزاں — زخم وہ سینے کے جلاّد کا وہ بار گراں
سینہ جس وقت دبا منھ سے نکل آئی زباں — سوکھے حلقوم پہ آب دم خنجر ہے رواں
پھیرتے ہیں جو زباں کو شہہ والا لب پر
شکر کرتے یں شکایت نہیں اصلاب پر

شور ہے فوج میں برپا کہ ہوئے قتل امام — آگ خیمے میں لگادی یہ مچا ہے کہرام
اہل بیت شہہ والا ہیں اسیر آلام — سر پہ چادر ہے کسی کے نہ ہے چہروں پہ وشام[1]
کوئی گھر آج تک اس طرح نہ تاراج ہوا
خاتمہ پنجتنِ پاک کا حیف آج ہوا

دن دہاڑے نہ ہوا کوئی گھر ایسا تاراج — جس طرح سے کہ ہوا خانۂ زہراؑ تاراج
گھر پیمبرؐ کا ہوا ہائے یہ کیسا تاراج — ہوئے کس طرح خیام شہہؑ والا تاراج

---

[1] وشام: حجاب یا نقاب کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ ہمیں اردو، فارسی اور عربی لغات میں نہیں ملا۔ علما سے بھی دریافت کیا مگر لفظ کے بارے میں کوئی کامیابی نہیں ملی

ہوگئے حیف حسینؑ ابن علیؑ آج شہید
اہل بیتِ نبویؐ کا ہوا تاراج شہید

نوحہ جبرئیل کا ہے راہ نما قتل ہوا — جس کو سب روئیں گے وہ مرد خدا قتل ہوا
ہے یہ زہراؑ کی فغاں لال مِرا قتل ہوا — شور رانڈوں میں ہے شاہِ دوسرا قتل ہوا

لٹ گئی فاطمہؑ کی آج کمائی لوگو
ہم لٹے جاتے ہیں جنگل میں دہائی لوگو

رکھ کے سر آپ کا نیزے پہ چلا شمر لعیں — خوش تھا دل میں کہ یزید اس کی کرے گا تحسین
زلفیں بکھری ہوئی وہ خون سے آلودہ جبیں — دوڑ کر دُور سے زینبؑ نے بلائیں لے لیں

رو کے کہتی تھیں کہ حاصل یہ عروج آج ہوا
سر جو نیزے پر چڑھا رتبۂ معراج ہوا

ظلم کیا کیا نہ سہے صبر نہ چھوڑا شہ نے — راہِ حق سے منہ کو نہ موڑا شہ نے
حق کا رشتہ کبھی باطل سے نہ جوڑا شہ نے — حق تو یہ بات ہے کس کفر کو توڑا شہ نے

یہی باعث تھا کہ باقی رہا دینِ اسلام
کیا جلا پاگیا اس خون سے نگینِ اسلام

مرحبا دین کو نانا کے جلانے والے — اور طوفاں سے سفینے کو بچانے والے
پار منجدھار سے کشتی کو لگانے والے — دین کے واسطے گھر بار لٹانے والے

مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

آج اولاد امیہ میں ہے گھر گھر شادی — آل ہاشم کی تباہی ہوئی اور بربادی
یہ خوشی ہے کہ کبھی ہوگی نہ اب آبادی — داد رَس کوئی غریبوں کا نہ ہے فریادی

مگر افسوس نہ سمجھے کہ مشیت کیا ہے
اس میں کیا راز قضاء سرِّ حقیقت کیا ہے

شادؔ طاقت نہیں اب مجھ میں کروں اور بیاں — اب نہ فریاد کا یارا ہے نہ ہے تاب فغاں
جس کو ہے حب حسینؑ اور ذرا بھی ایماں — حشر کے روز بھی اٹھے گا بہ چشم گریاں

عالم اس قصۂ پر سوز کا پروانہ ہے
صبر ایوبؑ کا مذکور اک افسانہ ہے

جا کے مسجد میں کرو ذکر خدائے معبود    مومنو! صدق عقیدت سے پڑھو شہہؑ پہ درود
اور دعا کیجئے ہم سب کے برآئیں مقصود    تا کہ ہم سب سے خداوند جہاں ہو خوشنود

صدقے میں پنجتن پاک کے ہم شاد رہیں
عاقبت خیر ہو دنیا میں ہم آباد رہیں

○

# دِلّو رام کوثریؔ

دلّو رام نام کوثریؔ تخلص۔ باشندۂ لاندھیڑی سکھ نمبراں، ضلع حصار۔ کوثریؔ کے حالات زندگی بہت کم ملتے ہیں۔ ان کے والد کا نام چودھری بھورا رام تھا جو قوم بشنوئی، نکاس چوہان خاندان (راجپوت) سے تھے۔ کوثری اپنے استاد سید شریف حسین ساکن قصبہ بھریلی ضلع انبالہ (مدرس مدرسہ جمال پور ضلع حصار) کے فیض صحبت سے مشرف باسلام ہوگئے تھے اور اسلامی نام چودھری کوثر علی رکھا تھا۔ ان کا جھکاؤ شروع ہی سے اسلام کی طرف تھا۔ اور اپنے نعتیہ کلام اور مدح ومنقبت اہل بیت کے ذریعے سے اپنی عقیدت کا مسلسل اظہار کرتے رہے تھے۔ مثلاً

ہے کوثری خاک نشیں شادؔ کا پیرو — اس واسطے یہ بھی ہے ثنا خوانِ محمدؐ

کوثری اس وقت بھی تھا مجھ کو عشق مصطفیٰؐ — آج کل جیسا ہے عشق ایسا ہی تھا کچھ کم نہ تھا

نبیؐ خم کو جھکاتے ہیں علیؑ ساغر کو بھرتے ہیں — ہمارے واسطے کس شان سے پیمانہ آتا ہے

آقا ہے نبیؐ اور علیؑ اپنا ہے مولا — ملتا ہوا سلماں سے ہے افسانہ ہمارا

اردو کے مشہور ادیب، محقق اور تاریخ گو جناب غلام حسن کسرئی منہاس مدظلہ بیان کرتے ہیں کہ کوثریؔ ان کے وطن سید کسراں (ضلع راولپنڈی) میں ان کے والد غلام نبی منہاس (متوفی جون ۱۹۱۸ء) کے یہاں قیام پذیر رہتے تھے اور اس زمانے میں انہوں نے روضۃ الشہدا کے فارسی متن کی تلخیص کرکے جو نسخہ تیار کیا تھا وہ مدتوں ان کے قصبے میں مجالس عزا میں پڑھا جاتا رہا۔ آخر کار ۱۹۲۹ء میں انہوں نے سید حبیب، مدیر، سیاست، لاہور کو حیدرآباد دکن سے ایک خط لکھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کردیا۔ اس مکتوب کو عبدالمجید سالک بٹالوی نے اپنے مشہور اخبار ''انقلاب'' لاہور میں ۴ جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ (۷ نومبر ۱۹۲۹ء) میں یوں

شائع کیا تھا:۔

''مخلص، محبی مکرمی و معظمی زاد مجدہ۔ تسلیم بعد تکریم

مزاج مبارک! عرض آنکہ میں نے تمام ادیان و مذاہب کی تحقیق کے بعد خوب اچھی طرح معلوم کرلیا ہے کہ خدا کا آخری اور سچا مذہب اسلام ہے۔ مجھے حقانیت اسلام کا حق الیقین ہو چکا ہے۔ اس لیے سر عجز و نیاز خدائے بے نیاز کے آگے امت رسول کو گواہ کر کے جھکانا چاہتا ہوں۔

جناب والا! براہ کرم داخوۃ جملہ مومنینِ باتمکین و جمیع مسلمانان والا شان کو میرے عزم قبول دین حق سے بذریعہ اخبار مطلع فرماویں۔

مخلص دیرینہ، دِلّو رام کوثری

مقیم مسافر خانہ، مقام حویلی، حیدر آباد''

کوثری فارسی اور عربی بھی جانتے تھے۔ فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ قرآنی آیات اور عربی جملات خوبی سے نظم کرتے تھے۔ کہتے ہیں ؎

قرآن حسین پڑھتے تھے اس وقت بالیقین ۔۔۔ سینے پہ تھا چڑھا ہوا جب قاتل لعین

آواز درد ناک سے کہتے تھے شاہ دیں ۔۔۔ ایاک نعبد کبھی ایاک نستعین

تشبیہ ہمدگر ہیں نہیں اس میں اشتباہ ۔۔۔ والشمس والضحیٰ ہیں جبین و جمال شاہ

خون چکیدہ نے بھی رفاقت کی بات کی ۔۔۔ ہر قطرے میں صدا تھی اقیموالصلوٰۃ کی

حلقِ بریدہ پڑھتا تھا یٰسین وہل اتی ۔۔۔ نیزے پہ سر حسینؑ کا کہتا تھا قل کفی

کوثری کی نعتیں اور غزلیں پرانے رسالوں میں ہماری نظر سے گزری ہیں۔ ان میں 'صوفی' پنجاب، ذخیرہ حیدر آباد نیرنگ خیال اور مشائخ دہلی قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ عبدالصمد خان کے بے نظیر کتب خانے سنٹرل ریسرچ سینٹر حیدر آباد اور کتب خانہ شبلی نعمانی میں بھی کچھ رسالے ایسے ہیں جن میں کوثری کا کلام ملتا ہے۔

راقم الحروف سالہا سال سے کوثری کے حالات کی تلاش میں سرگردان رہا۔ جناب کسریٰ منہاس صاحب کو بھی لکھا۔ لیکن کہیں سے کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ جن دنوں میں حیدر آباد میں تھا تو فروری ۱۹۸۹ میں ان کے حالات ایک کتاب میں ملے جو نہایت ہی

نادر و نایاب ہے اور اسے خواجہ حسن نظامی مرحوم نے مرتب کر کے ''ہندو کی نعت اور منقبت از جناب چودھری دِلّو رام کوثری'' کے عنوان سے جولائی ۱۹۲۴ء میں شائع کیا تھا۔ یہ کتاب میرے لیے یقیناً ''فردوس گمشدہ'' سے کم نہیں ہے۔ اس کا نمبر ۴۷ ہے اور یہ سالار جنگ میوزیم کے بے مثال کتب خانے میں ''سیرۃ النبی'' کے تحت موجود ہے۔ خواجہ صاحب کوثری کی نعت گوئی سے اس قدر متاثر ہوئے تھے کہ انہوں نے موخرالذکر سے درخواست کی کہ وہ اپنے حالات ان کو بھیج دیں تا کہ مختلف رسالوں میں ان کی شائع شدہ نعتیں مرتب کر کے کتابی صورت میں یکجا کی جائیں۔ میرے خیال میں سالار جنگ میوزیم میں کتاب کا یہ واحد نسخہ موجود ہے۔ بہرحال کوثری نے خواجہ صاحب کی فرمائش پر انہیں اپنے حالات سے نوازا اور ساتھ ہی یہ خط بھی جواب میں لکھا:-

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم''

سرمایۂ فخر افتخار، قبلہ دین و دنیا حضرت خواجہ صاحب مدظلہ العالی

بعد از آداب نیاز مندانہ عرض آنکہ۔ نامۂ عالی موصول ہو کر باعث عزت و مسرت ہوا۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔ اگرچہ متعدد صاحبان نے مجھ ہیچمداں کے ٹوٹے پھوٹے کلام کو جو فی الحقیقت کلام کہلانے کا مستحق نہیں ہے شائع کرنے کی خواہش کی۔ مگر میں ان کے احکام کی تعمیل نہ کر سکا۔ لیکن جناب کا تین چار سطور کا جو کارڈ پہنچا۔ اس کے سادے مگر جادو بھرے جملے دل پر اثر کر گئے اور نیز درگاہ شریف حضرت محبوب الٰہی کا پتہ پڑھ کر اور بھی زیادہ اثر ہوا۔ میرا یہ فخر ہے کہ آپ میرا کلام جو آپ کے پاس جمع ہے شائع فرمائیں۔ میرے مختصر حالات یہ ہیں۔ خاکسار دِلّو رام کوثری''

خودنوشت حالات

''نام دِلّو رام۔ تخلص کوثری۔ مولد قصبہ نانڈری حصار، بشنوئی، پیشہ زراعت، تاریخ ولادت پورنماشی شدی پو ۱۹۳۹ء بکرمی (دسمبر ۱۸۸۳ء) بوقت شام ساعت طلوع بدر، شب سہ شنبہ۔ قوم بشنوئی۔ بشنوئی ہندوؤں کا ایک ایسا ہی فرقہ یا گروہ ہے جیسے راجپوت، سکھ جاٹ وغیرہ۔ ہندوستان میں اس کی آبادی پانچ لاکھ ہے۔ یہ سب لوگ زمیندار زراعت پیشہ ہیں۔

میرے آباواجداد کا سلسلۂ حسب ونسب چوہان خاندان کے راجپوتوں سے ملتا ہے۔ چوہان خاندان کے راجپوتوں سے جاٹوں میں تبدیل ہوئے۔ اور پھر جاٹوں سے بشنوئی قوم میں شامل ہوئے۔ مذہب بشنوئی ہے اور قوم بھی بشنوئی۔ میرے باپ کا نام ''بھورام رام'' ہے اور گوت ناندی ہے۔ بشنوئی قوم میں وہ ایک مشہور مہماں نواز آدمی تھے۔

تعلیم۔۔۔ بشنوئیوں کو تعلیم کا شوق مطلق نہیں۔ میں پہلا بشنوئی ہوں جس نے سب سے پہلے اپنی قوم میں تعلیم پائی۔ انٹرنس میں انگریزی پڑھتا تھا کہ شوق شاعری نے بغل میں ایسی گدگدی کی کہ اسکول چھوڑ دیا۔ مگر والد مرحوم نے کوشش کر کے لاہور میں ایک ڈاکٹری کالج میں داخل کرا دیا۔ مگر وہاں لفظ مسیحا کے سوا کچھ نہ سیکھا اور کالج کو چھوڑ کر غزل گوئی میں مصروف ہوا اور مشاعروں میں جانے لگا۔ ایک دن ایک غزل جس کا مطلع یہ تھا۔

پہلے نہ سوجھتی تھیں یہ چالیں صبا تجھے  کوئے صنم کی لگ گئی شاید ہوا تجھے

پڑھی۔ مطلع کی تعریفیں ہوئیں۔ مگر بعدازاں ایک شعر پر جو ناموزوں تھا ایک صاحب نے کہا کہ یہ شعر بحر اور وزن سے خارج ہوگیا۔ اس پر لاہور ہی میں ایک عالم فاضل سے عروض پڑھنا شروع کیا۔ دو سال تک یہ سلسلہ جاری رہا مگر طبیعت سیر نہ ہوئی۔ بالآخر سامانہ ریاست پٹیالہ پہنچا۔ وہاں ایک عالم اعلم حضرت سید عنایت علی صاحب مجتہد العصر والزمان مرحوم کی خدمت میں دس بارہ برس رہ کر متعدد فارسی اور علم عروض وفن شعر کی کتابیں پڑھیں اور انتیس سال کی عمر میں بعد تحصیل فن شعروادب واپس وطن آیا۔ پہلے غزل لکھتا رہا۔ مگر بعدازاں جب زمانہ کا رنگ دیکھا تو طرز شاعری کو بدلا۔ اور اسلامی روایات پر بے شمار نظمیں لکھیں۔ خصوصاً اہل بیت اطہار کی مدح وثنا میں اب تک مصروف رہا اور ہوں۔ اگر چہ محمدؐ وآل محمد کی مدح وثنا میں دفتر کے دفتر لکھ ڈالے مگر صحابہ کی تعریف میں بھی متعدد نظمیں لکھی ہیں۔ بلکہ ہندو، سکھ، مرہٹوں آریاؤں وغیرہ کے متعلق بھی چند منظوم کتابیں لکھی ہیں۔ اور سرکار انگریزی کی مدح سرائی کی ہے۔

حیدر آباد دکن، بھوپال، رامپور، پٹیالہ کے درباروں میں نظمیں پڑھیں۔ پچھلی چار ریاستوں میں مہمان ہوا۔ ان کے والیان ذیشان سے نیاز حاصل ہوا انعام وصلہ وخلعت بھی عنایت ہوئے۔ رامپور میں چھ سات مرتبہ مہمان ریاست ہوا اور دربار میں نواب صاحب

رامپور نے بزبان خود بلند آواز داد دی۔ بھوپال میں دو مرتبہ مہمان ریاست ہوا۔ سرکار عالیہ بیگم صاحب نے پس پردہ بیٹھ کر نعتیہ کلام سماعت فرمایا۔ سب سے زیادہ قدردانی بھوپال میں ہوئی۔ اور سب سے کم پٹیالہ و بہاولپور میں۔ حیدر آباد دکن میں مہاراجہ بہادر سر کشن پرشاد شاد صاحب یمین السلطنت سے خوب نیاز حاصل ہوا اور خوب انعام پایا۔ اور بہت دادِ سخن ملی۔ حتیٰ کہ مہاراجہ صاحب بہادر ممدوح نے اپنے قلم مبارک اور دست شریف سے یہ شعر ایک دن خوش ہو کر کہہ دیا۔

ہے سخن گوئی میں فردِ منتخب
کوثریؔ بھی انوری سے کم نہیں

حیدر آباد دکن میں ایک کالج کا علمی جلسہ تھا جس میں بڑے بڑے علماء، فضلا، شعراء شامل تھے۔ میں نے ایک قصیدہ عرفی کے قصیدے پر مگر بزبان اردو کہہ کر اس جلسے میں پڑھا۔ جس کا مقطع یہ ہے۔

کیونکر نہ آسمان سے اونچی ہو شانِ علم
حیدرؓ پھریرا اور نبیؐ ہے نشان علم

دوسرا شعر۔

میدان ذوالفقار دو دم اور علیؓ کا ہاتھ
منبر پہ مصطفیٰؐ کی زباں اور بیان علم

خوب داد ملی۔ اور جلسے کی کارروائی بندے کے ہاتھ رہی۔ حضور نظام دکن میں کلام پہنچا مگر میں نہ پہنچا۔ کیونکہ میں وہاں سے جلدی چلا آیا۔ ایک مرتبہ یہ قصیدۂ علم رامپور کے جلسۂ کالج میں پڑھ کر میں نے دادِ سخن لی تھی۔ سرکار انگریزی کی مدح سرائی کے صلے میں خلعت شاہی، کرسی نشین، ڈسٹرکٹ درباری اسیسر، آنریری رنگروٹنگ آفیسر کے اعزاز اور متعدد سنداتِ زریں ملیں۔ نیز پچاس روپے سالانہ کی جاگیر تاحین حیات عطا ہوئی۔ "تھینکیو" بھی ملا۔

کوثریؔ کیا لاٹ صاحب سے نشانی مانگئے
یاد رکھنے کے لیے کافی ہے ان کا تھینکیو

میرے تمام کلام کے اشعار کی تعداد پچاس ہزار ہوگی۔ جن میں سے تھوڑے شعر وقتاً

نو قتاً اخبارات رسالہ جات میں شائع ہوئے ہیں۔ میرے کلام کو شائع کرنے کے لیے بہت سے نادیدہ مشتاقوں نے لکھا۔ مگر میرا ارادہ ہے کہ اپنے تمام کلام کو کتابی صورت میں خود ہی شائع کروں اور اس توشۂ آخرت سے کچھ دنیا میں بھی فائدہ اٹھاؤں۔ بعض تذکرہ نویسوں نے میرے حالات بھی اشاعت کے لیے مانگے۔ مگر بوجہ کاہلی لکھ نہ سکا۔ اور ان سے شرمندہ رہا۔ اہل اخبارات نے ازراہ قدردانی وحسن ظن مجھ ہیچمداں کے نام کے ساتھ ''فردوسی ہند اور قادرالکلام'' کے معزز خطاب بھی رقم فرمائے۔

میں نے ہر قوم وملت کی نظم لکھی ہے اور ہر ایک قسم کی نظم کہی ہے۔ میری تصانیف بہت ہیں۔ اور سب کی سب مفید وموثر ہیں۔ مضامین تمام نئے ہیں۔ میں نے عہد کیا ہے کہ کوئی پامال شدہ مضمون نہ باندھوں گا اور ارباب سخن جس شعر کو نیا نہ تسلیم کریں گے ان کو نکال دوں گا۔ میں نے 'تحفت بند کاشی'' کو بزمان فارسی تضمین کیا ہے اور حضرت حافظ شیرازی کی بعض غزلیات بھی فارسی میں تضمین کی ہیں۔ فارسی اشعار میں نے شروع شاعری میں کہے تھے۔ اب صرف اردو شعر کہتا ہوں۔

ایک دیوان غیر منقوط ردیف وار محمدؐ وآل محمدؐ کی مدح میں لکھا ہے۔ جس میں اپنا نام دِلّو رام بجائے تخلص لایا ہوں قدرتی غیر منقوط ہے۔ چونکہ قدرت کو منظور تھا کہ میں ایک شاعر بنوں گا اور بے نقطہ شعر بھی کہا کروں گا۔ اس لیے میرے والدین کی زبان سے میرا نام غیر منقوط رکھوا دیا۔

میں نے علماء سے فنِ شعر، علم عروض، اردو فارسی لٹریچر برسوں تک پڑھا ہے۔ مگر شاعری میں کسی شاعر کو اپنا استاد نہیں بنایا۔ کیونکہ ایک عالم ذی علم نے مجھے ہدایت فرمائی کہ کسی شاعر کو استاد نہ بناؤ۔ تم قدرتی ایک بڑے شاعر بنو گے۔ اس لیے کسی شاعر سے اصلاح نہ لی۔ حالانکہ میری ابتدائی شاعری کے زمانے میں حالیؔ، داغؔ، امیرؔ جیسے اساتذہ باکمال موجود تھے۔ اخبارات میں نظمیں دیکھ دیکھ کر نادیدہ قدردانوں نے میرے پاس تقریباً پانچ ہزار خطوط برائے خریداری کلام دس سال کے عرصے میں روانہ فرمائے۔ جو میرے پاس جمع ہیں۔

میری عمر اس وقت ۴۱ سال کی ہے اور تمام ہندوستان میرے نام سے واقف ہے۔ بلکہ دیگر ممالک تک بھی میری نظمیں پہنچی ہیں۔ اور وہاں سے بھی خطوط داد تحسین حاصل ہوئے

ہیں۔ مجھے خدا نے عیوب دنیا سے محفوظ رکھا ہے۔ میں گوشہ نشیں رہنا پسند کرتا ہوں۔ خواب مجھے بہت نظر آتے ہیں۔ اور وہ سب سچے ہوتے ہیں۔ شروع شاعری میں میں نے ایک خواب دیکھا کہ میں سخت تشنہ لب ہوں۔ اپنی والدہ صاحبہ سے میں نے پانی مانگا۔ انہوں نے پانی بتایا۔ مگر وہ پانی سرخی رنگ کا تھا۔ میں نے نہیں پیا اور سیر ہوگیا۔ ایک عالم نے اس کی تعبیر بتائی کہ تم خوب تحصیل علم کرو گے اور رحمت الٰہی تم پر نازل ہوگی۔

پھر میں نے خواب دیکھا کہ بشنوئی مذہب کے بانی مبانی جو ایک صوفی درویش اور سادھو تھے۔ اور جن کا نام ''جاما جی'' تھا۔ موجود ہیں اور چاند آسمان سے نیچے آیا۔ اور میں اس پر اپنا نام لکھ رہا ہوں۔ میں نے ''جاما جی'' سے کہا کہ دِلّو رام کوثری لکھوں یا صرف دِلّو رام؟ انہوں نے فرمایا کہ مع تخلص کے نام لکھو۔ میں نے لکھ دیا۔ پھر چاند آسمان پر گیا۔ اور اس میں میرا نام رقم شدہ چمکتا تھا اور لوگ دیکھتے تھے۔ اس کی تعبیر ایک عالم نے یہ بتائی کہ تمہارا نام تمام جہاں میں روشن ہوگا اور کس طرح کا سکّہ بھی چلے گا۔

کوثریؔ تخلص میں نے خود دہلی میں برف سرائے کے سامنے ٹہلتے ہوئے سوچا تھا۔ یہ تخلص نیا ہے۔ فردوسیؔ کا ہمسایہ ہوں۔ فردوس اور کوثر آس پاس ہیں۔ مگر فردوسیؔ کے بعد کوثریؔ تخلص کسی کو بھی نہ سوجھا۔

قصہ کوتہ خام قصہ رہ گیا
کوثریؔ کا نصف حصہ رہ گیا

حالات بہت ہیں۔ مگر یہ کافی ہیں۔

دِلّو رام کوثری

یکم جون ۱۹۲۴ء

ہندو کی نعت اور منقبت کی ابتدا میں خواجہ صاحب کا دیباچہ درج ذیل الفاظ میں ص ا میں موجود ہے:۔

## ہندو کی نعت

''جناب چودھری دِلّو رام کوثری ساکن ناندوڑی ضلع حصار کا نعتیہ کلام کا رسالہ 'صوفی' اور

اکثر رسائل واخبارات میں چھپا کرتا ہے۔ صحابہ کرام کی شان میں بھی انہوں نے بہت سے منظوم مناقب لکھے ہیں۔ وہ بہت بے تعصب ہندو ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دل میں آنحضرت کی سچی محبت ہے۔

آجکل کے زمانے میں جب کہ آریہ سماج نے ہندو مسلمانوں کے آپس میں جدائی اور عناد کی آگ بھڑکا دی ہے، میں رسالہ صوفی سے اس نعتیہ کلام کو چھانٹ کر شائع کرتا ہوں۔ اس کے بعد چودھری دِلّو رام صاحب کوثری کے مخلصانہ کلام کی جس قدر عزت کرے کم ہے۔ اور میں مسلم قوم کی دلی شکرگزاری ہی ظاہر کرنے کے لیے چودھری صاحب کا یہ کلام شائع کرتا ہوں''

راقم ۔حسن نظامی۔ درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء

ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ جون ۱۹۲۴ء

کتاب کے آخر میں ص ج میں خواجہ صاحب کی مزید عبارت ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

''ہر مسلمان کی خدمت میں عرض ہے''

''کہ جناب چودھری دِلّو رام صاحب کوثری کا کلام اس قابل ہے کہ ہر مسلمان اس کی چند کاپیاں خرید کر مفت تقسیم کرے۔ ایک ہزار کاپیاں میں خود بھی مفت دوں گا۔ چنانچہ میں نے اعلان کر دیا ہے اور غیر مسلم اور مسلم بھائیوں کی بکثرت درخواستیں اس کی طلب میں آرہی ہیں۔ اس کی قیمت بہت کم یعنی صرف ۴ آنے رکھی گئی ہے۔ لیکن جو لوگ مفت تقسیم کرنے کی ۲۵ سے زیادہ جلدیں خریدیں گے ان سے تین آنے فی کتاب لی جائے گی۔ ۲۵ سے کم کی خریداری میں رعایت نہ ہوگی۔

جن مسلمانوں کی نظر سے یہ کتاب گزرے ان پر فرض ہے کہ تھوڑی بہت کتابیں مفت تقسیم کرنے کو خریدیں۔

کوثری صاحب کے کلام کا یہ پہلا حصہ ہے، بعد کے حصے بھی بہت جلد حاصل کر کے شائع کیے جائیں گے۔ خریداروں کو اپنی درخواستیں درج رجسٹر کرا دینی چاہئیں۔

پتہ :۔ حلقہ مشائخ بکڈپو۔ دہلی''

ضروری ہدایت۔ جہاں جہاں آریہ ساجی بھائیوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں بگاڑ پیدا کر دیا ہے وہاں اس کتاب کو تقسیم کرنا بہت ہی ضروری ہے اور اس سے بڑا ثواب ہوگا۔''

راقم۔ حسن نظامیؔ، یوم عید الاضحیٰ ۱۳۴۲ھ

کوثری کا انتقال ۴۸ رسال کی عمر میں منگل کے دن ۲۸ ردسمبر ۱۹۳۱ء کو سرائے محمد شفیع واقع لاہور میں ہوا۔ لاہور کے مشہور اخبار ''انقلاب'' کی اشاعت بابت ۳۱ ردسمبر ۱۹۳۱ء میں مرحوم کے انتقال کی خبر یوں شائع ہوئی تھی:۔

کوثر علی کوثریؔ کا انتقال

''لاہور۔ ۲۸ ردسمبر۔ آج گیارہ بجے قبل از دوپہر سرائے محمد شفیع واقع انارکلی میں چودھری کوثری (سابق چودھری دلّو رام) جو ایک مشہور شاعر تھے۔ حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔آپ تقریباً دو سال سے مشرف باسلام ہوئے تھے۔ مرحوم دو خورد سال لڑکیاں اور ایک لڑکا مسمّی کاظم علی اپنی یادگار چھوڑ گئے۔ آپ کا نعتیہ کلام ملک میں کافی شہرت اور مقبولیت حاصل کر چکا ہے۔ مرحوم کی تجہیز و تکفین مولوی حفظ الرحمٰن صاحب منہاس نے کی اور میانی صاحب کے مشہور قبرستان میں سپرد کیا۔ جنازے کے ہمراہ کافی ہجوم تھا۔ جن اصحاب کے پاس کوثریؔ صاحب کا غیر مطبوعہ کلام ہو وہ اُسے مولوی حفظ الرحمٰن صاحب پیسہ اخبار سٹریٹ کے پتے پر بھیج دیں۔'' (نامہ نگار)

کوثری غزلیں بھی کہتے تھے۔ اور ان میں ان کی طبیعت کے مطابق نعت کی چاشنی بھی ملتی ہے۔ ذیل میں کچھ غزلیں پرانے رسائل کی مدد سے درج کی جاتی ہیں ؎

(۱) صوفی گجرات پنجاب بابت جولائی ۱۹۱۵ء صفحہ ۳۷

نہ میں جنت میں رہتا ہوں نہ میں دنیا میں رہتا ہوں
نہ میں ادنیٰ میں رہتا ہوں نہ میں اعلیٰ میں رہتا ہوں

نہ میں دنیا سے باہر ہوں نہ میں دنیا کے اندر ہوں
نہ میں ساحل پہ رہتا ہوں نہ میں دریا میں رہتا ہوں

نہیں ہے واسطہ گل سے نہیں ہے خار سے مطلب
نہ میں گلشن میں رہتا ہوں نہ میں صحرا میں رہتا ہوں

نہ مندر میں مرا گھر ہے نہ مسجد میں مرا مسکن
نہ میں پنڈت میں رہتا ہوں نہ میں ملّا میں رہتا ہوں

نہ ہندی ہوں نہ چینی ہوں نہ رومی ہوں نہ مصری ہوں
نہ میں بربر میں رہتا ہوں نہ میں لنکا میں رہتا ہوں

نہ میں عاشق کسی کا ہوں نہ میرا کوئی عاشق ہے — نہ میں مجنوں میں رہتا ہوں نہ میں لیلا میں رہتا ہوں
نہ میں تیرتھ کا قائل ہوں نہ میں کعبے پہ مائل ہوں — نہ میں مکّے میں رہتا ہوں نہ میں متھرا میں رہتا ہوں

مکاں کیا کوثری اپنا بتاؤں مرد صوفی ہوں
بسا ہوں آپ اپنے میں اسی دنیا میں رہتا ہوں

(۲) صوفی، بابت اکتوبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۵

نہ کچھ تعلیم آتی ہے نہ کچھ افسانہ آتا ہے — فقط کرنا حسینوں سے ہمیں یارانہ آتا ہے
یہ کس کا محفل پُرنور میں دیوانہ آتا ہے — کہ آگے آگے جو مشعل بکف پروانہ آتا ہے
نبیؐ خم کو جھکاتے ہیں علیؑ ساغر کو بھرتے ہیں — ہمارے واسطے کس شان سے پیمانہ آتا ہے
زہے منصب زہے عزت زہے رندی زہے جذبہ — کہ استقبال رنداں کو چلا میخانہ آتا ہے
نہ ہوا ایسا کہ جل جائے مری تو آہ سوزاں سے — صبا بچ کر نکل جانا مرا غم خانہ آتا ہے
تعالیٰ اللہ یہ فیض عشق بن جاتا ہے وہ کعبہ — ہمارے سامنے جو راہ میں بت خانہ آتا ہے
سلاطین فلک منزل بھی رُک جاتے ہیں چلنے سے — گدائے مصطفیؐ کا جس جگہ کا شانہ آتا ہے
بیاں کرو بیاں کا ہے ٹھہر کے اس سے بھی مل لو — جہاں رہتا ہے دِلّو رام وہ ویرانہ آتا ہے

نبیؐ کے عشق میں اے کوثریؔ یہ رنگ وحشت ہے
ہماری حاضری کے واسطے اب تھانہ آتا ہے

(۳) ذخیرہ، حیدرآباد بابت فروری ۱۹۱۸ء جلد ۶ نمبر ۲ صفحہ ۹۴

واعظ غریب جان کے ہم کو نہ چھیڑنا — بیٹھیں ہیں ہم خموش مگر دل میں جوش ہے
ساقی ہمارے آگے سے ساغر نہ تو اٹھا — بے ہوش ہم نہیں ہیں ابھی تک تو ہوش ہے
کس کو دکھائیں داغ سنائیں کیسے الم — اہل نظر کوئی نہ کوئی اہل گوش ہے
اس عہد میں ہے پیرو ملت خراب وخوار — اب ہے وہی مزے میں کہ جو دیں فروش ہے

اتنا ہی کوثری حق وباطل میں بُعد ہے
چہرے پہ جتنا فاصلۂ چشم وگوش ہے

(۴) نیرنگ خیال لاہور، بابت اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۴

کچھ بعثتِ نبیؐ کے زمانے پہ غور کر — اس دم عرب میں کوئی نہ کالج سکول تھا

ملکِ عرب میں دورِ جہالت تھا ہر طرف
بُوجہل اک نمونۂ قوم جہول تھا
قرآن کی پھر عبارت بے مثل دیکھ تو
یہ سوچ کیسے وقت میں اس کا نزول تھا
اس جہل کے زمانے میں لایا جو یہ کتاب
ثابت ہوا یہ صاف وہ سچا رسولؐ تھا
قرآن کا جواب نہ ہوگا نہ ہے کہیں
کذّاب نے جو لکھا وہ باطل فضول تھا
قرآن کھلا ہے معجزہ اُمّی خطاب کا
کی غور جس نے پھر اسے مطلب حصول تھا
قرآن سب میں پڑھتا ہوں دل خوش ہے کوثریؔ
قرآن بغیر دل مرا ہر دم ملول تھا

(۵) 'صوفی' بابت مئی ۱۹۱۸ء صفحہ ۱۱

دِلّو رام کوثری (حال مہمان سرکار، کلب ہاؤس۔ ریاست رامپور)

بن میں تو رام اور یدھشٹر ہے دربدر
خانہ نشین علی ولی سا ہے شیرنر
دشت بلا میں شور ہے قتل حسینؑ کا
ششدر ہوا ہے یہ ستم چرخ دیکھ کر
حیرت پہ میری کہنے لگا چرخ کج مدار
کیا تجھکو میری خوئے زبوں کی نہیں خبر
دشمن ہوں میں شریف کا ساتھی رذیل کا
حقداروں کو میں رکھتا ہوں محروم سربر
حرف فلک یہ سن کے کہا میں نے اے فلک
نیکوں کی نیکیاں تو مٹیں گی نہ بال بھر
سونے کے جھول سے نہ کبھی ہوگا مِس طِلا
ممکن نہیں جو خیر پہ غالب کبھی ہو شر
باطل کی کچھ بھی چلتی نہیں حق کے سامنے
یہ سچ ہے فتح سچ کی ہے آخر کو جھوٹ پر
ہرسو بجے گا ڈنکا علی و حسینؑ کا
مردان راہ حق کو ہے بطلاں سے کیا ضرر
آخر کو نقل نقل ہے اور اصل اصل ہے
یہ قول کوثری کا ہے برحق یقین کر

(۶) صوفی، بابت مئی ۱۹۲۱ء صفحہ ۲۳

صیّاد کو ہے لاگ مرے آشیاں سے پھر
اٹھے گا کوئی دن میں دھواں بوستاں سے پھر
سو بار وعدے آنے کے تم کر کے پھر گئے
پھر آؤں گا یہ کہنا نہ اپنی زباں سے پھر
ہم بیکسوں سے وعدہ خلافی جو کی تو کیا
بد عہد تو اگر ہے تو پھر آسماں سے پھر
اللہ بے نقط ہے محمد ہے بے نقط
حیراں ہوں میں کہ آیا ہے نقطہ کہاں سے پھر

جو پوچھتا ہے پوچھ لے جب تک ہے زندہ وہ
ہوگی نہ بات کوثریؔ نقطہ داں سے پھر

کوثریؔ نے بعد میں غزلیں کہنا ترک کردی تھیں اور ہمیشہ مذہبی نظمیں کہتے رہے۔

خلاف شریعت سخن ہے اگر — وہ شر ہے وہ شر ہے وہ شر ہے وہ شر
جو کہتے ہیں لاف و گزاف و غزل — دماغوں میں ان کے ہے بے شک خلل
کہوں اور ان کی میں کیا شان میں — مذمت انہیں کی ہے قرآن ہیں

کوثریؔ ہر قسم کے نشے سے نفرت کرتے تھے۔ ایک جگہ کہتے ہیں۔

نہ چنڈو نہ افیون کا شوق ہو — مئے معرفت کا مجھے ذوق ہو

کوثری صوفی ٹائپ کے انسان تھے۔ وہ ایک آزاد منش، صلح کل، روادار اور ہنس مکھ انسان تھے۔ ہندوستان کے صوفیا ان سے والہانہ محبت کرتے تھے اور انہیں اپنی محفلوں میں خراج تحسین پیش کرتے تھے۔ مولوی عبدالمجید صدیقی بادۂ تصوف سے سرشار تھے اور ان کا شمار پنجاب کے مشہور نعت گوشعراء میں ہوتا تھا۔ ان کا کلام بھی مختلف رسالوں میں چھپتا تھا اور وہ کوثری کے انداز فکر و بیان سے بے حد متاثر تھے۔ ان کی ایک دلچسپ اور بے ساختہ نظم ''صوفی'' بابت دسمبر ۱۹۱۵ء نمبر ۸۴ جلد ۱۴ میں چھپی تھی جس میں کوثریؔ کی مدح میں رطب اللسان ہیں۔ نظم اس طرح درج ہے۔

نذر صدیقی بنام کوثریؔ

از

عاشق کلام کوثری۔ مولوی عبدالمجید صدیقی

کس قدر دلکش ہے انداز بیان کوثریؔ — آپ کوثر سے ہے تر گویا زبان کوثریؔ
مرحبا اے وسعت فکر و گمانِ کوثریؔ — حبذا اے خوبی نطق روان کوثریؔ
ہے کلام کوثری میں خاص شان کوثریؔ — واہ وا اے خامۂ گوہر فشان کوثریؔ
سنگریزوں میں نشاں ملتا ہے ہیرے کا اگر — ہندوؤں میں ڈھونڈئے نام و نشان کوثریؔ
مرحبا کہتا ہے میدان سخن کا ہر ہدف — جب کہ چڑھ جاتی ہے چلّے پر کمان کوثریؔ
کوثری ہے عاشق صادق رسول اللہ کا — یا خدا ہو بہر احمدؐ مہربان کوثریؔ

صاحب کوثر کا چونکہ کوثری ہے مدح خواں — ہوگیا ہوں اس لیے میں مدح خوان کوثرؔی

کوئی گر پوچھے تو صدیقی بتا دیجو اسے
ہے پتہ میرا یکے از عاشقان کوثرؔی

اس نظم کا جواب کوثرؔی نے 'صوفی' بابت فروری ۱۹۱۶ء صفحہ ۳۴ میں اس طرح دیا ۔

"نذر صدیقی کا شکریہ"

نذر صدیقی کے صدقے لاکھ جان کوثری — کیوں کہ ہے وہ صدق دل سے قدردان کوثری
حضرت صدیق اکبر کا تصدق اے خدا — شاد صدیقی ہو جو ہے مہر بان کوثری
پانچ پانچ ان دونوں میں جو حرف ہیں ثابت ہے یہ — شانِ صدیقی رہی ہے جو ہے شان کوثری
اس کو مہماں اپنے گھر کرنے سے میں مجبور ہوں — اے خوشا طالع کہ ہو وہ میزبان کوثری
بولنے کا حکم بھی مجھ کو نہیں ہے بزم میں — ورنہ اک دن میں سناؤں داستان کوثری
درد یا درماں ہے جو کچھ ہے غرض دل ہی میں ہے — راز سر بستہ ہوا ہے راز دان کوثری

بے یقینوں کو مرا ہرگز پتہ ملتا نہیں
قلب صدیقی ہے دنیا میں مکان کوثری

کوثرؔی نے خودنوشت حالات میں لکھا ہے کہ وہ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ اس کی تائید "صوفی" بابت جنوری ۱۹۱۶ء صفحہ ۳ سے ہوتی ہے۔ غزل یہ ہے ۔

دل رابہ مصر حسن حسینان فروختیم — دیوانہ را چو یوسفِ کنعاں فروختیم
دل را بہ ہیچ کاکل پیچاں فروختیم — یکساں فروختیم نہ ارزاں فروختیم
مارا نماند ہیچ غم ہدہد جہاں — بلقیس را بدست سلیماں فروختیم
بعد از فنا بگور دماغ بکا کجاست — شور فغاں بشہر خموشاں فروختیم
اے چرخ برحصولی ما آفریں بکن — ماغم خریدہ ایم ودل و جاں فروختیم
مارا شکم اجازتِ دنیا ودیں نہ دار — گہہ ایں فروختیم وگہے آں فروختیم

پرسی چہ کوثری صلۂ شعر و شاعری
فلفل[1] بہ ہندو قند بہ ویراں فروختیم

---

[1] مراد از کلام اردو

کوثری نعت گوئی میں صاحب کمال شاعر تھے۔ انہیں اس صنف سخن میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ خواجہ حسن نظامی انہیں قادر الکلام شاعر سمجھتے تھے۔ اگرچہ وہ پنجاب کے دیہاتی ہندو تھے لیکن زبان ان کی کوثر و تسنیم سے گویا دھلی ہوئی تھی۔ انداز بیان حیرت انگیز تھا۔ کلام میں سادگی، روانی اور شگفتگی کے چمن مہکتے نظر آتے ہیں۔ نعتوں میں چھوٹی چھوٹی بحروں کا انتخاب کیا ہے۔ محمدؐ و آل محمدؐ سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے۔ فخر سے کہتے تھے ۔

کیا پہنچا مسیحا جو فلک پر پہنچا — مقصود کو اپنے نہ سکندر پہنچا
اللہ غنی کوثری ایسا چالاک — گنگا سے جو پھسلا لب کوثر پہنچا

ذیل میں کوثری کی چند نعتوں کی فہرست درج کی جاتی ہے اور بعد میں وہ نعتیں پیش کی جائیں گی جو راقم الحروف کو مختلف رسالوں میں دستیاب ہوئیں تا کہ ایک جا محفوظ رہ سکیں ۔

گلستاں اور بیاباں میں تو ہی تو ہے تو ہی تو ہے — دل رنجور و شاداں میں تو ہی تو ہے تو ہی تو ہے
مسدس میں مخمس میں رباعی میں تغزل میں — غرض ہر ایک دیواں میں تو ہی تو ہے تو ہی تو ہے
تھا مجھے عشق محمدؐ جب کہ یہ عالم نہ تھا — بس خدا ہی تھا خدا حوا نہ تھی آدم نہ تھا
مدینے میں مجھ کو بلا یا محمدؐ — ذرا اپنا کوچہ دکھا یا محمدؐ
عظیم الشان ہے شانِ محمدؐ — خدا ہے مرتبہ دانِ محمدؐ
شہنشاہ اعظم محمدؐ محمدؐ — رسولؐ دو عالم محمدؐ محمدؐ
کرائے ہندو بیاں اس طرز سے تو وصف احمدؐ کا — مسلماں مان جائیں لوہا سب تیغ مہند کا
اللہ غنی رونق بازار محمدؐ — معبود جہاں بھی ہے خریدار محمدؐ
ہم مرد ہیں اور عشق ہے مردانہ ہمارا — محبوب الٰہی سے ہے یارانہ ہمارا
ہندو سمجھ کے مجھ کو جہنم نے دی صدا — میں پاس جب گیا تو نہ مجھ کو جلا سکا
جس دم دبایا مجھ کو گناہوں کے بار نے — میں شافع گنہ کو لگا پھر پکارنے
محشر میں دی فرشتوں نے داور کو یہ خبر — ہندو ہے ایک احمدؐ مرسل کا مدح گر
نئی نعت لکھوں نیا سال ہے — کہ نو روز سے جی بھی خوشحال ہے
مجھے نعت میں شادمانی میں رکھا — کہ مصروف شیریں زبانی میں رکھا

کوثری تنہا نہیں ہے مصطفیٰؐ کے ساتھ ہے
جو نبیؐ کے ساتھ ہے وہ کبریا کے ساتھ ہے
لے کے دِلورام کو حضرت گئے جنت میں جب
غل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے
روا جس سے ہو کام نام علیؑ ہے
دل و جاں کا آرام نام علیؑ ہے
یا علیؑ مرتضیٰ اے رازدان مصطفیٰ
مصطفیٰ کے بعد تیرا ہے مکان مصطفیٰ
پوچھا جو حق نے کہ تم دنیا میں کیا کرتے رہے
کہہ دیا ہم نے ثنائے مصطفیٰ کرتے رہے

○

دِلّو رام کوثری کی نعت گوئی نے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ لوگوں نے استفسار کیا کہ عشق محمدی کب سے ہوا۔ چونکہ ہر ایک کو علاحدہ خط لکھ کر مطمئن کرنا مشکل تھا، اس لیے انہوں نے 'صوفی' کے ذریعہ لوگوں کو مطلع کیا۔ 'صوفی' نمبر ۱۸ جلد ۱۴، بابت ستمبر ۱۹۱۶ء صفحہ ۳

جناب ایڈیٹر صاحب رسالہ صوفی — تسلیم بصد تکریم

مجھ ہیچمداں کا ٹوٹا پھوٹا کلام جو مدح محمدؐ و آل محمدؐ و اصحاب محمدؐ میں وقتاً فوقتاً اخبارات ورسالہ جات کے ذریعہ سے شائع ہوتا ہے اس کو پڑھ کر بعض احباب استفسار فرماتے ہیں، اس عشق نبوی وخلوص بزرگان دین کا شوق آپ کو کب سے ہے۔ لہٰذا رسالہ صوفی کی معرفت جواباً ذیل کے اشعار پیش کرتا ہوں۔ امید ہے جناب چھاپ دیں گے۔

خاکسار۔ دِلّو رام کوثری

## عشق محمد

تھا مجھے عشق محمدؐ جب کہ یہ عالم نہ تھا
بس خلا ہی تھا خلا ہوا نہ تھی آدم نہ تھا
چاند سورج آسماں تارے زمیں دریا نہ تھے
گل نہ تھا گلشن نہ تھا اور قطرۂ شبنم نہ تھا
انقلابِ دہر کا قانون تھا حرفِ فنا
تھی خوشی معدوم بالکل اور پیدا غم نہ تھا
دفتر پیدائش واموات قطعی بند تھا
محفل شادی نہ تھی اور خانۂ ماتم نہ تھا
برہم ودرہم مرقع تھا جہانِ ہیچ کا
بادشاہ کوئی نہ تھا اور سکّۂ درہم نہ تھا
آب و آتش صنعت تحلیل میں محلول تھے
خاک میں یہ خاکساری اور ہوا میں دم نہ تھا

عاشق ومعشوق کا راز محبت تھا نہاں　　مونس وہمدم نہ تھا اور آشنا محرم نہ تھا

کوثری اس وقت بھی تھا مجھ کو عشق مصطفیٰؐ
آج کل جیسا ہے عشق ایسا ہی تھا کچھ کم نہ تھا

صوفی، نمبر ۸۲ جلد ۱۴ بابت اکتوبر ۱۹۱۵ء

مدینے میں مجھ کو بلا یا محمدؐ　　ذرا اپنا کوچہ دکھا۔ یا محمدؐ
نہ فرقت میں مجھکو رُلا یا محمدؐ　　نہ عاشق کو اپنے ستا یا محمدؐ
مجھے لوگ کہتے ہیں دیوانہ تیرا　　کہوں اور کیا ماجرا یا محمدؐ
نہ کھولوں گا برق تجلی سے آنکھیں　　تصور ہے تیرا سدا یا محمدؐ
خدا تیرا عاشق تو عاشق خدا کا　　میں تم دونوں پر ہوں فدا یا محمدؐ
خدا کی خدائی میں تجھ سا نہیں ہے　　تو یکتا ہے بعد از خدا یا محمدؐ
نہیں بادشاہوں کی کچھ مجھ کو پروا　　ترے در کا ہوں میں گدا یا محمدؐ
نہ رندوں سے صحبت نہ زاہد سے رغبت　　مرا حال کیا یہ ہوا یا محمدؐ
تمہاری بدولت خدا مجھ کو بخشے　　ہو مقبول میری دعا یا محمدؐ

ترا کوثریؔ رہتا ہے ہندوؤں میں
ہے ظلمت میں آب بقایا محمدؐ

صوفی، نمبر ۸۴ جلد ۱۴ بابت دسمبر ۱۹۱۵ء صفحہ ۲۵

شہنشاہ اعظم محمدؐ محمدؐ　　رسول دو عالم محمدؐ محمدؐ
زباں کا یہی ہے اشارہ لبوں کا　　کہیں مِل کے باہم محمدؐ محمدؐ
بہ ہنگام معراج چرچا یہی تھا　　فلک پر تھا پیہم محمدؐ محمدؐ
وہ ہے ابن آدم پہ ہے فخر آدم　　مکرم معظم محمدؐ محمدؐ
یہ دعویٰ سے کہتا ہوں سب کو سنا کر　　خدا کا ہے محرم محمدؐ محمدؐ
اگر چہ نبیؑ آخری ہے ولیکن　　ہے سب سے مقدم محمدؐ محمدؐ
رہائی ہو غم سے اگر کوئی بندہ　　پکارے دم غم محمدؐ محمدؐ
ہے لازم کہ ہر ایک مسلم کہے یوں　　نبیؑ ہے مسلم محمدؐ محمدؐ

صلہ ہو یہی نعت گوئی کا میری خدا خوش ہو خرم محمدؐ محمدؐ
الٰہی مرے منہ میں جب تک زباں ہو زباں پر ہو ہردم محمدؐ محمدؐ

وظیفہ یہی کوثری جی ہے اپنا
جپا کرتے ہیں ہم محمدؐ محمدؐ

صوفی نمبر ۸۸ جلد ۱۵ بابت اپریل ۱۹۱۶ء صفحہ ۳

اللہ غنی رونق بازار محمدؐ معبود جہاں بھی ہے خریدار محمدؐ
آیا ہے حدیثوں میں نبیؐ نور خدا ہے اللہ کا دیدار ہے دیدار محمدؐ
پھر کس لیے یارب میں پیوں داروئے صحت اچھا ہے مسیحا سے بھی بیمار محمدؐ
کیا مجھکو ضرورت ہے کہ قرآن پڑھوں میں ہے یاد مجھے مصحف رخسار محمدؐ
میں کون ہوں کیا شے ہوں مری گنتی وہاں کیا جبرئیل سے ہیں خادم سرکار محمدؐ
ہے جنس معاصی کا صلہ نقد شفاعت زاہد سے رہا اچھا گنہگار محمدؐ
خالی کسی صورت میں بھی وہ جا نہیں سکتا بخشش کا جو امت سے ہے اقرار محمدؐ
سادات زمانے میں جہاں جاؤ وہاں ہیں کیا باغ جہاں میں بسا گلزار محمدؐ
سنتا ہوں کہ کہتے ہیں یہی دیکھنے والے اللہ کا دربار ہے دربار محمدؐ

کچھ عشق پیمبرؐ میں نہیں شرط مسلماں
ہے کوثری ہندو بھی طلبگار محمدؐ

صوفی نمبر ۸۸ جلد ۱۴ بابت مارچ ۱۹۱۶ء صفحہ ۳

کرائے ہندو بیاں اس طرز سے تو وصف احمد کا مسلماں مان جائیں لوہا سب تیغ مہند کا
جدا کب لام دِلّو رام ہے میم محمدؐ سے تعلق سو طرح کا ہے مشدّد سے مشدّد کا
محمدؐ اور دِلّو رام میں نقطہ نہیں کوئی کہ ہے مداح اور ممدوح میں یہ ربط کس حد کا
کبھی گنگا میں آ ڈوبا کبھی کوثر پہ جانکلا پتہ کچھ بھی نہیں مخصوص درویش مجرد کا
یہی ہر چار عنصر کا اشارہ ہے کہ لے رستہ مدینے کا نجف کا کربلا کا اور مشہد کا
محمدؐ کی شفاعت پر یقیں تھا نعت گویوں کو کسی نے قافیہ باندھا نہیں اب تک خوشامد کا

لکھوں کیا کوثری میں کون سا قصہ ہے اب باقی

## محمدؐ جب خدا کا ہے خدا جب ہے محمدؐ کا

صوفی، نمبر ۹۰ جلد ۱۵ بابت جون ۱۹۱۶ء صفحہ ۳

ہم مرد ہیں اور عشق ہے مردانہ ہمارا — محبوب الٰہی سے ہے یارانہ ہمارا
کیا پوچھتے ہو کوثر و فردوس کا قصہ — یہ باغ ہمارا ہے وہ میخانہ ہمارا
محشر میں بچالیں گے نبیؐ مجھکو یہ کہہ کر — چھیڑو نہ اِسے یہ تو ہے دیوانہ ہمارا
کیا اے فلک پیر ترا خوف کریں ہم — باہر تری گردش سے ہے کا شانہ ہمارا
کیوں ساقی گردوں تو مری کرتا ہے دعوت — تجھ سے نہ بھرا جائے گا پیمانہ ہمارا
آقا ہے نبیؐ اور علیؑ اپنا ہے مولا — ملتا ہوا سلماں سے ہے افسانہ ہمارا

کندن ہے وہی کوثریؔ جو خاک میں دمکے
اس واسطے ہے بھیس فقیرانہ ہمارا

صوفی، نمبر ۹۱ جلد ۱۵ بابت جولائی ۱۹۱۶ء صفحہ ۳

ہندو سمجھ کے مجھ کو جہنم نے دی صدا — میں پاس جب گیا تو نہ مجھ کو جلا سکا
بولا کہ تجھ پہ کیوں مری آتش ہوئی حرام — کیا وجہ تجھ پہ شعلہ جو قابو نہ پا سکا
کیا نام ہے تو کون ہے مذہب ترا ہے کیا — حیراں ہوں میں عذاب جو تجھ تک نہ جاسکا
میں نے کہا کہ جائے تعجب ذرا نہیں — واقف نہیں تو جو مرے دل شناس[1] کا
ہندو ہوں میں مگر ہوں ثنا خوان مصطفیٰؐ — اس واسطے نہ شعلہ تیرا مجھ تک آسکا

ہے نام دِلّو رام تخلص ہے کوثریؔ
اب کیا کہوں بتادیا جو کچھ بتا سکا

ذخیرہ، حیدرآباد بابت جولائی اگست ۱۹۱۷ء صفحہ ۱۸۴

کیوں کر نہ آسمان سے اونچی ہو شانِ علم — حیدرؓ پھریرا اور نبیؐ ہے نشان علم
درپیش مدح علم رسولؐ علیم ہے — کرتا ہے ناز خامۂ زمزم چکان علم
گونگا تھا علم قبل پیمبرؐ جہان میں — نطق نبیؐ نے کھول دی آکر زبان علم

---

[1] یہاں قافیہ کی صفت ہے یعنی شناس کا۔ اس میں 'کا' الگ ہے۔ ناس الگ ہے۔ احتیاطاً عرض کیا گیا۔
(خاکسار: دلو رام کوثری)

امّی لقب اگرچہ تھا مختار خلق کا
لیکن زبان شاہ تھی رطب اللسان علم

صدر علوم صدر رسول حجاز تھا
علم ان کا رازدان تھا وہ رازدان علم

کیا علم دیں نبیؐ نے کیا آ کر آشکار
جاہل جو تھے قریش ہوئے ترجمان علم

محبوب ذوالجلال کی تعلیم دیکھئے
دشت عرب میں آئی بہار جنان علم

کس وقت جسم علم میں پھونکی نبیؐ نے روح
بوسیدہ اور شکستہ تھے جب استخوان علم

در مرتضٰی ہے اور نبی شہر علم ہے
اک ہے زبانِ علم اور اک ہے دہان علم

استاد تو رسولؐ ہے شاگرد ہے امام
یہ ہے جہان علم وہ جان جہان علم

میداں میں ذوالفقار دودم اور علیؑ کا ہاتھ
منبر پہ مصطفٰیؐ کی زباں اور بیان علم

عرفؔی سے فارسی میں عجم علم میں سنی
سن کوثری سے اردوئے ہندوستان علم

ذخیرہ، جلد ۵، نمبر ۵، ۶ بابت نومبر و دسمبر ۱۹۱۷ء صفحہ ۲۳۴

## نغمۂ نعت (۲۹ شعر)

مجھے نعت نے شادمانی میں رکھا
کہ مصروف شیریں زبانی میں رکھا

میں لکھتا رہا نعت اور حق نے شب بھر
قمر کو مری پاسبانی میں رکھا

نہیں اختیار اب سے کوئی نعت گوئی
یہی شغل ہم نے جوانی میں رکھا

در مصطفٰیؐ کی ملے گر گدائی
تو پھر کیا ہے صاحبقرانی میں رکھا

محمدؐ کو بے سایہ حق نے بنایا
یہ پہلو نشاں نقش ثانی میں رکھا

جو ذرہ اڑا شہ کی گرد قدم کا
زمانے نے تاج کیانی میں رکھا

نہ کر آفتاب فلک اتنا غرہ
کہ تجھ کو بھی ہے دار فانی میں رکھا

بظاہر تو جلتا ہے پر حیف تیرا
نہیں حصہ سوز نہانی میں رکھا

در حضرت مصطفٰیؐ مجھ کو بخشا
تجھے منزل آسمانی میں رکھا

تو ہے در بدر گردش آسماں سے
مجھے حلقۂ مہربانی میں رکھا

نبیؐ کے ہوئے نعت گو دو برابر
کہ دونوں کو اک مدح خوانی میں رکھا

ہے حسّان پہلا تو میں دوسرا ہوں　　نہیں فرق اول میں ثانی میں رکھا
خدا نے اُسے سونپی محفل عرب کی　　مجھے بزم ہندوستانی میں رکھا
اِسے سیر دکھلائی دشت بیاں کی　　مجھے غرق بحر معانی میں رکھا
عرب میں وہ صحرائے قدرت سے پہنچا　　مجھے ریگ ہی کی روانی میں رکھا
میں کوثر سے پنجاب میں آیا یارو　　مجھے حق نے پانی ہی پانی میں رکھا

لکھیں کوثریؔ عمر بھر ہم نے نعتیں
نہ کچھ اور غم زندگانی میں رکھا

سالار جنگ میوزیم حیدر آباد میں کوثری کی جو تصانیف ہیں ان کی تفاصیل یہ ہیں:-

آب کوثر　　مطبوعہ باہتمام سید جعفر شاہ جیلانی

کل صفحات ۶۴۔ صفحہ ۳ سے صفحہ ۲۹ تک بارہ جام یعنی محمدؐ وآل محمد کی تعریفیں ہیں۔ پھر اس کے بعد مناقب ہیں۔ نواں جام میں اپنے رشتہ داروں کی ہدایت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ ان اشعار سے کوثری کی مذہبی عقیدت بھی نمایاں ہوتی ہے اور مثنوی میں میر حسن کا رنگ اختیار کیا ہے کہتے ہیں ؎

الٰہی بحق جناب حسنؑ　　رہ حق پہ ہوں میرے بھائی بہن
الٰہی بخون جناب حسینؑ　　ادھر سے ادھر ہوں مرے والدین
الٰہی پے باقر خوش سیر　　نظر رحم کی کر مری قوم پر

اس میں ۲۷ بند کا ایک مسدس ''جنت البقیع'' کے نام سے ہے۔ مطلع یہ ہے ؎

کیا جنت البقیع کی شان رفیع ہے　　برج فلک ہر ایک مزار بقیع ہے
چھپ جائے عرش جس میں وہ دامن وسیع ہے　　بارہ مہینے سیر بہار ربیع ہے

خلد نہم جہاں میں یہی ارض پاک ہے
کحل البصر یہیں کی زمانے میں خاک ہے

قرآن اور حسینؑ۔ کوثری کا بے مثال مرثیہ ہے۔ اس میں ۷۷ بند ہیں۔ آخری بند یہ ہے ؎

کہنے لگا یزید غبی سن کے یہ بیاں　　اس گھر کی لڑکیاں بھی ہیں صد فخر مرسلاں
اب کوثریؔ خدا سے دعا کر بصد فغاں　　دنیا میں آخرت میں خداوند دو جہاں

قرآن واہل بیت مرے پیشوا رہیں
میں ان سے ہوں جدا نہ یہ مجھ سے جدا رہیں

کتاب میں ''قرآن کھلا معجزہ''، ''صبر حسینؑ'' اور ''مدح حضرت فاطمۃ زہرا خاتون جنت'' تین نظمیں بھی شامل ہیں۔ کتاب کے سرورق پر یہ عبارت درج ہے۔

''قرآن اور حسینؑ'' من تصنیف شاعر مشہور ومعروف فردوسی زماں حسان الہند، قادر الکلام عالی جناب جناب چودھری دِلّو رام کوثری۔ متوطن لانڈھیری سکھ نمبراں ضلع حصار حال وارد لاہور، جس کو سید ہاشم علی شاہ گیلانی ساکن جوٹیاں ضلع سیالکوٹ حال مقیم بیرون دہلی دروازہ، پروپرائٹر شاہی کتاب خانہ لاہور۔''

ذیل میں کوثری کا مرثیہ ''قرآن اور حسینؑ'' درج کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن اور حسینؑ برابر ہیں شان میں — دونوں کا رُتبہ ایک ہے دونوں جہان میں
کیا وصف اُن کا ہو، کہ ہے لُکنت زبان میں — پیہم ندا یہ غیب سے آتی ہے کان میں
قرآں کلامِ پاک ہے شبیرؑ نور ہے
دونوں جہاں میں دونوں کا یکساں ظہور ہے

قرآں ہے فائقِ کتبِ جملہ انبیا — شبیر ہے تمام شہیدوں کا پیشوا
اِک نورِ ذوالجلال ہے اک وحیِ کبریا — دونوں عزیزِ خلق ہیں یکساں ہے مرتبا
ہر دم نیا کلامِ خدا لا کلام ہے
ذکرِ غمِ حسینؑ بھی تازہ مُدام ہے

ہادی ہے ایک، ایک ہدایت کی ہے کتاب — سرور ہے ایک، ایک فضیلت کی ہے کتاب
ہے اِک امام، ایک رسالت کی ہے کتاب — حضرت کا یہ نواسہ وہ حضرت کی ہے کتاب
اِن دونوں پر تمام فضائل تمام ہیں
دونوں یہ بوسہ گاہِ رسولؐ انام ہیں

شبیرؑ بے مثال ہے قرآں ہے لا جواب — اک ان میں منتخب ہے تو اک ان میں انتخاب
ہیں خانۂ خدا میں رسولؐ فلک جناب — اس زانوں پر حسینؑ ہیں اُس زانو پر کتاب

قرآں ہے اُس بغل میں حسین اس بغل میں ہیں
دونوں شریک آپ کے علم وعمل میں ہیں

قرآں کے مرتبے کو ترقی ہے گرمدام — نامِ حسینؑ بڑھتا ہے دنیا میں صبح وشام
قرآنِ حق نما ہے اگر آخر کلام — نسلِ حسینؑ پر بھی امامت ہوئی تمام

پیدا ہوئے امام اماموں سے اس طرح
قرآن نقل کرتے ہیں قرآں سے جس طرح

بیشک ہے بے زوال کمال ان کا' حق گواہ — اِک مہر نیمروز ہے اک ماہِ نیم ماہ
تشبیہ ہمدگر ہیں نہیں اس میں اشتباہ — والشمس والضحیٰ ہیں' جبین وجمالِ شاہ

بسم اللہ کی شبیہہ ہیں اَبرو حسینؑ کے
واللیل کا ظہور ہیں گیسو حسینؑ کے

قرآں اگر حسینؑ کو کہئے تو ہے بجا — اصغرؑ دلِ حسینؑ ہے یٰسین کبریا
یوسف کا سورہ ہے علی اکبرؑ سامہ لقا — سقائے آل سورۂ کوثر ہے واہ وا

الکہف اگر حبیب امامِ غیور ہے
حُرِ دلیر سورۂ توبہ ضرور ہے

الفتح ہے حسنؑ کا پسر قاسمؑ حسین — الحمدالحدید ہوئے زین العابدینؑ
شہ کی سکینہؑ سورۂ طٰہٰ ہے بالیقیں — زینبؑ کی شان سورۂ مریمؑ سے کم نہیں

بلقیس کا جو ذکر ہے قرآنِ پاک میں
بانوؑ یہاں ہے خیمۂ سلطانِ پاک میں

مخصوص گرمہِ رمضاں وحی سے ہوا — ماہِ محرم اِن کے لیے ہے پئے عزا
قرآں کا جیسے ذکر ہے عالم میں جابجا — ویسے ہی ہے حسینؑ کا دنیا میں تذکرا

ذکر اِن کا فرحناک ہے اور دردناک ہے
قرآں بھی پاک ہے' شہِ والا بھی پاک ہے

قرآنِ پاک' عرش کا نقش ونگار ہے — تو گوشوارہ اس کا شہِ نامدار ہے
قرآں کا جو شرف وہی شہ کا وقار ہے — دونوں سے قرب خالقِ لیل ونہار ہے

روح القدس جو وحی الٰہی کو لاتے تھے
جھولا جھلا کے سبطِ پیمبرؑ کا جاتے تھے

قرآنِ پاک لوح پہ محفوظ ہے اگر　　تو نام پاکِ شہ بھی ہے مرقوم لوح پر
دونوں کے وصف کے لیے ازراہِ صد ہنر　　پیدا قلم نے کیں دو زبانیں بہ کروفر
دونوں کی ایک بھی نہ فضیلت رقم ہوئی
سو بار گو زبانِ قلم بھی قلم ہوئی

قرآن اور حسینؑ ضیا وظہور ہیں　　منظورِ خلق اور قبولِ غفور ہیں
دونوں یہ پھول ہیں اور نُور نُور ہیں　　دونوں نبیؐ کے قلب و جگر کا سرور ہیں
دونوں کا رتبہ ایک ہے اور ایک شان ہے
قرآں کی جاں حسینؑ ہیں وہ اِن کی جان ہے

دونوں یہ حق کے مطہر و مظہر ہیں خلق میں　　پاک و عظیم و افضل و اطہر ہیں خلق میں
یہ حجت و دلیل پیمبرؑ ہیں خلق میں　　گویا ثبوتِ ہستی داور ہیں خلق میں
پر جس طرح یہ فضل و مناقب میں ایک ہیں
ویسے ہی دونوں رنج و مصائب میں ایک ہیں

دونوں شہید راہِ خدائے انام ہیں　　دونوں ذبیح تیر و سنان وحسام ہیں
دونوں اسیر رنج وبلا لا کلام ہیں　　اِن دونوں پر تمام مصائب تمام ہیں
دونوں غریب و بیکس و زارو نزار ہیں
دونوں ازل سے فدیۂ پروردگار ہیں

کیا کیا سہے زمیں پہ انہوں نے غم و محن　　صدمے سے ہے خمیدہ سرِ گنبدِ کُہن
کیا ظلم اُن پہ کر گئے اعدائے پُرفتن　　قرآں کی جلد اُتاری شہِ دیں کا پیرہن
قرآں جلایا نعثلِ طاغی نے وا دریغ!
خیمہ جلایا لشکرِ باغی نے وا دریغ!

شیرازہ توڑا مصحفِ انور کا ہائے ہائے　　ویراں تمام گھر کیا سرور کا ہائے ہائے
مضموں بگاڑا مصحفِ مطہر کا ہائے ہائے　　اور خوں بہایا سبطِ پیمبرؑ کا ہائے ہائے

اُڑ کر ورق کتاب کے گرجا بجا ہوئے
پیوندِ جاں حسینؑ کے دم سے جدا ہوئے

قرآں کو پارہ پارہ کیا وامصیبتا    تن شہ کا ٹکڑے ٹکڑے کیا وامصیبتا
نیزہ پہ تھا کلامِ خدا وامصیبتا    سرور کا سرسناں پہ چڑھا وامصیبتا
قرآں تو چاک اور سرشہ قلم ہوا
بعد از رسولؐ دونوں پہ یکساں ستم ہوا

دونوں پہ ظلم کر گئے کیا کیا نہ کچھ شریر    فریاد وا دریغ کہ برسائے سنگ و تیر
یہ قدر ان کی تھی پسِ پیغمبرؐ قدیر    اُمت انہیں سمجھتی تھی معیوب اور حقیر
قرآن پڑھنا ان کے لیے بدو طیرہ تھا
نامِ حسینؑ لینا گناہ کبیرہ تھا

بعض ایسے بھی تھے بادۂ غفلت پیے ہوئے    دشمن تھے شہ کے وحی پہ تھے دل دیئے ہوئے
یٰسیں گلے میں تیغ حمائل کیے ہوئے    الحمد لب پہ ہاتھ میں خنجر لیے ہوئے
آتا ہے ہول ان کے عقیدہ کے حال سے
قرآن حفظ کرتے تھے لڑتے تھے آلؑ سے

القصہ دونوں کو ہے بہر حال ہمسری    رنج و سرور میں ہے برابر برابری
جو کچھ سنا ہے تم نے نہیں یہ سخنوری    یعنی تھی مبتلائے خطا فہم کوثری
پیہم ندا یہ غیب سے آتی ہے کان میں
قرآن سے حسینؑ زیادہ ہیں شان میں

حاصل مجھے کلام میں حسن قبول ہے    انصاف سے کہوں کہ تعلّی فضول ہے
قرآں ہے فرع اور امامت اصول ہے    بے اصل شاخ ہے نہ ثمر ہے نہ پھول ہے
قرآن سے امام مقدم ہیں اس طرح
اول ہے اصل فرع سے عالم ہیں جس طرح

قرآں میں وصفِ سبطِ نبیؐ ہے لکھا ہوا    ممدوح کا ہے مدح سے رتبہ بڑھا ہوا
ہے رحل پر کلامِ مقدس دھرا ہوا    دستِ نبیؐ پہ ہے گل زہراؑ کھلا ہوا

قرآں بغل میں دوش پہ زہراؑ کا لال ہے
قرآن سے حسینؑ کا رتبہ کمال ہے

سجدہ میں آیہ پڑھتے ہیں سلطانِ انبیا ہے پشت پر سوار نواسا جناب کا
اب کیا کہوں کہ دیکھ لو تم آپ ماجرا قرآں ہے نیچے اور ہے اوپر شہ ہُدا
قرآں سے بھی نبیؐ نے جسے محترم رکھا
سینہ پہ اس کے شمر نے اک دن قدم رکھا

قرآں ہے صامت اور ہے ناطق شہ انام خامش پہ ہے کلیم کو ترجیح لا کلام
وہ عرشِ حق سے فرش پہ نازل ہوا تمام یہ عرش پر زمیں سے گئے باصد احترام
شہ کو عروج' وحی کو پستی پسند ہے
قرآن سے حسینؑ کا رتبہ بلند ہے

روزوں کا تھا مہینہ جو نازل ہوئی کتاب شعباں میں ہے ولادتِ شاہِ فلک جناب
شعباں ہے پہلے یا رمضاں کیجئے حساب اول ہوئی کتاب کہ فرزند بو ترابؑ
شعبان جیسے پہلے ہے ماہِ صیام سے
ویسے ہی ہے حسینؑ مقدم کلام سے

قرآں ہے وحیِ حق' پہ نوشتہ ہے خلق کا سرور ہے وہ صحیفہ کو خود حق نے ہے لکھا
بے جاں ہے وحی' حی ہے زندہ شہ ہُدا قرآں ہے جسم' جان ہے مقتولِ کربلا
واقف ہر ایک صاحب عقل و تمیز ہے
یعنی عزیز جسم سے جانِ عزیز ہے

نور خدا امام' کلامِ خدا کتاب اول کہوں میں کس کو یہ دشوار ہے جناب
انسان پہلے بنتا ہے پھر کرتا ہے خطاب اس کے سوا یہ سوجھا ہے آسان اک حساب
یہ تیسرا امام وہ چوتھی کتاب ہے
اول ہے تین چار سے سیدھا حساب ہے

قرآنِ کبریا ہے تلاوت کے واسطے شبیرؑ خوش لقا ہے نظارت کے واسطے
یعنی دہن ہے وحی کی قرأت کے واسطے آنکھیں بنی ہیں شہ کی زیارت کے واسطے

منھ سے یہی اشارۂ چشمِ بلند ہے
قرآن سے حسینؑ کا رتبہ وہ چند ہے

ہیں ایسے ایسے اور بھی مضموں ہزارہا — کرسکتی ہے بیاں جنھیں فکر خوش و رسا
لیکن تمام سے یہی آخر ہے مُدّعا — افضل کتابِ حق سے ہے سلطانِ کربلا
حرمت کلامِ حق کی شہ دیں کے ہاتھ ہے
قرآن اور حسینؑ کا ہر وقت ساتھ ہے

فرما گئے ہیں خود یہ دمِ نزع مصطفےؐ — قرآن واہلِ بیت نہ ہوں گے کبھی جدا
مصداق اس حدیث کے ہیں شاہِ کربلا — نیزہ پہ بھی حسینؑ نے قرآنِ حق پڑھا
غافل ہے جس کو شک ہے حدیث رسولؐ میں
قرآن حسینؑ پڑھتے تھے بطنِ بتولؑ میں

قرآن واہل بیتؑ ہیں حبل المتینِ دیں — دونوں ستونِ دیں ہیں، یہ رُکنِ رکین دیں
دونوں ہیں ماہِ کامل و مہر مبین دیں — دونوں ہیں یادگارِ رسولؐ امینِ دیں
قرآن واہل بیت ہیں مخلوط اس طرح
پیوستہ ریسمان کی دو لڑیں جس طرح

قرآن واہلبیتؑ پر ایماں جولائیں گے — جنت میں بے حساب وہ ہر چیز پائیں گے
قرآن واہلبیتؑ ہی رستہ بتائیں گے — دونوں نبیؐ کے پاس یہ کوثر پہ جائیں گے
قرآن و اہلِ بیتؑ نہ چھوڑیں گے ساتھ کچھ
چھوڑے جو ان کو اس کے نہ آئے گا ہاتھ کچھ

قرآن واہلِ بیتؑ پر ایمان لائیے — بیعت کو ان کی دستِ عقیدت بڑھائیے
ہے ہوش اگر تو ان سے فقط لَو لگائیے — دوزخ کو چھوڑ دیجئے جنت میں جائیے
قرآن واہلِ بیتؑ شریکِ رسولؐ ہیں
ان کے بغیر جملہ عقائد فضول ہیں

قرآن واہلِ بیتؑ کا دشمن یزید ہے — بیزار اُس سے بسکہ خدائے مجید ہے
قرآن واہلِ بیت کا منکر پلید ہے — اُس پر خدائے دہر کا قہر شدید ہے

قرآن واہلِ بیت کا دشمن ہے خارجی
اُس سے رسولِ دیں کا ہے زار و نزار جی

آپس میں آل ووحی ازل سے رفیق ہیں　　یہ ایک دوسرے کے ابدتک شفیق ہیں
دو بحر یہ ملے ہوئے از بس عمیق ہیں　　ان کی رفاقتوں کے مسائل دقیق ہیں
بعد از وصال بھی وہی ان کا وصال ہے
ناخن کا دور گوشت سے ہونا محال ہے

قرآں کے ساتھ یوں تو ہے سب آلِ مصطفےٰؐ　　لیکن حسینؑ کا ہے ملاپ اس سے کچھ جدا
دونوں کو کاٹا تیغوں سے اعدا نے برملا　　لیکن جدا ہوئے نہ یہ آپس میں آشنا
دونوں نے سب کو چھوڑا مگر خود ملے رہے
دو پھول ایک شاخِ ولا پر کھلے رہے

دونوں کا غم میں اور دمِ راحت بھی ساتھ تھا　　تولید اور ذبح کی ساعت بھی ساتھ تھا
بعد از فنا بھی قبلِ ولادت بھی ساتھ تھا　　ہنگام فرقِ وحدت و کثرت بھی ساتھ تھا
جیسی نبھی ہے ان کی کسی کی نہیں نبھی
اچھی نبھی، تمام نبھی، ہر کہیں نبھی

جیسی کہ ابتدا تھی، رہی ویسی انتہا　　یہ دوست وہ ہیں دوست، نہ غم میں ہوئے جدا
قرآں حسینؑ پڑھتے تھے کٹتا تھا جب گلا　　تھی ذالک الکتاب کی حلقوم سے صدا
خونِ چکیدہ نے بھی رفاقت کی بات کی
ہر قطرہ میں صدا تھی اقیموا الصلوٰۃ کی

قرآں حسینؑ پڑھتے تھے اس وقت بالیقیں　　سینہ پہ تھا چڑھا ہوا جب قاتلِ لعیں
آواز درد ناک سے کہتے تھے شاہِ دیں　　ایاک نعبد کبھی ایاک نستعیں
مصحف سے ساتھ کیا تھا شہِ مشرقین کا
قرآن پڑھتے پڑھتے کٹا سر حسینؑ کا

قرآں کا وِرد تھا کہ ہوا تن سے سر جدا　　صحرا میں لاشہ رہ گیا کوفے کو سر چلا
حلقِ بُریدہ پڑھتا تھا یٰسین وھل اتیٰ　　نیزہ پہ سر حسینؑ کا کہتا تھا قل کفیٰ

کافر بھی نطقِ حلق سے زار و نزار تھے
اعجازِ سر پہ گبر و نصاریٰ نثار تھے

اعجاز سر سے رہ میں نمایاں بہت ہوئے
شمر و عمر خفیف و پشیماں بہت ہوئے
سُن سُن کے نطق، قائلِ قرآں بہت ہوئے
کفار اور یہود مسلماں بہت ہوئے
گبرو مجوس و ذمّی و ترسا تو روتے تھے
لیکن نبیؐ کے امتی سرور ہوتے تھے

کہتے تھے سر ہے نیزہ پہ یوم النشور ہے
کم رتبہ اس سے منصب معراج وطور ہے
اہلِ صلیب سمجھے یہ عیسےٰ ضرور ہے
غل قدسیوں میں تھا یہ محمدؐ کا نور ہے
عرشِ علا سے اَوجِ شہادت بلند ہے
قربانی، حسینؑ خدا کو پسند ہے

القصہ جب کہ کوفہ میں پہنچا سرِ امام
مصروف تھا تلاوتِ قرآں میں لا کلام
تھا زیدِارقم ایک محب شہِ انام
لکھتا ہے وہ کہ چارسو اس دم تھا اِژدحام
بیٹھا تھا میں بھی غرفۂ خانہ میں چین سے
کوفہ میں ایک دھوم تھی قتلِ حسینؑ سے

ناگاہ میں نے دیکھا کہ ہیں چند بیبیاں
ہیں ساتھ ان کے قید میں دو تین لڑکیاں
تھیں سربرہنہ فاطمہ زہراؑ کی بیٹیاں
بلوائے عام میں تھیں نبیؐ کی نواسیاں
بہر تماشا چاروں طرف روسیاہ تھے
رسی تھی ایک اور گلے بارہ آہ تھے

زینبؑ تھی ایک، ایک تھی کلثومؑ خستہ تن
کبریٰ تھی ایک، ایک سکینہؑ تھی گلبدن
بانو تھی ایک، ایک تھی عباسؑ کی بہن
تھی بنتِ مسلمؑ ایک، اور اِک زوجۂ حسنؑ
فضہ تھی اور زوجۂ سقائے شاہ تھی
گردن رسن میں عابدؑ و باقرؑ کے آہ تھی

یوں تو تمام بیبیاں تھیں غم میں مبتلا
لیکن عجب تھا حضرتِ زینبؑ پہ حادثہ
سینہ کبود، پشت تھی زخمی، نہ تھی ردا
پچپن برس کی عمر تھی اور سر سفید تھا

نا محرموں میں پردے کا ہر دم خیال تھا
آنسو ہوئے تھے خشک یہ گریہ کا حال تھا

ناگہ سرِ امام کا مجھ تک گزر ہوا　　میں نے سنا کہ پڑھتا ہے سر سورہ کہف کا
مطلب یہ تھا عجب تھے وہ آیاتِ کبریا　　یہ سن کے میں نے عرض کی یا سبطِ مصطفےٰؐ

یہ سچ ہے لیکن ان میں نہ تجھ سا غریب ہے
اصحابِ کہف سے ترا قصہ عجیب ہے

کیا ان میں سے کسی کی بہن بھی اسیر ہے　　کیا واں کسی کی دختر وزن بھی اسیر ہے
کیا کوئی ایک شب کی دُلہن بھی اسیر ہے　　عابدؑ سا کیا اسیرِ محن بھی اسیر ہے

قیدی حرم کو اُن کے بنایا ہے کس نے آہ
آتش سے خیمہ ان کا جلایا ہے کس نے آہ

ششماہہ ان کا تیر سے کس نے کیا ہلاک　　رویا ہے کون ان میں بآوازِ درد ناک
ان میں سے کیا کسی کا گریباں ہے چاک چاک　　اصحابِ کہف نے بھی ملی ہے رُخوں پہ خاک

کیا اُن کے کمسنوں کے ہیں کرتے جلے ہوئے
چھل کر لہولہاں وہاں کتنے گلے ہوئے

کیا آب و دانہ بند ہے اُن میں کسی پر آہ　　کیا ان میں سے کسی کا بھرا گھر ہوا تباہ
مارا گیا ہے ان میں کوئی شخص بے گناہ　　کس پر چھری چلی ہے دمِ سجدۂ الٰہ

بے گور و غسل لاشہ وہاں پر کسی کا ہے
نظارۂ زمانہ وہاں سَر کسی کا ہے

بیٹے، بھتیجے، بھانجے، بھائی، رفیق، یار　　کس کے ہوئے ہیں قتل وہاں وقتِ کارزار
کس کو ملا ہے ان میں سے تابوتِ تیر و خار　　روندا ہے کس کی لاش کو گھوڑوں نے بار بار

انگلی کٹی ہے کس کی وہاں بعد مرنے کے
کچلی گئی ہے کس کی زباں بعد مرنے کے

کس کی کھدی ہے قبر، کھلا کس کا واں پہ سر　　لُوٹا ہے کس نے کس کا وہاں زیور و گہر
نیزہ پہ سر کسی کا وہاں ہے لہو میں تر　　لاشہ لٹکتا ہے وہاں کس کس کا دار پر

مارا ہے ان کو گھیر کے لشکر نے یا نہیں
لوٹا ہے ان کو فوجِ ستمگر نے یا نہیں

مجھ سے سرِ امام نے سُن سُن کے یہ کلام	آیت پڑھی کہ چین سے سوئے ہیں وہ تمام
کی عرض میں نے عشرہ سے سونا ہوا حرام	عالم تمام درہم و برہم ہے یا امامؑ
تو وہ شہید ہے کہ تزلزل ہے عرش پر
تو وہ ذبیح ہے کہ تلاطم ہے فرش پر

اتنا میں کہہ کے رونے لگا مثلِ ابرِ تر	منھ پہ طمانچے مارتا تھا پیٹتا تھا سر
رونے سے میرے بیبیاں ہوتی تھیں نوحہ گر	بازار تھا کہ حشر کا میدانِ پُر خطر
زہراؑ کی بیٹیاں تھیں کھُلے سر تمام میں
قرآں تمام پڑھتی تھیں بلوائے عام میں

ناگاہ شمر نے کہا ٹھہرو نہ تم یہاں	بازار میں کرو نہ خروش اور یہ فغاں
قرآں نہ تم پڑھو کہ بہت اس میں ہے زیاں	ایسا نہ ہو کہ غدر کے آثار ہوں عیاں
اُمت کہے گی کس نے یہ فتنہ اٹھایا ہے
قرآن پڑھنے والوں کو قیدی بنایا ہے

ہرگز نہ یہ کہو کہ ہیں ہم آلِ مصطفےؐ	ظاہر نہ یہ کرو کہ ہیں ناموسِ مرتضےؑ
زنہار لو نہ نام زباں سے حسینؑ کا	رو رو کے تم نہ یوں پڑھو قرآنِ کبریا
ہیں اہلِ بیتؑ ہم، نہ یہ ہرگز بیاں کرو
مجرم ہیں ہم یزید کے تم یہ عیاں کرو

سُن کر صدائے شمر وہ قیدی چلے تمام	ہے ہے لہولہان تھے رسن سے گلے تمام
اخگر، بخارِ ارض سے تھے آبلے تمام	مَر مَر کے طے کئے وہ کڑے مرحلے تمام
پہنچے دمشق میں تو مصیبت سوا ہوئی
بزمِ غنا میں آمدِ آلِ عباؑ ہوئی

ماں بہنوں کو لئے ہوئے عابد گئے وہاں	دشمن شراب پیتا تھا بیٹھا ہوا جہاں
لکھوں یہ انقلاب یہ طاقت مجھے کہاں	قیدی ہیں وہ کہ جن کا ہے نانا شہِ شہاں

آگے کھڑے ہوئے ہیں عدوئے الٰہ کے
پیشانیوں پہ ہاتھ ہیں ناموسِ شاہ کے

آلِ نبیؐ کو دیکھ کے زار و شکستہ حال　　بولا یزید دیکھو محمدؐ کی ہے یہ آل
ہم سے حسینؑ لڑ کے ہوئے آپ پائمال　　بیعت اگر وہ کرتے نہ آتا یہ پھر زوال
بیعت میں میری امن واماں لا کلام ہے
سر نے کہا کہ بیعت فاسق حرام ہے

سُن کر جواب سر سے خجل بے حیا ہُوا　　سوئے سکینہؑ پھر متوجہ ذرا ہو
بولا کہ تیرا سن نہیں اب تک بڑا ہوا　　کیوں رُخ پر اپنے ہاتھ ہے تو نے دھرا ہوا
کمسن ہے تو ابھی تجھے پردہ رَوا نہیں
بولی سکینہؑ تجھ کو نبیؐ سے حیا نہیں

ہم آلِ مصطفےٰ ہیں ہمارا ادب تو کر　　ناموسِ مرتضےٰؑ ہیں ہمارا ادب تو کر
اولادِ فاطمہؑ ہیں ہمارا ادب تو کر　　خاصانِ کبریا ہیں ہمارا ادب تو کر
ہم اہلِ بیتؑ مصطفےٰ آیاتِ پاک ہیں
آخر خدا کا نور ہیں گو شکلِ خاک ہیں

چھوٹی بڑی ہیں آیتیں قرآں میں لا کلام　　یکساں مگر تمام کا واجب ہے احترام
آیاتِ پاکِ حق کے ہیں ہم مرتبہ تمام　　چھوٹے بڑے تمام ہیں مخدومِ خاص و عام
یکساں ہیں ہم جوانی و پیری کے عہد میں
دادا نے میرے چیرا تھا اژدر کو مہد میں

یہ سُن کے بے حیا نے کہا سن ترا ہے کیا　　اِس سن میں تو نے مصحفِ حق کس طرح پڑھا
بولی سکینہؑ قولِ نبیؐ کیا نہیں سُنا　　قرآن واہلِ بیتؑ نہ ہوں گے کبھی جدا
قرآنِ حق کا رحل ہمارے ہی ہاتھ ہیں
قرآں ہمارے ساتھ ہے ہم اس کے ساتھ ہیں

کہنے لگا یزید غبی سن کے یہ بیاں　　اس گھر کی لڑکیاں بھی ہیں صد فخر مرسلان
اب کوثری خدا سے دعا کر بصد فغاں　　دنیا میں آخرت میں خداوند دو جہاں

قرآن واہل بیت مرے پیشوا رہیں
میں ان سے جدا، نہ یہ مجھ سے جدا رہیں

**بشارت انجیل** سرورق کی عبارت یہ ہے:-

مصنفہ حسان الہند قادر الکلام عالی جناب چودھری دِلّو رام صاحب مرحوم کوثری۔ اس کتاب کے تین حصے ہیں۔ حصہ اول میں مصنفِ ممدوح نے انجیل مقدس سے حضرت مولا علی کی ولادت باسعادت کا مفصل ذکر کیا ہے۔ شروع سے لے کر تادم آخریں تمام حالات زندگی اور جمیع انبیاء کی بشارتیں نہایت عمدہ نظم میں درج ہیں۔ حصہ دوئم علیؑ اور انبیاء جس میں حضرت علیؑ کے محامد و اوصاف کا انبیاء علیھم السلام سے موازنہ کیا ہے۔ نیز آپ کے زہد و ریاضت، شجاعت اولوالعزمی وغزوات کے عالی شان کارنامے۔ شہادت کا وقعہ ہائلہ نہایت المناک جانگداز نظم کے پیرائے میں درج ہیں۔ حصہ سوم میں حضرت عباس علمدار کا واقعہ شہادت حادثہ کربلائے معلٰی مرثیہ کی طرز میں نہایت رقت انگیز ودرد انگیز ذکر ہے۔''

**اعجاز جعفری**

یہ کتابچہ امام جعفر صادقؑ کے معجزات پر مشتمل ہے اور انہی کے اسم سامی پر معنون ہے۔ کل معجزے پچیس ہیں اور اس طریق سے نظم کئے ہیں کہ پہلا معجزہ ایک شعر میں، دوسرا دو شعروں میں، تیسرا تین شعروں میں علیٰ ہذالقیاس۔ آخری تین صفحوں کے سوا چار میں سلام ہیں۔ کتاب مثنوی میں ہے۔ اس کی تاریخ طبع ۱۳۲۲ھ ہے۔ مادّہ تاریخ یہ ہے۔

یہ ہے نظم مقبولِ آقا ہوئی (۱۳۲۲ھ)

اعجاز جعفری میں کوثری کا وہ کلام ہے جب کہ ان کا سن ۲۲ برس کا تھا۔ چند شعر قابل ذکر ہیں۔

| | |
|---|---|
| جنت میں پاؤں ہاتھ میں کوثر کا جام ہو | تب ہے مزہ کہ داخلہ ہو یوں بہشت میں |
| شاید تو رفتہ رفتہ فنافی لاانام ہو | مجذوبیت میں تجھ کو ترقی ہے کوثری |

صبح ازل سے شام ابد تک نشہ رہا | یہ بادۂ غدیر کا ادنا سا جوش ہے
اہل جہاں کی داد و ستد سے میں خوش نہیں | ایک ایک لفظ میرا بیان سروش ہے
محشر میں کوثری کھلا راز یگانگی | ہم درد چشم ہے نہ زباں ہے نہ گوش ہے

کرے کیا خاک مجھ سے ہم سری اسکندر اعظم | میں ساکن حوض کوثر کا وہ تشنہ آب حیواں کا
یہ مانا کافران ہند میں پیدا ہوا ہوں میں | مگر بھائی ہوں بوذرؓ کا برادر ہوں میں سلماںؓ کا

نداہوں قبر سے فردوسی مرحوم دیتا ہے | کہ ملک ہند میں ہے کوثری شاعر بڑا بانکا
اوپر کے اشعار کوثریؔ کے چار سلاموں سے نقل کئے گئے ہیں جو اعجاز جعفری میں موجود ہیں۔

## اسرار اردو

یہ کوثریؔ کا دیوان بے نقطہ ہے۔ اس میں کل ۲۴ صفحے ہیں۔ آخر میں میر ضمیرؔ کا مشہور شعر درج ہے۔

سو میں کہوں دس میں کہوں یہ ورد ہے میرا | اس طرز میں جو کہوے وہ شاگرد ہے میرا

اسرار اردو کے آخر میں کوثری کی چند ایک کتابوں کی فہرست بھی تھی۔ جن میں سے ''کلیات کوثری'' کو زیر طبع لکھا ہے لیکن یہ طبع نہ ہو سکی۔ ''تضمین بوہفت بند کاشی'' فارسی میں تھی لیکن اب مفقود ہے۔ ''مثنوی نان و نمک حصہ دوم''۔ بقول کوثری اس مثنوی کا پہلا حصہ مرزا فصیح نے لکھا تھا۔ کوثری کی یہ مثنوی بھی نہیں ملتی ہے۔

## کوثری کی مرثیہ نگاری

کوثری مرثیہ بھی کہتے تھے۔ عام طور پر ان کا ایک ہی مرثیہ ''قرآن اور حسینؑ'' لوگوں نے بیان کیا ہے۔ جناب مرحوم ڈاکٹر صفدر حسین نے فاضل مشہدی کے حوالے سے لکھا ہے کہ

میں نے (فاضل مشہدی) کوثری کے مشہور مرثیہ ''قرآن اور حسینؑ'' کے چند بند پہلی بار ۱۹۱۵ء میں قصبہ ملسیاں کی مجلس عزا میں ایک سوز خوان سے سنے تھے۔'' اور کسری منہاس

کہتے ہیں کہ ''میرا سن تین چار سال تھا (۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۶ء) جب کوثری ہمارے وطن سید بکسران میں آ کر مقیم ہوئے تھے۔ میرے والد کو اسی زمانے سے ان کے مرثیہ ''قرآن اور حسینؑ'' کے چند بند یاد تھے۔ اس سلسلے میں آخری بیان وزیر حسن شیرانی کا ہے، جنھوں نے ۱۹۲۸ء میں خود کوثری ہی کی زبان سے ان کا مرثیہ موچی دروازے کی ایک مجلس میں بہ تمام و کمال سنا تھا۔ ان سب مقتدر آرا کی روشنی میں ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ کوثری کا مرثیہ ''قرآن اور حسینؑ'' ۱۹۲۸ء سے بہت پہلے مکمل ہو چکا تھا'' (رزم نگاران کربلا صفحہ ۲۸۹) ہم ذیل میں پہلے ''بشارت انجیل'' سے بند نمبر ۶۴ تا ۷۷ اس لیے نقل کرتے ہیں کہ ان میں حضرت علیؑ کی شہادت کا واقعہ نظم کیا گیا ہے۔ پہلا بند یہ ہے ؎

انجیل مقدس میں بشارت یہ رقم ہے — گردوں پہ نشاں ایک بصد جاہ و حشم ہے
بی بی کوئی پاکیزہ و فرخندہ شیم ہے — خورشید ہے ملبوس قمر زیر قدم ہے
سر پر بھی بڑا سایۂ الطاف خدا ہے
اک تاج میں بارہ ستاروں کا دھرا ہے

لکھا ہے جب کہ رات وہ انیسویں ڈھلی — بہر نماز جانب مسجد چلے علیؑ
ہر بط علیؑ کے روکنے کے واسطے چلی — گویا ہوا بطوں سے دو عالم کا وہ ولی
کیوں روکتی ہو ضربتِ شمشیر کھانے دو
نزد رسولؐ جاتے ہیں جانے دو جانے دو

رونے لگیں بطیں جو سنا شہ کا یہ بیاں — حضرت ہوئے رواں تو بطیں بھی ہوئیں رواں
روتا بطوں کو چھوڑ کے با اشک خونفشاں — مسجد میں پہنچا نائب سلطان مرسلاں
مسجد میں جا کے حمد خدائے جہاں کہی
وقت اذاں ہوا تو علیؑ نے اذاں کہی

آئے نمازی اور لگے پڑھنے سب نماز — حیدر تھے محو بندگی رب بے نیاز
ناگاہ ابن ملجم ملعون و مکرباز — آیا قریب عقب شہنشاہ سر فراز
ظالم نے ماری تیغ سر شاہ پاک پر
کانپا فلک لہو جو گرا شہہؑ کا خاک پر

سر پھٹ گیا کہ سخت لگی ضربت حسام ریشِ مقدس آپ کی خوں میں بھری تمام
غش میں علی تھے روتے تھے مسجد میں خاص و عام آئے حسنؑ حسینؑ فغاں کرتے لا کلام
حالِ پدر کو دیکھ کے دل چاک ہوگیا
کہتے تھے ظلم کیا تہہ افلاک ہوگیا

دونوں بہم لپٹ کے لگے رونے زار زار بسمل تھا باپ بیٹے تھے بے حال و بے قرار
لائے علی کو گھر میں وہ پھر دونوں اشکبار محشر بپا تھا اور قیامت تھی آشکار
زینبؑ پکارتی تھی عجائب ستم ہوا
پھر تازہ ہم کو فاطمہؑ زہرا کا غم ہوا

آخر جو آئے ہوش میں سلطان اولیاء بیٹوں کو بیٹیوں کو یہی دیکھ کر کہا
اب اب نہ تم فغاں کرو جو مرضی خدا راضی رضا پہ رہنا ہے دستور انبیاء
بہتر ہے صبر صبر کا انجام نیک ہے
حق صابروں کے ساتھ ہے یہ کام نیک ہے

فرماتا تھا یہ پند وہ ہادی وہ مقتدا قاتل بھی آیا پکڑا ہوا پیش مرتضیٰؑ
حضرت نے اس کو دیکھتے ہی آہ رو دیا فرمایا بے خطا مجھے مارا یہ کیا کیا
مرنے کا اپنے مجھ کو نہ چنداں خیال ہے
جائے گا تو سقر میں یہ رنج و ملال ہے

قاتل سے بھی علی نے مروت کی لا کلام شربت پلایا دودھ دیا اور دیا طعام
حیراں تھے لطف شیر الٰہی پہ خاص و عام کہتے تھے دیکھو بخشش سلطان نیک نام
قاتل پہ اپنے رحم کیا کیا رحیم ہے
بندہ بھی ہے کریم کا خود بھی کریم ہے

سینے سے پھر حسنؑ کو لگا کر بصد خوشی فرمایا میرے بعد امامت ہے آپ کی
تم میرے نائب اور ہوں میں نائب نبیؐ اسلام اب سپرد تمہارے ہے ہر گھڑی
تاکید حفظ دیں کی امام غیور نے
بتلائے سارے سرِّ امامت حضور نے

فرمایا پھر حسنؑ سے مرے نو پسر ہیں جو تیرے سپرد کر کے میں جاتا ہوں نیک خو
عباسؑ اور زینبؑ و کلثومؑ وفضہ کو سونپا حسینِؑ پاک کو اور یہ کہا سنو
بیٹا تمھاری نذر یہ ہدیے ہیں باپ کے
کرب و بلا میں جائیں گے یہ ساتھ آپ کے

عباسؑ نورِعین جو میرا ہے شیرِنر شانے فدا کرے گا یہ تم پر مرے پسر
کلثومؑ اور زینبؑ ناشاد در بدر بعد آپ کے پھریں گی زمانے میں ننگے سر
عترت مری اسیرِ ستم اور ہوگی آہ
فضہ بھی سر کھلے ہوئے ہمراہ ہوگی آہ

امت شہید تم کو کرے گی صد جفا اسباب اور خیمے جلائیں گے اشقیا
پانی بھی وقت ذبح نہ دیں گے تمھیں ذرا سوکھے گلے کو کاٹیں گے خنجر سے برملا
ایسا ستم کریں گے مسلمان آل پر
حیراں ہوں گے گبرو یہود ان کے حال پر

زینبؑ یہ سنکے کرنے لگی اس طرح بکا کوئی نہیں ہمارا کہ بابا ہوئے جدا
برگشتہ ہم سے امتِ جدّ اب ہے جابجا نانا نہ والدہ نہ پدر ہم کریں گے کیا
زینبؑ کی بے کسی سے دل اب پائمال ہے
دفنِ علیؑ کی شرح وحکایت محال ہے

بس کوثرؔی خدا سے دعا کر کہ اے خدا سلطان اولیاء کی عطا کر مجھے وِلا
مرغوب پیروی ہو علیؑ کی مجھے سدا دنیا میں رزق خلد پسِ مرگ ہو عطا
مجھ بندۂ غریب یہ رحمت ہو اب تری
دونوں جہاں میں مشکلیں آسان کر مری

بشارت انجیل میں کوثر کا ایک اور مرثیہ ہے۔ راقم کی نظر سے یہ مرثیہ کہیں اور نہیں گزرا ہے، اس لیے درج کیا جاتا ہے۔ مرثیے میں انیسؔ کی فصاحت اور روانی یاد آتی ہے ۔

شیرِ خدا کا شیر ہے عازم کچھار کا وارث یہ تیغ زن ہے شہِ ذوالفقار کا
ثانی یہی ہے جعفرؑ عالی وقار کا حمزہؑ کی طرح ہے یہ دھنی کارزار کا

بازو حسینؑ کا ہے علیؑ کا پسر ہے یہ
ڈرتے ہیں جس سے شیر بھی وہ شیر نر ہے یہ

عباسؑ کے مقابلے کو نکلے اہل شر　　اکیس پھر صفیں جمیں نہر فرات پر
گھوڑا ڈپٹ کے پہنچا جو پاس ان کے نامور　　پھٹنے لگیں صفیں کی صفیں بس ادھر ادھر
تھا شور ایک ضرب کی اب احتیاج ہے
پھر قلب فوج کو مرض اختلاج ہے

غازی نے لی حسام کہ حاضر ہوئی اجل　　مثل علیؑ چلی وہ سوئے لشکرِ دغل
پیچھے چلی اجل تو کہا دور دور چل　　ایسا نہ ہو کہ زیست میں تیری پڑے خلل
معلوم ہے تجھے کہ میں کس کی حسام ہوں
عباسؑ نام اس کا ہے جس کی حسام ہوں

جھاڑی جو مار تیغ دلاور نے کینچلی　　بے خوف وبیم اپنی طرف جان کھینچ لی
بن رشتۂ حیات کے لی اس نے اینچلی　　پھرنے میں تیغ اب ہے اٹیرن کی چینچلی
ہر بار چرخ پیر سے اس کی مقال ہے
نقد بقا نہ چھوڑوں گی یہ میرا لال ہے

اب یہ حسام تیز ہے اور فوج شام ہے　　سمجھو کہ کام اہل جفا کا تمام ہے
آتش نہیں ہے برق نہیں یہ حسام ہے　　اہل حسد کا پینا لہو اس کا کام ہے
کب تک بچیں گے ناری بھلا اس کی آگ سے
دوزخ میں آگ لگ گئی ہے اس کی لاگ سے

تھا شور اے حسینؑ کے بھائی اماں اماں　　اے شاہ کربلا کے فدائی اماں اماں
اے پیاس میں یہ تیری لڑائی اماں اماں　　لو ہم نے چھوڑ دی ہے ترائی اماں اماں
طاقت نہیں ہے جنگ کی اب فوج شام میں
شمشیر برق بار کو رکھ لو نیام میں

رن میں ذرا حسینؑ کے بھائی کو دیکھئے　　ہاں سبط مصطفیؐ کے فدائی کو دیکھئے
عباسؑ ایک ہے جو خدائی کو دیکھئے　　لاکھوں سے لڑ رہا ہے لڑائی کو دیکھئے

فاقہ ہے اور جہاد ہے ہمت کو دیکھنا
غازی کی شہسوار کی شوکت کو دیکھنا

چمکار کر فرس کو بڑھایا دلیر نے دریا پہ شور ہے کہ ترائی لی شیر نے
دریا سے پہرہ دار لگے رخ کو پھیرنے بھاگے تو پھر اجل بھی لگی ان کو گھیرنے
بھاگڑ پڑی یہ جب سپہ بد صفات میں
تھا نور چشم ساقی کوثر فرات میں

مشکیزہ آب سے بھرا بس کھول کر وہاں پیاسا ہی پھر خیام کی جانب ہوا رواں
روح بتول نے کہا شاباش میری جاں تو مجھ پہ مہرباں ہے خدا تجھ پہ مہرباں
آفت میں تو فدائی ہے سبط رسولؐ کا
مثل حسینؑ بیٹا ہے تو بھی بتولؑ کا

کیا صاحبِ وفا پسرِ بو تراب تھا اہل وفا کہیں گے یہی لا جواب تھا
پانی نہیں پیا گو کلیجہ کباب تھا دریا دلی کو دیکھ کے دریا بھی آب تھا
آئی جو یاد پیاس جناب حسینؑ کی
پیاسے ہی راہ شیر نے دریا سے گھر کی لی

اعدا میں شور تھا کہ جری آب لے چلا سب کو شکست دے چلا عباسؑ برملا
ہے جائے شرم شامیو! افسوس کی ہے جا تم تو ہو لاکھوں ایک ہے فرزند مرتضیٰؑ
لازم ہے ہم کو ٹوٹ پڑیں مل کے شیر پر
اک بار تیر لاکھ پڑیں اس دلیر پر

خائف تمام فوج تھی حیران تھا عمر طعنے سپاہ شام کو دیتا تھا بد سیر
لو مشکِ آب لے چلا عباس نامور اے اہل شام پانی میں مرجاؤ ڈوب کر
گر آب تا خیام شہہ انس و جن گیا
یہ جان لو دمشق گیا تخت چھن گیا

افسوس تم تو اک نبی ہاشم سے ڈر گئے پیاسے کے ڈر سے حیف پسینے میں بھر گئے
کیوں جاں بلب ہو کس لئے بے موت مرگئے چھپ چھپ کے کیوں خیام میں جاں سے گزر گئے

عباسؑ ہی پہ اب ہے لڑائی کا خاتمہ
یہ ختم ہو تو ختم ہے اولاد فاطمہؑ

ہر چند تین روز سے عباسؑ کو تھی پیاس — پانی نہیں پیاشہ تشنہ کا یہ تھا پاس
شوق امام پاک میں جاتا ہے بے ہراس — اب کے نہ گر رکا تو نہیں پھر ظفر کی آس
جو تشنگی میں لاکھ جواں سے وغا کرے
پانی سے سیر ہو تو خدا جانے کیا کرے

پانی جو آج چھین لو گے تشنہ کام سے — بے خود رہو گے بادۂ عشرت کے جام سے
ہاتھوں کو گردلیر کے کاٹو حسام سے — کروادوں گا مصافحہ میں میر شام سے
دنیا میں نام پاؤ گے عزت بھی پاؤ گے
دربار میں یزید کے خلعت بھی پاؤ گے

ہاں مارلو غضنفر شیر الٰہ کو — رلواؤ سبط شاہ رسالت پناہ کو
یہ سن کے سب نے گھیرا علمدار شاہ کو — چاروں طرف سے بند کیا ہائے راہ کو
عباسؑ ہیں گھرے ہوئے اعدائے زشت میں
دیکھا نہ ہو تو دیکھ لو کعبہ کنشت میں

اعدا میں ہے علیؑ کا سلیماں گھرا ہوا — ہے چاہ غم میں یوسف کنعاں گھرا ہوا
ظلمات میں ہے چشمۂ حیواں گھرا ہوا — نحس اختروں میں ہے مہ تاباں گھرا ہوا
تنہا سمجھ کے زور جتاتے ہیں سنگدل
راحم پہ ہائے سنگ لگاتے ہیں سنگدل

چاروں طرف سے پڑتی ہے شمشیر شیر پر — ہر سمت سے برستے ہیں اب تیر شیر پر
اک بار مل کے گرتے ہیں بے پیر شیر پر — قدرت خدا کی جمع ہیں نخچیر شیر پر
روباہوں کے گروہ نے گھیرا ہے شیر کو
روکا ہے بزدلوں نے علیؑ کے دلیر کو

اعدا سے ہم نبرد تھے عباس باوفا — اور دیکھتے تھے خیمے کو گردن اٹھا اٹھا
ماری کسی نے دوش پہ اک تیغ پر جفا — جس ہاتھ میں تھی تیغ وہ ہے ہے قلم ہوا

تلوار گرتے گرتے جری نے سنبھال لی
اور مشک آب دوسرے شانے پہ ڈال لی

واحیف ہاتھ دوسرا بھی پھر قلم ہوا　　غازی نے تسمہ مشک کا منہ میں پکڑ لیا
افسوس ایک تیر ستم مشک پر لگا　　پانی بہا تو ضعف سے ہرنے پہ سر جھکا

عباس تشنہ لب پہ بھی کیا کیا ستم ہوئے
پانی بہا، علم گرا شانے قلم ہوئے

ہر ایک شانہ ہو کے قلم خاک پر گرا　　ڈوبا ہوا لہو میں علم خاک پر گرا
مشکیزہ تھامے بحر کرم خاک پر گرا　　پشت و پناہ اہل حرم خاک پر گرا

گرتے ہوئے دعا کی ظفر ہو حسینؑ کی
یارب ہو خیر فاطمہؑ کے نورعین کی

کیا باوفا تھے حضرت عباسؑ نامدار　　سبط رسولؐ پر کی جوانی میں جاں نثار
عباسؑ کی وفا ہے زمانے میں یادگار　　خود کوثرؔی یہ کہتے تھے شبر باوقار

عباسؑ باوفا ہے یہ یوسف ہمارا ہے
ہم پر ہے یہ فدا ہمیں یہ دل سے پیارا ہے

○

مضمون کی تیاری میں درج ذیل کتابوں اور رسالوں سے استفادہ کیا گیا۔

(۱) ہندو کی نعت اور منقبت۔ مرتبہ خواجہ حسن نظامی مطبوعہ ۱۹۲۴ء۔ کتاب خانہ سالار جنگ میوزیم حیدر آباد

(۲) رزم نگاران کربلا۔ ڈاکٹر صفدر حسین۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء

(۳) صوفی، ماہنامہ، ۱۹۱۵ء تا ۱۹۲۳ء، پنڈی بہاء الدین گجرات، پنجاب

(۴) نیرنگ خیال لاہور ایڈیٹر یوسف حسن بابت اکتوبر ۱۹۲۸ء

(۵) المشائخ دہلی۔ ایڈیٹر خواجہ حسن نظامی

(۶) ذخیرہ۔ حیدر آباد۔ ایڈیٹر ہوش بلگرامی بابت ۱۸۔ ۱۹۱۷ء

صوفی۔ اس ادبی رسالے کے بارے میں بہت کم لوگوں کو واقفیت ہے۔ صوفی بہت کمیاب ہے اس کے بہت سے شمارے شبلی نعمانی کے کتب خانہ لکھنؤ اور اردو ریسرچ سنٹر حیدر آباد میں موجود ہیں۔ رسالہ ''چاند'' الہ آباد بابت نومبر دسمبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۳۳۷ میں ایڈیٹر کنہیا لال ایڈوکیٹ نے ''صوفی۔ آپ بیتی'' پر ایک مضمون لکھا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے۔

'صوفی' کے ایڈیٹر ملک محمد الدین اعوان تھے۔ وہ ضلع گجرات کے ایک گاؤں کلان میں جون ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ جنوری ۱۹۰۹ء میں صوفی جاری کیا۔ ۱۹۱۴ء میں صوفی کی مستقل اشاعت دس ہزار ہوگئی۔ ۱۹۲۷ء میں صوفی کمپنی اینڈ کو نام سے ایک تجارتی فرم قائم کیا گیا۔ ۱۹۲۸ء میں اس کی ایک شاخ لاہور میں قائم ہوئی۔ جہاں آتشزدگی سے کئی ہزار کا مال جل گیا۔ اور کمپنی کے کاروبار کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ ۱۹۳۰ء میں ایڈیٹر صاحب عدالت پنچایت اور لوکل زمیندار بینک کے پریسیڈنٹ، کواپریٹو کمیشن شاپ کے مینجنگ ڈائرکٹر اور اپنے شہر کے کمشنر تھے۔

ہم نے ۱۹۰۹ء سے ۱۹۳۵ء تک صوفی کے اکثر و بیشتر شمارے دیکھے ہیں۔ ان پرچوں کے اداریے ملا رموزی لکھتے تھے۔ صوفی اپنے زمانے میں مشہور و معروف ادبی رسالہ تھا۔ اس میں اقبال، اکبر الہ آبادی، خواجہ حسن نظامی، سیماب اکبر آبادی، جوش ملیح آبادی، نیاز فتح پوری، عبدالمجید سالک، ظفر علی خان اور دِلّو رام کوثری وغیرہ لکھتے تھے۔

ذخیرہ حیدرآباد۔ حیدر آباد کا رسالہ تھا۔ اس کے ایڈیٹر ہوش بلگرامی تھے۔ ہوش کا تاریخی نام ''نظیرالحسن'' تھا۔ نام سے ۱۳۰۹ کے اعداد نکلتے ہیں۔ یعنی وہ ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۱ء میں شہر بدر ہوئے۔ ۱۹۳۳ء میں پھر حیدرآباد آئے۔ مہاراجہ کشن پرشاد شاد نے کئی مہینے تک اپنی سرپرستی میں رکھا۔ ڈاک خانے میں سیونگ بینک انسپکٹر بنائے گئے۔ آہستہ آہستہ بارگاہ سلطانی میں بھی باریاب ہونے لگے۔ اور تقرب روز بروز بڑھتا گیا۔ مہاراجہ نے ملٹری سیکریٹری کی مددگاری بھی دلوا دی اور ہوش یار جنگ کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ ۱۹ر دسمبر ۱۹۵۵ء کو انتقال کیا۔

ہوش نے ڈاکٹر سید علی بلگرامی (متوفی ۱۹۱۱ء) کے پاس ہوش سنبھالا۔ ان کے بعد نواب عمادالملک (متوفی ۱۹۲۶ء) کے پاس رہے۔ نہایت ذہین طباع ذکی اور فریس تھے۔ مطالعہ بے حد وسیع تھا۔ ایک چھوٹی سی کتاب بدیہہ گوئی پر شائع کی تھی۔ جنوری ۱۹۱۵ء میں ''ذخیرہ'' کے نام سے اردو کا رسالہ جاری کیا اور کئی سال تک جاری رہا۔ اس کے کبھی شمارے سالار جنگ میوزیم حیدرآباد اور عبدالصمد خان صاحب کے اردو ریسرچ سنٹر حیدرآباد کے کتب خانے میں موجود ہیں۔ اور ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ تفصیلات ''سہ ماہی اردو'' صفحہ ۱۶۹ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی۔ مطبوعہ جولائی۔ ستمبر ۱۹۹۰ء میں ہم نے درج کئے ہیں۔

# روپ کماری

اردو مرثیہ نگاری میں محترمہ روپ کماری تخلص کماریؔ اور کنوارؔ کی شخصیت میری آنکھوں میں ایک معمہ بن کے پھر رہی ہے۔ ان کے حالات زندگی مجھے کہیں نہیں دستیاب ہوئے۔ کوئی انہیں فضل رسول فضل کے تلمذ میں شامل کرتا ہے اور کوئی علامہ نجم آفندی اکبرآبادی کے شاگردوں میں شمار کرتا ہے۔ آج سے کوئی ۵۸ سال قبل اردو کے مشہور ادیب اور انشاپرداز منوہر لال زتشی کو روپ کماری کے حالات زندگی کے بارے میں طلب کاوش پیدا ہوئی تھی۔ وہ ادیب مرحوم کو مورخہ ۱۷رمئی ۱۹۳۵ء کے خط میں لکھتے ہیں:-

"روپ کماری صاحبہ ساکنہ آگرہ جن کے مرثیے کے بند "شباب" میں چھپے ہیں۔ ان کے متعلق آپ نے کہا تھا کہ کشمیری پنڈت ہیں۔ غالباً آپ کو ڈاکٹر متین سے معلوم ہوا ہوگا۔ شباب کے مضامین کے لکھنے والے غالباً ڈاکٹر متین ہیں۔ ذرا ان سے روپ کماری صاحب کے بارے میں دریافت فرمایئے کہ وہ آگرہ کے کس خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ آگرہ میں کشمیری پنڈتوں کے پندرہ بیس گھر ہیں۔ وہ اگر روپ کماری کو جانتے ہیں اور ان کے کلام سے واقف ہیں اور حالات بھی ان کو معلوم ہوں گے۔"[1]

اس خط کا جواب کیا دیا گیا وہ معلوم نہیں ہوسکا۔ ڈاکٹر صفدر حسین لکھتے ہیں کہ:-

میں نویں جماعت کے امتحان میں کامیابی کے بعد گھر پر گرمیوں کی تعطیلات گزار رہا تھا۔ جب میرے بعض ہمسن عزیزوں نے نوچندی جمعرات کے موقع پر جوگی پورے موسوم بہ نجف ہند (ضلع بجنور) جانے کا پروگرام بنایا تھا اور غالباً ۲۵رمئی ۱۹۳۳ء کو ہم قافلے کی

[1] خطوط مشاہیر صفحہ ۱۳۸ سید مسعود حسن رضوی ادیب، مرتبہ: ڈاکٹر نیر مسعود مطبوعہ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ ۱۹۸۵ء

شکل میں ایک ہفتے کے قیام کے خیال سے اس بابرکت دربار میں پہنچ گئے جو حضرت علی کے ایک معجزے سے منسوب ہونے کی وجہ سے بہت مقدس سمجھا جاتا ہے۔ وہاں ایسے اجتماعات کے موقعوں پر عام طور پر دن رات مجالس عزا کا اہتمام ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے ایسی ہی ایک مجلس میں اپنے عزیز سید عباس حیدر مرحوم سے جو اپنے عہد کے مقبول و نامور سوز خواں تھے محترمہ روپ کنواری کا نام اور ان کا کلام بصورت سلام سنا جس کے چند شعر یہ تھے ؎

دعائیں مانگی ہیں ہم نے برسوں جھکا کے سر ہاتھ اٹھا اٹھا کر
ملا ہے تب مصطفیٰ سا بندہ خدا خدا کر خدا خدا کر
پیوں گی میں گنگا جل نہ ساقی گناہ سمجھوں جو دے برہمن
ثواب لے لے میں تیرے صدقے شراب طاہر پلا پلا کر
برنگ گل داغ حب حیدر ہمارے سینے میں ہے نمایاں
یہ پھول رکھا ہے ہم نے دل میں نظر سے سب کی بچا بچا کر
رحیم ہے تیرا نام ایشور معاف کردے گناہ میرے
خطائیں مجھ سے ہوئی ہیں ظاہر کیے ہیں عصیاں چھپا چھپا کر
یہ میرے اشکوں کے چند قطرے سوا ہیں رتبے میں گنگا جل سے
کہ حوض کوثر پہ جا ملیں گے سقر کی آتش بجھا بجھا کر
خبر نہ جب تک کہ راہ کی تھی تو روپ تو کس بلا کی بھٹکی
عبث ہے پر اب یہ بت پرستی خدا خدا کر خدا خدا کر

اس واقعہ کے تقریباً دو سال بعد لکھنؤ کے قومی اخبار ''سرفراز'' کے محرم نمبر بابت ۱۳۵۴ھ (اپریل ۱۹۳۰ء) میں انھیں خاتون کا بیں بندوں کا ایک مخمس پڑھنے کو ملا جس کا پہلا مصرع یہ تھا:

ع ترا کیسا پیارا یہ نام ہے کہ جو حق سے تجھ کو عطا ہوا اس مخمس کی پیشانی پر یہ تمہیدی نوٹ درج تھا:-

ذیل کا مخمس محترمہ روپ کنواری صاحبہ تلمذ جناب فضل رسول صاحب المتخلص بہ فضل شاگرد حضرت انس اعلی اللہ مقامہ کی تصنیف لطیف ہے۔ اس خمسے کے پانچ شعروں پر مصنفہ نے

مصرعے لگائے ہیں۔ باقی خمسہ خود مصنفہ ممدوحہ کی تصنیف ہے۔ موصوفہ فارسی میں منشی کامل کا امتحان پاس ہیں اور انگریزی میں سیکنڈ ایئر کی طالبہ ہیں۔ آپ ایک ممتاز برہمن خاندان سے ہیں۔ مبداء فیض سے آپ کو ملکہ شاعری خاص طور سے ودیعت ہوا ہے۔ چنانچہ گزشتہ چار سال سے (مراد یہ کہ ۱۹۳۱ء سے) آپ مداحی اہل بیتؑ اور ائمہ علیہم السلام کا شرف حاصل کر رہی ہیں۔"

اس مخمس کو پڑھنے کے چند ماہ بعد ہم نے اول سید یوسف حسین رواںؔ مرحوم سے چھتہ تقی حسین (میرٹھ) کی ایک مجلس میں موصوفہ کا شاہکار مرثیہ سنا اور پھر کچھ زمانے بعد اسی مرثیے کو موضع مجھیڑہ (ضلع مظفر نگر) کی ایک مجلس میں میرٹھ کے مشہور مرثیہ خوان شیخ مطلوب حسین کثیرؔ نے اپنے والہانہ انداز میں سنایا۔ جس کا مطلع یہ تھا۔

عروس نظم کی زینت ثنائے حیدرؑ ہے　　یہاں کا حسن لطافت ثنائے حیدرؑ ہے
گل ریاض فصاحت ثنائے حیدرؑ ہے　　خدا کی عین عبادت ثنائے حیدرؑ ہے
جو حق شناس ہیں ان کو ثنا یہ بھاتی ہے
یہی ثنا تو بہشت بریں دکھاتی ہے[1]

روپ کنوار کنوار کا کلام نادر ونایاب ہوگیا ہے۔ جب میں نے بڑے بڑے کتب خانوں میں ان کے کلام کی دستیابی کے لیے خاک چھانی اور مجھے کوئی کامیابی نہیں ہوئی تو میں بڑا مایوس ہوگیا۔ آخر مجھے دو مرثیے ایک مطبوعہ اور دوسرا قلمی نسخہ جناب سید محمد رشید صاحب کے کتب خانے میں دریافت ہوئے۔ قلمی نسخے کا ذکر کسی نے نہیں کیا۔ میرے خیال میں غالباً یہ غیر مطبوعہ ہے۔ مطبوعہ نسخہ جس کا مطلع ہے۔

عروس نظم کی زینت ثنائے حیدر ہے

۱۶۱ بند پر مشتمل ہے اور یہ پانچویں مرتبہ فروری ۱۹۴۷ء (ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ) مطبع یوسفی دہلی میں ایک ہزار کی تعداد میں چھپا تھا۔ اس کا عنوان "بادۂ عرفان" ہے۔ سرورق پر عبارت ذیل درج ہے:-

"یہ وہ معرکتہ آلارا مرثیہ ہے جس میں مضامین توحید فضیلت حضور سرور کائنات محمد مصطفیٰ

---

[1] رزم نگاران کربلا صفحہ ۳۶۹ ڈاکٹر صفدر حسین سال طبع ۱۹۷۰ء

.....فضائل ومناقب حضرت شیر خدا سید الاوصیا امیر المومنینؑ کو طرز جدید اور بالکل نئے اور اچھوتے حسن بیاں کے ساتھ نظم کیا گیا ہے۔ اگر آپ ایک تعلیم یافتہ ہندو عورت کے دلی جذبات اور مذہبی استغراق کی اصلی تصویر اپنے آئینۂ دل پر کھینچنا چاہتے ہیں تو اس بے مثل و بے نظیر مرثیے کا مطالعہ فرمادیں اور لطف اندوز ہوں۔

مصنفہ

محترمہ عالمہ وفاضلہ مس روپ کنوار صاحب تلمیذ جناب نجم آفندی

باہتمام

ادیب عصر سید نصیر زیدی الواسطی دہلوی۔ بی۔اے۔ منیجر

از مطبع یوسفی دہلی شائع شد

مرثیہ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کنوار کو تاریخ اسلام اور احادیث رسول میں اچھی خاصی نظر تھی۔ انہیں رسولؐ اور آل رسول سے بڑی محبت تھی۔ حضرت علیؑ کو دنیا کے سورماؤں میں افضل ترین سمجھتی تھیں۔ موصوفہ کو علیؑ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ یہ عقیدت ان کے مذہبی لوازمات میں شامل تھی۔ اردو فارسی دونوں زبانوں میں مہارت حاصل تھی۔ دیکھئے حضرت علیؑ کے تئیں اپنے حسن عقیدت کا اظہار بے خوف و خطر کس طرح کرتی ہیں ؎

بڑی ثنا ہے غرض میرے دیوتا کی ثنا　　جناب حیدر صفدر کی مرتضیٰ کی ثنا
علی کی مدح سرائی ہے مصطفیٰؐ کی ثنا　　ثنائے احمد مختار ہے خدا کی ثنا
انہی کی مدح سرائی سے دل کو راحت ہے
انہی کا ذکر تو اللہ کی عبادت ہے

نثار تجھ پہ ہوں میں اے مرے ثنا والے　　میں صدقے اے مرے ممدوح مصطفیٰؐ والے
ترے جو ہیں وہی بندے تو ہیں خدا والے　　مدینہ والے ہوں اس میں کہ کربلا والے
خدا کا شیر تو ہی ہے مہابلی ہے تو ہی
تمام خلق سے اولیٰ تو ہی علی ہی تو ہی

علیؑ خلاصۂ آل عبا علیؑ اعلیٰ　　علیؑ چراغ ہدایت علیؑ امام ہدیٰ
علیؑ ولی خدا ......... علی اولیٰ　　مثال ختم رسل خلق کا علیؑ مولیٰ

مریض درد معاصی کے ہیں طبیب علیؑ
نبیؐ کی طرح ہیں اللہ کے حبیب علیؑ

گل ریاض امامتؑ علیؑ جناب علیؑ چنیدہ پھول ہیں پھولوں میں ہیں گلاب علیؑ
عطا میں فرد شجاعت میں لاجواب علیؑ جو منتخب ہیں بشر ان میں انتخاب علیؑ

رسولؐ پاک جو خورشید تو قمر ہیں علیؑ
نبیؐ کے قوت بازو علیؑ سپر ہیں علیؑ

علیؑ حبیب خدا ایلیا علیؑ عابد علیؑ شہید علیؑ شاہِ دیں علیؑ شاہد
علیؑ تقی وعلیؑ متقی علیؑ قائد علیؑ وحید و علیؑ حامد و علیؑ واحد

جو کہہ گئی ہوں یہ کیا ہے نہ جانے کیا کہتی
خدا کا ڈر ہے علیؑ کو نہیں خدا کہتی

علیؑ ہیں راکب دوش نبیؐ علیؑ سرور علیؑ امیر علیؑ امر حق علیؑ رہبر
علیؑ رضی اسداللہ ساقی کوثر علیؑ امام علی مرتضیٰ علی حیدر

کوئی علیؑ سامہا وید کب ہے بھارت ہیں
خدا ملا ہے اسی دیوتا کی سنگت میں

بڑی ثنا ہے غرض میرے دیوتا کی ثنا جناب حیدرؑ صفدر کی مرتضیٰ کی ثنا
علیؑ کی مدح سرائی ہے مصطفیٰؐ کی ثنا ثنائے احمد مختار ہے خدا کی ثنا

انہی کی مدح سرائی سے دل کی راحت ہے
انہی کا ذکر تو اللہ کی عبادت ہے

خیال خام ہے بعضوں کا میری جانب آہ کہ ہائے کیسی یہ لکھ پڑھ کے ہوگئی گمراہ
جو اہل ذکر ہیں ذکر ان کا جانتے ہیں گناہ اس انحراف کی حد ہے کوئی معاذ اللہ

بزعم خود یہ مگر جرم مجھ پہ لازم ہے
تو پھر یہ کہیئے کہ پرماتما بھی مجرم ہے

کہاں پہ کی نہیں بھگوان نے ثنا ان کی صفت کتاب خدا میں ہے جا بجا ان کی
عیاں ہیں شان میں آیا ہے ہل اتی ان کی مئے ولا سے ہیں مخمور انبیاء ان کی

دھرم کی راہ میں مرنا علیؑ کا کھیل رہا
بتوں کے پاس نہ پھٹکے خدا سے میل رہا

انہی کی وجہ سے ذہن رسالہ ملا مجھ کو دیا ہے اپنے ثنا خواں کا مرتبہ مجھ کو
انہی نے خلد کا رستہ بتا دیا مجھ کو یہ کم وقار ہے ملتا بھی اور کیا مجھ کو
مرا سخن نہیں آل عباؑ کا صدقہ ہے
علیؑ کا صدقہ ہے یا مصطفیٰؐ کا صدقہ ہے

اگرچہ پردہ نشیں ہے مجھے خدا نے کیا مگر جو حق ہے اُسے کیوں رکھوں میں در پردہ
رسولؐ نے شب معراج کہئے کیا دیکھا بس اِتنا پوچھتی ہوں میں نہیں حجاب کی جا
بتادیں اہل بصیرت وہ تھا خدا کا ہاتھ
خدا کا پردہ سے نکلا کہ مرتضیٰؑ کا ہاتھ

مرثیے کے آخر میں حضرت علی اصغرؑ کی شہادت کا حال بیان کیا گیا ہے۔ ذیل کے بند قابل لحاظ ہیں ۔

پرے سے فوج کے ناگا حرملہ نکلا کمان دوش سے چلّے سے تیر لے کے چلا
گلوئے لختِ دل شاہ کربلا تا کا کماں میں تیر کو جوڑا اشقی نے اور یہ کہا
حسینؑ اب وہ پلاتا ہوں آب سردان کو
کہ تا بہ حشر لگے گی نہ پیاس کمسن کو

یہ کہہ کے تیر کو جوڑا ادھر یہ حال ہوا کہ حلق چھد گیا معصوم خوں میں لال ہوا
دہن سے دودھ اگلنے لگا نڈھال ہوا اک آہ ہلکی سی کی اور انتقال کیا
پدر نے پاس سے ننھی سی جان کو دیکھا
کبھی زمیں کو کبھی آسمان کو دیکھا

پکارے سید بیکس کہ کیا کیا تم نے ہمارے لال کو پانی پلا دیا تم نے
جو کچھ کیا ارے لوگو برا کیا تم نے غضب کیا مرے بچے پہ کی جفا تم نے
یہ کہہ رہے تھے کہ تیروں کا مینہہ برسنے لگا
حسینؑ رو دیئے لشکر تمام ہنسنے لگا

بس اب نہیں دل محزوں کو تاب ضبط و قرار　　قلم کو روک کے کرعرض شبہ سے روپ کنوار
کہ اے علیؑ کے پسر سبط احمدؐ مختار　　تمام آپ پہ روشن ہے میری حالت زار
مدد کو آیئے مہراج مجھ پہ آفت ہے
میں کھل کے کہہ نہیں سکتی جو دل کی حالت ہے

ذیل میں وہ مرثیہ درج کیا جاتا ہے جس کے بارے میں کہیں کوئی حوالہ نہیں مل رہا ہے۔ غالباً غیر مطبوعہ ہے اور پہلی مرتبہ منظر عام پر آرہا ہے۔ مطلع ہے ۔

جہاں کا ورقِ زرنگار فانی ہے

# مرثیہ

جہان کا ورقِ زرنگار فانی ہے　　یہ زینتِ چمن روز گار فانی ہے
بشر کا حسن گلوں کا سنگار فانی ہے　　خزاں پکار رہی ہے بہار فانی ہے
چمن میں ہوں گے پریشاں دماغ پھولوں کے
بجھیں گے باد خزاں سے چراغ پھولوں کے

باغ وہ ہے نہیں جس کو ایک دم بھی بقا　　پیام موت ہے ہر لحہ اس چمن کی ہوا
جفا وجود سے اس کے عیاں ہے رنگ فنا　　ستم کیے ہیں گلوں پر تو بلبلوں پہ جفا
وہ غنچے ہیں جو محبت کی بُو نہیں رکھتے
وہ باغباں ہیں جو الفت کی خو نہیں رکھتے

یہی ہے رنگ جہاں کل بہار آج خزاں　　مقام بوم ہے رہتی ے عندلیب جہاں
وہ پھول غنچۂ دل کو جو کرتے تھے خنداں　　انہی کو رو رہی ہے آج بلبل نالاں
لگی ہے آتش گل بلبلوں کے سینے میں
وہ ایک پَل میں چھٹے جو پلے مہینوں میں

ہمشہ رنگ بدلتا ہے آسماں کیا کیا　　خزاں نے کردیئے ویران بوستاں کیا کیا
ملائے خاک میں گل پیرہن جواں کیا کیا　　کئے ہیں آنکھوں سے غنچہ دہن نہاں کیا کیا

عجیب واقعہ ہے طرفہ کارخانے میں
وفا جہاں میں نہیں بے وفا زمانے میں

غرض کہ عالم فانی کا ایک حال نہیں یہ وہ چمن ہے کہ جس میں کوئی نہال نہیں
عروج کون سا ہے وہ جسے زوال نہیں وہ کون دل ہے کہ جس میں ذرا ملال نہیں

اسی طرح سے سدا منقلب زمانہ ہے
سمجھتے ہو جسے دنیا طلسم خانہ ہے

یہ ہے محال ہمیشہ رہے جہاں باقی نہ گل رہیں گے نہ بلبل کا آشیاں باقی
نہ ہم رہیں گے نہ دنیا کا بوستاں باقی نہ یہ زمین رہے گی نہ آسماں باقی

جہان زیست تو اک خواب کا فسانہ ہے
بقا اسی کو ہے جس کا یہ کارخانہ ہے

بقائے گلشن عالم کا اعتبار نہیں یہ باغ وہ ہے ہمیشہ جہاں بہار نہیں
وہ کون گل ہے خزاں سے جو ہمکنار نہیں مقام سیر گلستان روزگار نہیں

خیال و خواب ریاض جہان فانی ہے
بہار گلشن فانی کی آنی جانی ہے

سحر ہوئی تو عجب باغ میں اجالا تھا بچھی تھی نور کی چادر چمن نرالا تھا
شجر پہ اوس نہ تھی موتیوں کا مالا تھا پٹا گلوں سے چمن کا ہر ایک تھالا تھا

کھلی جو آنکھ عنا دل نے سیر گل دیکھی
ہوئی جو شام تو ہستی کی شمع گل دیکھی

فنا سمجھتے ہیں دنیا کو وہ جو ہیں ہوشیار جو دور بیں ہیں زرگل کو جانتے ہیں وہ خار
ہمیشہ رہتا ہے اس طرح منقلب سنسار نہ کر حیات پہ تکیہ فنا ہے آخر کار

تجھ ایسے کتنوں کو اس نے سرد خاک کیا
کسی نے سانس نہ لی دفعتاً ہلاک کیا

گرا کے نظروں سے اٹھنے دیا کہاں اس نے تباہ کردیئے آباد خانداں اس نے
مکین کر کے بھی ویراں کیئے مکاں اس نے ملائے خاک میں کیا کیا حسیں جواں اس نے

جو انتخاب زمانہ تھے وہ حسیں نہ رہے
جو مہہ لقا تھے وہ دنیا میں مہہ جبیں نہ رہے

ڈبویا سیکڑوں کو اس نے قعر دریا میں　　نکالی جان ہزاروں کی اس نے صحرا میں
نہ کعبے میں ہے اماں اس سے نہ کلیسا میں　　مچایا اس نے تلاطم تمام دنیا میں

خدا کی دی ہوئی جب جان ہے تو چارہ کیا
جو چیز اپنی نہ ہو اس میں پھر اجارہ کیا

کدھر ہیں آج سلیمانؑ ہوئی حکومت کیا　　وہ تخت تاج کہاں ہیں ہوئی وہ حشمت کیا
گیا وہ ملک کدھر کو ہوئی وہ دولت کیا　　کہاں ہے طبل وعلم پہنچی ان کی نوبت کیا

ہزاروں خلق میں سلطاں تھے پر نشاں نہ رہا
اٹھایا بار الم لشکر گراں نہ رہا

جناب خضرؑ سے پوچھو پتہ سکندر کا　　نہ تخت کا ہے نشاں اب کہیں نہ لشکر کا
پتہ نہ آئینے کا ہے نہ تاج پر زر کا　　نہ دور اب ہے ارسطو سے اہل جوہر کا

پکارتی ہے اجل وہ حشم گیا کہ نہیں
کدھر کو جم گیا رنگ اپنا جم گیا کہ نہیں

زمانے میں تھا لقب جن کا افصح الفصحا　　فصاحت اور بلاغت کا جن کی تھا چرچا
سخن شناس سخن سنج صاحب انشاء　　گیا کدھر کو فلاطوں ہوئی وہ حشمت کیا

کلام جن کے تھے شیریں وہ رشکِ فن نہ رہے
جہانِ شعر کے وہ خسرو سخن نہ رہے

بڑے بڑے ہوئے دنیا میں پہلواں پیدا　　بجا تھا جن کی شجاعت کا خلق میں ڈنکا
قوی دلیر سلحشور معرکہ آرا　　گئے عدم کی طرف آخرش جب آئی قضا

عیاں کتابوں سے ہے کتنے تیغ زن گذرے
اجل کی راہ سے آخر وہ اہل فن گزرے

پہاڑ سے جو نہ دبتے تھے وہ جواں نہ رہے　　جو رشکِ رستم دوراں تھے پہلواں نہ رہے
کہاں کہاں وہ جہاں میں پھرے کہاں نہ رہے　　جب آگئی چمن عمر میں خزاں نہ رہے

ریاض فوج میں کب فتح کی بہار ہوئی
شکست کیا ہے اجل جب گلے کا ہار ہوئی

کہاں ہیں آج وہ جو مصطفیؐ کو بھولے تھے　　حدیثیں یاد تھیں حکم خدا کو بھولے تھے
نہ دیکھا کھول کے قرآن قضا کو بھولے تھے　　غضب ہے بندوں کے بندے خدا کو بھولے تھے

کہاں ہیں خنجر و شمشیر مارنے والے
کہاں حسینؑ کا سر ہیں اتارنے والے

کدھر ہے شمر لعیں جو ڈرا نہ داور سے　　شریر نے نہ رکھا واسطہ پیمبرؐ سے
گلا حسینؑ کا کاٹا شقی نے خنجر سے　　اتاری زینب و کلثوم کی ردا سر سے

فشار قبر کا اس نے نہ کچھ خیال کیا
کہ لاشۂ شہہؑ ذی جاہ پائمال کیا

انہیں شریروں نے باغ علیؑ کو لوٹ لیا　　نہ ابن ساقی کوثر کو آب نہر دیا
اٹھایا اس کا مزا جب اجل کا جام پیا　　نہیں جہاں کو بقا کس نے اس کا دھیان رکھا

یہاں جو رہتے ہیں پابند عیش غافل ہیں
نہ اس کے دام میں آئیں گے وہ جو عاقل ہیں

جگہ جگہ ہیں جفائے جہاں کے افسانے　　اسی کا کرتے ہیں ذکر اپنے اور بیگانے
بنائے سیکڑوں مجنوں ہزاروں دیوانے　　پتہ نہیں ہے گئے کس طرف خدا جانے

عروج قیس نہ لیلیٰ کا اوج محمل ہے
نہ اب وہ آہ و فغاں ہے نہ نالۂ دل سے

سرور عیش کا ساماں جو ہے بہم کیا ہے　　یہ ملک و مال ہے کیا لشکر وعلم کیا ہے
یہ تخت وتاج ہے کیا یہ حشم خدم کیا ہے　　کوئی بھی جانتا ہے اب کہ جام جم کیا ہے

کریں جو یاں کی حکومت پہ فخر ناداں ہیں
اجل کے بعد امیر و فقیر یکساں ہیں

گدا و شاہ کو پیوند خاک ہونا ہے　　اندھیری قبر میں دونوں کو جاکے سونا ہے
نہ صحن ہے نہ مکاں صرف تنگ کونا ہے　　کفن لباس ہے فرش زمیں بچھونا ہے

نہ کوئی صاحب دوراں نہ بارگاہ کوئی
نہ تاج وتخت وہاں ہے نہ ہے سپاہ کوئی

بہار آج ہے سنسار میں تو کل ہے خزاں    وہ اب کہاں ہیں جو تھے ملک و مال پر نازاں
کوئی رہے گا ہمیشہ نہ درمیان جہاں    مکان کل جو تھے آباد آج ہیں ویراں

نہ ہے نشانِ فریدوں نہ کرو فراس کا
نہ اب جہاں میں ہے قاروں نہ مال وزراس کا

کوئی بھی ہو نہ کرے اپنے مال وزر پہ غرور    کہ ہوگا بس وہی بھگوان کو جو ہے منظور
جہاں میں سب کے لیے ایک دن ہے موت ضرور    کہاں ہے حشمت جمشید اور کہاں فغفور

نہیں جہان میں ان کا نشاں تلک باقی
رہیں نہ زیر زمیں ہڈیاں تلک باقی

نہ اپنے ذہن میں لائے کبھی یہ کوئی بشر    کہ ہم ہیں صاحب زر کیا ہمیں کسی کا ضرر
اجل ضرور ہے رکھے ہمیشہ مدِ نظر    کرے نہ خلق پہ سختی چلے نہ بانی شر

جہاں میں بندۂ پروردگار بن کے رہے
زمیں پہ جھک کے چلے خاکسار بن کے رہے

کسی کے ساتھ جہاں میں کبھی دغا نہ کرے    یزید سا کوئی بے رحم ہو خدا نہ کرے
بشر کو چاہئے بیمار پر جفا نہ کرے    شریف پردہ نشینوں کو بے حیا نہ کرے

جو بے غذا ہو تو توڑے کبھی نہ اس کی آس
اگر ہو کوئی پیاسا بجھائے اس کی پیاس

وطن سے دور جو ہووے کبھی نہ اس کو ستائے    جو میہماں ہو اپنا نہ اس کے دل کو دکھائے
ستم کا تیر گلوئے صغیر پہ نہ لگائے    جو تین دن کا ہو پیاسا نہ خون اس کا بہائے

کوئی بھی ہو نہ جفا سے اُسے حلال کرے
کسی کی لاش نہ گھوڑوں سے پائمال کرے

یہ سخت عیب ہے دل کو بنائے جو پتھر    بہن کے سامنے پھیرے نہ بھائی پر خنجر
کبھی اٹھائے نہ دستِ ستم یتیموں پر    کبھی نہ آگ سے پھونکے کسی غریب کا گھر

کرے گریز دل افگار کے ستانے سے
ڈرے ہمیشہ مشیت کے تازیانے سے

نگاہ چاہئے روشن ہے ماہ و مہر کا حال　　رہیں گے مشرق و مغرب نہ یہ جنوب و شمال
یہی ثوابت و سیار کی سمجھ لو مثال　　کہ جیسے آنکھ میں آنسو ہو جن کے چہرے کا حال

زمیں کا فرش نہ یہ چرخ کا محل ہوگا
چراغ مہر نہ ماہتاب کا کنول ہوگا

عبث غرور ہے دو دن کے جاہ پر ہوشیار　　نگاہ چاہئے قہر اللہ پر ہوشیار
نہ ناز چاہئے بے حد سپاہ پر ہوشیار　　اب آنکھ کھول نہ سو شاہراہ پر ہوشیار

خدا جو ہوش دے سودائے سیم و زر کیا ہے
جو سر کو ٹھوکریں کھانا پڑیں وہ سر کیا ہے

رسول باعث ایجاد خلق شاہ ہدا　　زمین و چرخ کی پشت و پناہ صل علا
حبیب خالق یکتا جناب خیر الوریٰ　　قرآں میں کی ہے خدا نے بھی جس کی مدح و ثنا

جہاں نے کب دل محبوب حق کو شاد کیا
جبھی خدا نے حضوری میں اپنی یاد کیا

مآل سے نہ ہو غفلت اگر ہو تم ہوشیار　　یہ نیند موت سے بدتر ہے دل رکھو بیدار
یہی ہے خوب رہے توشۂ سفر تیار　　ہزار گنج ہوں پھر آخرش ہیں سب بیکار

خزانے یاں سے نہ وہاں ساتھ لے کے جاؤ گے
لحد میں جا کے سب ہاتھوں کو خالی پاؤ گے

یہ بے ثبات ہے جس کا جہاں میں عمر ہے نام　　کہ ایک نفس ہے مثل حباب کام تمام
کبھی نہ خوش رہے دنیا میں اولیائے کرام　　ملال اس کی سحر ہے بلا ہے اس کی شام

یہ ہے وہ دارِ فنا جس میں انبیاء نہ رہے
نصیحتیں تو رہیں خاصۂ خدا نہ رہے

ہزار سختیاں گر ہوں تو کچھ نہیں پروا　　بشر کو چاہئے فکر اپنی عاقبت کی سدا
وہ حق کا بندہ ہے بندہ نہیں جو دنیا کا　　جو اس کا بندہ ہے وہ زر کو جانتا ہے خدا

خیال و خواب پہ دنیا کی زندگانی ہے
جسے نہیں ہے بقا یہ وہ بزم فانی ہے
وہ باخبر ہے جو لے راہ آخرت کی خبر　　یہاں سے جانا ہے اس سے نہیں کسی کو مفر
بشر نظر نہ کرے اپنی جاہ دنیا پر　　سمجھ لے خوب یہ منزل ہے جائے خوف وخطر
جو چاہتے ہو کہ راحت اٹھائیں عقبیٰ میں
کرو حصول کی اس کے نہ فکر دنیا میں
اسی میں خیر ہے دنیا کو بے وفا جانو　　نہ کیمیا کے لیے خاک در بدر چھانو
حواس میں رہو کیا کر رہے ہو دیوانو　　بتوں کو چھوڑ دو اب بت شکن کو پہچانو
جو مانگنا ہے شہہ مشرقین سے مانگو
خدا سے پاؤ گے لیکن حسینؑ سے مانگو
یہ ہیں خدا کی خدائی کے مالک و مختار　　خدا کے بعد اگر ہے تو سب یہی سرکار
انہیں نے راہ خدا میں لٹا دیا گھر بار　　انہیں نے عالم زر میں اٹھایا تھا وہ بار
جو اوصیا سے اٹھا اور نہ انبیاء سے اٹھا
وہ اس نواسۂ محبوب کبریا سے اٹھا
اسی کی وعدہ وفائی کو کربلا آئے　　یہیں پہ جوہر صبرو رضا ہیں دکھلائے
اسی کے واسطے اہل حرم کو تھے لائے　　بھتیجے بھانجے بیٹے یہیں پہ کٹوائے
عجیب کرب و بلا نے شرف یہ پایا ہے
کہ اس نے آپ کو آغوش میں سلایا ہے
جبھی تو ہمسر عرش علیٰ ہوئی یہ زمیں　　جبھی تو خلد بریں سے سوا ہوئی یہ زمیں
جبھی تو دنیا میں خاک شفا ہوئی یہ زمیں　　جبھی تو مخزن نور خدا ہوئی یہ زمیں
اس ارض پاک کے رتبوں کو کوئی کیا جانے
رسولؐ جانتے ہیں یا اسے خدا جانے
خوشا نصیب اگر کربلا میں ہو تربت　　تو سمجھوں دنیا ہی میں مجھ کو مل گئی جنت
جہاں فشار نہ مطلق حساب سے فرصت　　عذاب کیسا یہاں تو ہے سایۂ رحمت

گناہ گار کو جو دل کا مدعا مل جائے
ملے خدا جو کہیں ارض کربلا مل جائے
خدا نے اس کو عجب مرتبہ کیا ہے عطا		کہ بادشاہوں سے افضل ہیں اس زمیں کے گدا
بروز حشر بنے گی یہ تاج عرش علا		بھرا ہے دولتِ ایماں سے دامن صحرا
جہاں میں گنج شہیداں کے ہیں شرف کیا کیا
اس ارض پاک نے پائے در نجف کیا کیا
ہر ایک سمت برستی ہے رحمت یزداں		مگر ہیں روضۂ سبط رسولؐ پر قرباں
جہاں ہے حیدر کرارؑ کا مہ تاباں		عجیب نور کی مٹی ہے کیا ہو وصف بیاں
وہ خاک پاک کہ جس پر حسینؑ سوتے ہیں
فلک سے آکے ملک اس زمین پہ روتے ہیں
اسی زمیں پہ ہوئے قتل شاہ جن و بشر		شہید ہوگئے عباسؑ و اکبرؑ و اصغرؑ
جلایا ناریوں نے خیمۂ شہہ اطہر		اسی زمیں پہ زینبؑ ہوئیں برہنہ سر
ہوئے عزیزوں کے ماتم میں نوحہ گر سجاد
اسی زمیں پہ ہوئے آہ بے پدر سجاد
خزاں نے لوٹ لیا اس میں ہاشمی گلزار		پڑے تھے خاک پہ گلہائے احمدؐ مختار
ہوئی تباہ شہنشاہِ وقت کی سرکار		اجل نے کردیا خالی حسینؑ کا دربار
سحر کو تو در دولت پہ لاکھ ساماں تھے
دم زوال اکیلے امام ذی شاں تھے
اسی طرح پہ روایت ہے وارد اخبار		ہوئے جو راہی جنت حسینؑ کے انصار
عزیز چھٹ گئے روئے امام عرش وقار		رکاب میں تھا نہ مظلوم کی کوئی غمخوار
و فور رنج سے تھراتا جسم اقدس تھا
نہ فوج تھی نہ علمدارِ شاہ بیکس تھا
کبھی فراق میں بھائی کے شاہ تھے گریاں		کمر کو تھامے ہوئے تھے کھڑے شہہ ذیشاں
عجیب کرب کے عالم میں کررہے تھے بیاں		کدھر ہوائے علی اکبر تمہیں میں ڈھونڈوں کہاں

کمر تو توڑ گیا شیر مرتضیٰ میری
تمہارے ہجر میں نور آنکھوں کا گیا میری

کہاں ہو عونؑ و محمدؑ بہن کے نور نظر کدھر ہو قاسم ذیشان حسن کے لخت جگر
کہاں ہو ابن مظاہر تمہیں میں ڈھونڈوں کدھر زہر قین کہاں ہیں نہیں کچھ ان کی خبر
ہزار رنج و الم ہیں بس ایک جاں کے لیے
جہاں میں اب کوئی گوشہ نہیں اماں کے لیے

اٹھو کہ سوؤ گے کب تک حسینؑ تم پہ نثار یہ خواب کیسا ہے ہوتے نہیں جو تم بیدار
اجاڑ ہوگیا اک دم میں ہاشمی گلزار پڑے ہیں خاک پہ مرجھائے میرے گل رخسار
کرو غریب کی نصرت دلاور اٹھو
امام بیکس و تنہا کے یاورو اٹھو

سنو کہ آل پیمبرؐ سلام لو میرا خصوص زینبؑ غمگیں اسیر رنج و بلا
وغا کو جاتا ہے مقتل میں بیکس و تنہا سلام تجھ پہ ہو فضہ کنیز خیرالنساء
علیؑ و فاطمہؑ زہرا و مصطفیٰؐ حافظ
خدا کے پاس میں جاتا ہوں لو خدا حافظ

لکھا ہے راویِ صادق نے حال شاہ ہُدا روانہ خیمے کو حضرت ہوئے بہ آہ و بکا
جو پہنچے روتے ہوئے در پہ سید الشہدا کیا خیام میں اہل حرم نے حشر بپا
پکارے سبط نبیؐ تھام کر جگر اپنا
وداع کرلو کہ دنیا سے ہے سفر اپنا

حسین کہتے تھے مقتل میں یہ بآہ و بکا بھتیجے بھائی ہوئے سب شہید راہ خدا
پڑے تھے خاک پہ غمخوار سید والا امام عصر پہ نرغہ تھا فوج اظلم کا
تباہ ہوگیا یثرب کا شاہ مقتل میں
قیامت آئی خدا کی پناہ مقتل میں

سنی حرم نے جو آواز سید اطہر در خیام پہ سب آئے روتے ننگے سر
کھڑے تھے شاہِ زمن مستعد شہادت پر امام زادیوں کا حال ہو بیاں کیونکر

لپٹ گئی کوئی مظلومہ آ کے دامن سے
کوئی تھی لپٹی ہوئی گر کے پائے توسن سے

کہا یہ زینب بیکس نے کیا ارادہ ہے    فدا ہوں آپ یہ اس دم قلق زیادہ ہے
کوئی سوار جلو میں نہ اب پیادہ ہے    کہا حسینؑ نے جنت کا در کشادہ ہے

نہ اکبرؑ اب ہے نہ عباسؑ با وفا باقی
فقط ہے گردن و خنجر کا مرحلا باقی

چلے گی اب مری گردن پہ شمر کی تلوار    خیام اہل حرم کو جلائیں گے اشرار
تبرکاتِ نبیؐ لوٹیں گے یہ بد کردار    اسیر فوج ستم ہوگا عابدِ بیمار

لحد میں روح علیؑ و بتولؑ روئے گی
قریب ہے کہ سکینہؑ یتیم ہوئے گی

اتارا گھوڑے سے اہل حرم نے آخر کار    گئے خیام میں رخصت ہوئے شہہ ابرار
حضور نکلے تو فوج ظفر ہوئی تیار    سوار دوش نبیؐ رخش پر ہوا اسوار

فرس پہ وجد کے عالم میں جھومتی تھی عناں
ادب سے کانپتا ہاتھ اٹھکے چومتی تھی عناں

ہوا جہان میں شہرہ جہاں کا شاہ چلا    ستارے چھوڑ کے برج شرف سے ماہ چلا
مقابلے کو لعینوں کے دیں پناہ چلا    علیؑ کا شیر ژیاں سوئے رزم گاہ چلا

دماغ شاہ میں فردوس کی شمیم آئی
سواری دیکھنے کو خلد کی نسیم آئی

یہ غل تھا گلشن فتح و ظفر میں آئی بہار    صبا کی طرح چلا راہوارِ خوش رفتار
مثال نکہت گل اس پہ سید ابرار    ندا دی بڑھ کے یہ اکبار اہل کیں ہوشیار

............ حلا جاتا ہے شاہ عالم کا
بڑھا ہے پھر ............ کے ضیغم کا

ہلال برج امامت چراغ راہ جناں    انہیں کے در کا ہے اک ذرہ یہ مہہ تاباں
فروغ عرش معلی ضیائے کون و مکاں    جگر نبیؐ کا امام زماں خدا کی زباں

وہ چمکی راہ کہ زہراؑ کے نورعین آئے
سلاحِ جنگ سے آراستہ حسینؑ آئے

پدر ہیں آپ کے بازوئے مصطفیٰؐ حیدر　　خدا کے دست زبردست ساقیِ کوثر
کنندۂ درِ خیبر امام جن و بشر　　علیؑ ولیِؑ خدا جانشینِ پیغمبر
انہیں کے گھر پہ ہوا خاتمہ نبوت کا
انہیں سے سلسلہ جاری ہوا امامت کا

گواہ دونوں جہاں ہیں جہاں کی جاں ہیں یہ　　ضیاء و مہر و قمر نور آسماں ہیں یہ
بہارِ خلد بریں زینتِ جہاں ہیں یہ　　مسیح بھرے ہیں دم عیسیٰ زماں ہیں یہ
خدا کی شان انہیں شانِ مرتضیٰ کہیے
نبیؐ کی طرح ہی اعجاز انبیاء کہیے

کریں ہیں ذرّے کو انجم وہ مہر انور ہیں　　خدا کا دین ہے آئینہ اور یہ جوہر
نہالِ باغِ رسالت کے یہ گلِ تر ہیں　　یہ تشنہ لب ہیں مگر آبروئے کوثر ہیں
ظفر بہ مثلِ علیؑ اختیار رکھتے ہیں
کہ قبضے میں یہ وہی ذوالفقار رکھتے ہیں

علیؑ کا شیر ہے روبا ہو رزم پر مائل　　جسے ہو حوصلۂ جنگ آکے ہو حائل
یہ سچ ہے ضعف بہت ہے ہم اس کے ہیں قائل　　مجال ہے کہ امامت کا زور ہو زائل
امامِ عصر شہہ مشرقین آپہنچے
خبر لو جلد شریرو حسینؑ آپہنچے

ہوئے جو واردِ مقتل امام ہر دوسرا　　خطاب کرکے لعینوں سے شاہِ دیں نے کہا
نبیؐ کا پاس ہے تم کو نہ کچھ ہے خوفِ خدا　　بتاؤ کون سی آلِ نبیؐ نے کی ہے خطا
غضب ہے ہوں شہہ لولاک کے حرم پیاسے
فراتِ فاطمہؑ کا مہر اور ہم پیاسے

زبانِ شاہ سے لشکر نے جب سنے یہ کلام　　کہا یہ شمر نے بڑھ کر کے اے امامِ انامؑ
کرو یزید کی بیعت .......... آرام　　ابھی ہم آپ کو پانی پلائیں لائیں طعام

بس ایک بات میں طے سارا مرحلہ ہوجائے
ہمارے آپ کے دم بھر میں فیصلہ ہوجائے

کہا حسینؑ نے استغفراللہ اے مکار سخن فریب کے کرتا ہے مجھ سے بد کردار
خدا کی شان .......... دین کبریا پکار نظر سے .......... کھینچے تلوار
امام کون و مکاں اور یزید کی بیعت
رسول حق کا پسر اور پلید کی بیعت

بڑھے یہ سنتے ہی بس پندرہ ہزارا ظلم کمانیں کھنچ گئیں برسائے شہہ پہ تیر ستم
سنیں حسین کا اعجاز صاحب ماتم خوداپنے تیروں سے اہل خطا ہوئے بے دم
یہ معجزہ تھا نہ حضرت کے جسم پر آئے
پلٹ کے سحر کی صورت انہیں میں در آئے

چلا ہے بہر وغا تیرا دلربا ساقی وہ جام دے کہ بڑھے دل کا حوصلہ ساقی
بغیر مئے کے پئے مجھ سے ہوگا کیا ساقی وغا امام کی کیونکر لکھوں بتا ساقی
جمہائی آتی ہے اور جسم ٹوٹا جاتا ہے
قلم بھی ہاتھ سے لے دیکھ چھوٹا جاتا ہے

مدد کا وقت ہے اے مرے دلبراساقی پلا کے جام بڑھا قوتِ وغا ساقی
چلا ہے تیغ بکف ابن مرتضیٰ ساقی کھنچے وغا کا مرقع تو ہے مزا ساقی
وہ ساغر آج عطا ہو کہ جوش بڑھ جائے
جمے وہ رنگ دل بادہ نوش بڑھ جائے

کدھر ہے اے میرے رنگین مزاج گل اندام پلا دے ساقی کوثر کے نام پر اک جام
رہے بہار مرے گلشنِ سخن میں مدام رقم ہو مستوں کی فہرست میں مرا بھی نام
مزا زباں پہ ہو رنگ سرور آنکھوں میں
سمائے ساقی کوثر کا نور آنکھوں میں

وہ حملہ ور ہوا ضرغام حیدر کرار وہ چمکی تیغ وہ پہنچا سپاہ میں رہوار
وہ نکلا خیمہ سے گھبرا کے افسر کفار وہ دیکھو فتنۂ خوابیدہ ہوگیا بیدار

پکارتے ہیں عدو برق شعلہ بار چلی
ہمارا زور چلے کیا کہ ذوالفقار چلی

پڑی سپاہ میں ہل چل بڑے ہوئے ابتر صفیں تھیں صاف رسالے لہو میں ہو گئے تر
ہوا نہ تیغ دوسرے کوئی لعیں سر بر چلی حسام زمیں پر گرے ہزاروں سر

سفر کو غول سپاہِ عدو کے جانے لگے
ہوائے مرگ کے مقتل میں جھونکے آنے لگے

چمک کے خرمن عمر عدو جلانے لگی مثال صاعقہ رن میں تڑپ دکھانے لگی
ستم کی فوج میں طوفان غم اٹھانے لگی نہ ابھرے فوج کے بیڑے لہو بہانے لگی

نثار برق جہندہ تھی تابدار ایسی
دل اہل نار کے تھے آب آبدار ایسی

پری کے ہوش اڑیں جس سے وہ ادا اس کی کھلی جو راہ عدم بندھ گئی ہوا اس کی
عجیب غمزے تھے عاشق ہوئی قضا اس کی وہاں بھی کرنے لگے سب رقم ثنا اس کی

سمائی سر میں کسی کے خیال کی صورت
نہاں تھی دل میں کسی کے ہلال کی صورت

یہ غل تھا کرب و بلا میں اسے بلا کہیے کہ دشت غم کی سلگتی ہوئی ہوا کہیے
ہے عقل ششدر و حیراں کہ اس کو کیا کہیے ہزار بات کی اک بات ہے قضا کہیے

چھری تھی موت کی بے شک وہ مرغ جاں کے لیے
دہکتی آگ ہوئی ماہی زباں کے لیے

کلائی کاٹی کسی کی کسی کا سر کاٹا سمائی آنکھوں میں جب رشتہ نظر کاٹا
رگوں کا خون پیا سینے میں جگر کاٹا دل شریر کو مثل خیار تر کاٹا

بدن زمیں پہ گرائے اڑا کے سر توڑے
شجر کی تیغ نے ٹکڑے کیے ثمر توڑے

سروں پہ ناریوں کے آئی یا بلا پہنچی عدو کے کان میں وہ صورت صدا پہنچی
دہل کے سینے جلا بادل قضا پہنچی صفیں زمیں پہ ہوئیں فرش جب وہ آ پہنچی

کبھی نکل گئی آنکھوں سے وہ نظر کی طرح
دہن سے نکلی کبھی آہ پر شرر کی طرح

لگا تھا قلعہ لشکر میں کشتوں کا انبار  قضا کی دھوم تھی تھا گرم موت کا بازار
سروں پہ چل رہی تھی تیغ حیدر کرار  ردائے خاک سے منہ کو چھپائے تھے اسوار
پڑے تھے جسم زمیں پر ستم شعاروں کے
قدم سمندوں کے تھے سر پہ شہسواروں کے

چمک کے خود پہ آئی جدا کیا سر کو  زرہ کو ڈھال کو چار آئینہ کو بکتر کو
صفوں کو صاف کیا الٹا قلب لشکر کا  قلم علم کو کیا اور بے سرافسر کو
ہر اک کا ٹوٹ گیا دل اجل دو چار ہوئی
چمک کے رہ گئے شیشے جو شعلہ بار ہوئی

عجیب شان سے مقتل میں تھی وہ تیغ رواں  شرارے وہ تھے کہ بجلی بھی مانگتی تھی اماں
لپک جو اس میں تھی شعلے میں وہ لپک ہے کہاں  اڑا کے ہوش عدو کے جلایا خرمن جاں
ہوا یہ شور کہ قبضے میں کوئی دلبر ہے
تڑپنے میں کسی عاشق کا قلب مضطر ہے

سوار آ نہ سکے منہ پہ برچھیاں تانے  بہادر فوج کے لوہا تھے تیغ کا مانے
تجلی وہ تھی کہ جوہر کے دل تھے دیوانے  چراغ بیچ میں چاروں طرف تھے پروانے
ہزار رنگ فلک کی طرح بدلتی تھی
بپا تھا حشر قیامت کی چال چلتی تھی

کلیجے فوج کے تلوار نے فگار کیے  کوئی نہ جم کے لڑا مشورے ہزار کیے
جگر کو چھیڑ کے دل اس نے بے قرار کیے  نہ ابن سعد کو چارہ تھا بن فرار کیے
عدو نے کردیا خیمے کو دفعتاً خالی
کہ جیسے روح نکل کر کرے بدن خالی

صدا یہ دے رہی تھی موت ظالمو ہوشیار  خدا کا قہر ہے نازل کرو تم استغفار
ہر ایک وار کو سمجھو خدا کے ہاتھ کا وار  وہی ہے زور وہی ضرب ہے وہی تلوار

کرے جو قصد اڑے فوج ایک ضربت میں
اجل رہی ہے ہمیشہ اسی کی صحبت میں

ہوا کی سانس کی تیغ کج ادا نہ رکی     سر اہل نام کے اڑتے رہے ہوا نہ رکی
عدو کی روح تصدق ہوئی بلا نہ رکی     اجل تو تھک کے رکی ثانی قضا نہ رکی

بغیر جان لیے سر پہ کب وہ جا کے ٹلی
مثل یہ سچ ہے کہیں موت بھی ہے آگے ٹلی

جدھر اشارہ کیا تیغ نے چلا رہوار     جہاں نورد، سبک سیر بادپا رہوار
امام عصر کا .......... رسول کا رہوار     سوار شان خدا قدرت خدا رہوار

نثار ہوں پر جبریل تیز پا ایسا
دماغ عرش معلیٰ پہ تھا رسا ایسا

نبی کے پیارے کا پیارا مزاج داں رہوار     گراں رکاب صبادم سبک عناں رہوار
سوار نیر اعظم تھا الاماں رہوار     عدو تھے خاک جو گرمایا ناگہاں رہوار

جلایا نعل سے چنگاریاں جہاں جھاڑیں
سمایا چشم عدو میں جو پتلیاں جھاڑیں

غزال خلد کی آنکھیں تھیں حور کا چہرا     کنوتیاں وہ دل آویز نور کا مکھڑا
وہ پیاری شکل کہ جس پر براق ہو شیدا     وہ جوڑ بند خدا داد قدرتی نقشا

بیاں مراتب اعلیٰ ہوں کیا کہ وہ کیا تھا
سوار دوش نبی تھا سوار ایسا تھا

شرر میں دیکھی یہ شوخی نہ شعلے میں یہ لپک     نظر میں چڑھ نہیں سکتی ہے برق کی بھی چمک
چھپا نگاہوں سے دکھلا کے اک نرالی چھچک     کلام اوج سخنداں درست ہے بیشک

کہاں اڑا ہوا پارہ گیا خدا جانے
کدھر کو ٹوٹ کے تارہ گیا خدا جانے

چمکتا پھرتا تھا ہر سمت بادپا رن میں     تھی اس کے نعلوں کی پھیلی ہوئی ضیا رن میں
ادھر سے چاند بنا ماسوا گیا رن میں     ادھر سے بدر دکھاتا ہوا پھرا رن میں

مزاج واں ہے نہیں کام تازیانے کا
خطا معاف نہ لو نام تازیانے کا

یہ تازیانہ ہے تار نفس نہ تار نظر    لکیر ہاتھ کی کیسی گیا خیال کدھر
صبا ہو دنگ جو ہو صحن بوستاں میں گزر    مجال کیا ہے کہ تحریک کر سکے صرصر
سمند صحن میں گلشن کے جب روانہ ہوا
تو جنبش رگ گل اس کو تازیانہ ہوا

نہ اس کو سایہ شمشیر تازیانہ ہے    نہ عکس زلف گرہ گیر تازیانہ ہے
کرن کی اس کو نہ تنویر تازیانہ ہے    نہ اس کو سرمہ کی تحریر تازیانہ ہے
بس اس کو ابروئے شبیر تازیانہ ہے
خود اس کا تار نفس اس کو تازیانہ ہے

وہ دوڑ دھوپ دکھائی بپا ہوا محشر    غبار دشت سے خاکی تھا گنبد اخضر
صفیں الٹنے لگیں مورچے ہوئے ابتر    سموں کی ٹھوکریں تھیں اور عدو کا کاسۂ سر
گماں سے سرعت رفتار میں زیادہ تھا
صفوں پہ جانے میں راکب کا وہ ارادہ تھا

رکا نہ خنجر شمشیر سے ہوا کی طرح    نکالے دم جو پھرا چشم دلربا کی طرح[1]
سر عدو سے جدا ٹاپ نے غرور کیا
کچل کے کاسہ سر دل کو چور چور کیا

وہ تیغ تیز کا حسن اور وہ بادپا کا جمال    کہاں جواب تھا اس کا کہاں تھی اس کی مثال
عجب تھی اس کی روانی غضب تھی اس کی چال    ہنر تھا اس کا ہویدا عیاں تھا اس کا کمال
چمک میں اس کو اگر برق آسماں کہیے
تو پھر لپک میں اسے مرگ ناگہاں کہیے

سم فرس کی صدا اور وہ تیغ کی جھنکار    رواں تھا رخش علم سیف حیدر کرار
سوار لوٹتے تھے بھاگے جاتے تھے رہوار    کہیں سپر تھی سیہ کاروں کی کہیں تلوار

---

[1] بند کا دوسرا شعر غلطی سے لکھنے سے رہ گیا ہے۔ (ا۔ح)

اجل کی ہچکیاں اہل جفا کو آتی تھیں
پڑے تھے خاک پہ تن روحیں بھاگی جاتی تھیں

یہ رن میں دھوم تھی محشر کے دیکھو ساماں ہیں — حواس خمسہ کی صورت عدو پریشاں ہیں
کمانیں کانپتی ہیں مضطرب بد ایماں ہیں — خطا پہ ہیں قدر انداز ہوش پرّاں ہیں
اڑے ہیں ڈر کے حواس اب نہ رن میں اتریں گے
یہ مرغ تیر کسی اور بن میں اتریں گے

وفور خوف سے جاں لے کے بھاگے بداختر — مثال ریگ رواں منتشر ہوا لشکر
پرے الٹ گئے ابتر ہوئیں صفیں یکسر — حسین پیاسے ہیں تھا زور ساقی کوثر
ہوا ہر ایک ثنا خواں امام رہبر کا
دکھایا کھینچ کے نقشہ جہاد حیدر کا

کہاں کہاں نہ لڑے نفس مصطفیٰ حیدر — اسی حسام دو پیکر سے معرکے ہوئے سر
حنین و بدر و احد جنگ خندق و خیبر — مگر نہ پیاسے تھے واللہ ساقی کوثر
نہ داغ دل پہ تھا عباس سے برادر کا
جدا ہوا تھا نہ ان سے پسر برابر کا

کھڑے تھے لاکھوں میں تنہا نہ حیدر کرار — نہ تھے وغا میں نگہبان عترت اطہار
سنا نہیں کہ پسر ساتھ ہو کوئی بیمار — کہاں حسام سے بچے کی قبر ہو کی تیار
ہوا تھا تیر سے بے جاں نہ شیر خوار کوئی
نہ روتا آیا مکاں سے شتر سوار کوئی

جہاں کو خالق عالم نے جیسے خلق کیا — کسی زمیں پہ کبھی اس طرح کا رن نہ پڑا
ہوا تھا خون سے رنگین دشت کرب و بلا — ہزار حیف غریب الوطن پہ تھی یہ جفا
کیا نہ خوف خدا بے گناہ کو مارا
رلا رلا کے لعینوں نے شاہ کو مارا

بیان کرتا ہے راوی کہ جب نہ تھے حضرت — عدو کی فوج فراری کو مل گئی مہلت
مثال مور و ملخ ہوگئی وہی کثرت — وہی بلا تھی وہی حشر تھا وہی آفت

سمت کے شام کا لشکر پھر آ گیا ہے ہے
سحاب ظلم شہہ دیں پہ چھا گیا ہے ہے

کمانیں کھینچ گئیں نیزے اٹھے بڑھا لشکر    شہید کرنے کو بیکس کے آئے بد اختر
گلا تھا ایک شہ دیں کا سیکڑوں خنجر    خدا کی یاد میں سر کو جھکائے تھے سرور
اٹھا کے گھوڑوں کو نیزہ بکف سوار بڑھے
پیادے کھینچے ہوئے تیغ آبدار بڑھے

عجب بلا میں تھے سبط علی امام امم    پڑے تھے گنج شہیداں میں اقربا بے دم
کوئی کرے گا نہ مہمان پر یہ جور و ستم    ہٹے نہ شاہ کے پر جادۂ رضا سے قدم
خیال وعدہ وفائی میں سر جھکائے ہوئے
کھڑے تھے ابن علی خون میں نہائے ہوئے

علی کے لال پہ چلنے لگے ہزاروں وار    صفوں میں ابر کرم پر تھی تیروں کی بوچھار
وہ پھول سا تن نازک وہ نیزہ خونخوار    ستون کعبہ دیں کو گراتے تھے غدار
سنان و تیغ سے خوں فوج کیں بہانے لگی
نبی کے رونے کی آواز رن میں آنے لگی

زمیں ہل رہی تھی چرخ پر تھا حشر بپا    زمانہ درہم و برہم تھا مضطرب تھی ہوا
جھکا تھا زین فرس پر سر امام ہدا    سوائے بے کسی و یاس کوئی پاس نہ تھا
خدا سے کہتے تھے کچھ اور روتے جاتے تھے
بڑھا تھا ضعف تو گھوڑے پہ ڈگمگاتے تھے

علی کے پھول کو گھیرے ہوئے تھے سیکڑوں خار    نہال باغ امامت کی لٹ رہی تھی بہار
خدا کے نور پہ نرغہ کیے تھا لشکر نار    لعیں بجھا رہے تھے مصطفیٰ کی شمع مزار
چہار سمت سے ڈھالوں کا ابر چھایا تھا
گہن میں برج امامت کا ماہ آیا تھا

........لاکھوں کے مجمع میں تھے شہ دلگیر    کسے ہٹائیں کسے روکے کیا کریں شبیر
فرس کی باگ چھٹی وقت آ گیا ہے اخیر    پیام مرگ سناتے ہیں آ کے نیزہ و تیر

گلے میں زخم کو کاری تن شہہ دیں پر
حضور تھم نہیں سکتے ہیں خانہ زیں پر

عجیب حال ہے زخموں سے ابن حیدر کا ٹپک رہا ہے لہو شہ کے جسم اطہر کا
سناں کی نوکوں سے چھدتا ہے قلب سرور کا مباح سمجھے ہیں خوں فاطمہ کے دلبر کا

غضب ہے پیچ ہیں لٹکے ہوئے عمامے کے
لباس خوں کا ہے پرزے ہوئے ہیں جامے کے

مقام سجدہ پر آکر جو ایک تیر لگا تڑپ گئے اسی صدمے سے زین پر مولا
پسینہ موت کا آیا جبیں پہ واویلا قدم سے نکلیں رکابیں جھکے شہ والا

قیامت آگئی تربت میں مصطفےٰ تڑپے
زمیں پہ گھوڑے سے گر کر شہ ہدا تڑپے

علی و احمد وزہرا کے نور عین گرے فلک پہ پیٹ کے قدسی بشور وشین گرے
پکاری بنت علی شاہ مشرقین گرے ارے غضب ہوا بھائی مرے حسین گرے

زمیں پہ مہر مبیں ظلم اہل کیں سے گرا
چراغ بجھتا ہوا دیں کا اوج زیں سے گرا

زمیں پہ گر کے تڑپنے لگے امام ہدا ہلایا نالوں نے خیر النسا کے عرش خدا
چبھے جو سینے میں پیکاں تو اور کرب ہوا حسین نے کئی ساعت اٹھائی یہ ایذا

زمیں لرز گئی افلاک بے قرار ہوئے
وہ تیر سینے میں گڑ گڑ کے دل کے پار ہوئے

بڑھا لیے ہوئے خنجر کو شمر بداختر لحد سے فاطمہ نکلیں سنبھالے قلب و جگر
فرشتے آئے فلک سے زمیں پہ ماننگے سر سرہانے بیٹے کے بیٹھے برہنہ سر حیدر

مزار چھوڑ کے روتے سب انبیاء آئے
جگر کو پکڑے ہوئے رن میں مصطفےٰ آئے

جب آیا شمر ستمگر قریب شاہ ہدا پڑے تھے خاک پہ غش میں امام ہر دوسرا
قدم کو سینے پہ خنجر کو حلق پر رکھا لعیں نے مصحف ناطق کا کچھ ادب نہ کیا

دبا جو سینۂ مظلوم زخم پھٹنے لگے
پسر سے روکے علی ولی لپٹنے لگے

در خیام سے اک بی بی نکلی ننگے سر — بدن میں رعشہ تھا ہلتے تھے کان کے گوہر
نہ اس کے پاؤں میں موزے نہ سر پہ بھی چادر — کہا یہ شمر سے روکر لعیں خدا سے ڈر
شہید کر نہ محمد کے تو نواسے کو
غریب تشنہ جگر تین دن کے پیاسے کو

بہا نہ خون مسافر کا تو خدا کے لیے — نہ میرے بھائی کو کر ذبح مصطفےٰ کے لیے
اٹھالے حلق سے خنجر کو مرتضٰی کے لیے — اماں دے سید بیکس کو مجتبا کے لیے
گرا نہ خاک پہ گردوں لعیں خدا سے ڈر
جناب فاطمہ کے نالہ رسا سے ڈر

ہوس میں دولت دنیا کی سوئے نار نہ جا — رلا کے اپنے نبی کو سقر میں گھر نہ بنا
گرا نہ کعبہ دنیا و دیں کو ہوش میں آ — جو آپ مرتا ہے کب اس کا مارنا ہے روا
امید زیست نہیں گھر کو بے چراغ ہوا
وہ کیا جئے گا جگر جس کا داغ داغ ہوا

ترے نبی کا نواسہ ہے ابن حیدر ہے — بتول بنت پیمبر اسی کی مادر ہے
بدن رسول خدا کا یہ جسم اطہر ہے — چڑھا ہے جس پہ تو یہ سینہ پیمبر ہے
امام خلق شہنشاہ مشرقین ہے یہ
چڑھا جو دوش نبی پر وہی حسین ہے یہ

ارے .......... اولاد مرتضٰی ہے حسین — علی کا چاند ہے یہ نور کبریا ہے حسین
وطن مدینہ ہے مہمان کربلا ہے حسین — نہ پھیر حلق پہ خنجر کہ بے خطا ہے حسین
ملا نہ خاک میں سادات کی کمائی کو
ہٹالے تیغ نہ کر ذبح میرے بھائی کو

سنی جو شاہ نے آواز زینب ناشاد — کہا کہ روک لے اے شمر خنجر بیداد
حلال کرنے میں جلدی نہ کر سن اے جلاد — بہن غریب کی کرتی ہے نالہ و فریاد

ابھی نہ تن سے جدا کیجیو مرا سر ظالم
وہ جائے خیمے کے اندر تو ذبح کر ظالم

ندا بہن کو دی شہ نے یہ کیا کیا زینب ابھی تو زندہ ہے فرزند مرتضٰی زینب
ابھی کٹا نہیں تلوار سے گلا زینب خیام سے نکل آئی غضب ہوا زینب

علی و فاطمہ کا نور عین زندہ ہے
چھپا لو سر کو ابھی تو حسین زندہ ہے

ابھی یہ کہہ رہے تھے زیر تیغ شاہ ہدا قیامت آگئی تاریک ہوگیا صحرا
فلک سے آنے لگی نالہ و بکا کی صدا حسین تڑپے زمیں پر لعیں کا ہاتھ چلا

شقی نے بارہویں ضربت میں تن سے سر کاٹا
پکارے روکے محمد مرا جگر کاٹا

پلٹ کے دیکھتی کیا ہے حسین کی خواہر علم ہے سر شہ والا کا نوک نیزہ پر
پڑا ہے جلتی ہوئی ریت پر تن اطہر کہاں نشیب کہاں فاطمہ کا لخت جگر

مدد کسی نے نہ کی روکے چار سو دیکھا
بہن نے بہتا ہوا بھائی کا لہو دیکھا

خموش روپ کماری کہ حشر ہے برپا تڑپ رہے ہیں محبان فاطمہ زہرا
اٹھا کے ہاتھ یہ پر ماتما سے مانگ دعا میں صدقے اے مرے ایشور مجھے وہ دن دکھلا

کہ پہلے میں در فضل رسول پر پہنچوں
وہاں سے مرقد ابن بتول پر پہنچوں

○○○

# نانک لکھنوی

خدا مغفرت کرے پروفیسر ادیب مرحوم کو۔ موصوف اہم شخصیتوں کے متعلق ضروری یادداشتیں قلم بند کرنے کے لیے فکر مند رہتے تھے۔ میں نے ان کے کتب خانے میں کئی اہم یادداشتیں دیکھیں۔ اگر انھیں ترتیب دیا جائے تو معلومات کا ایک دفتر سامنے آسکتا ہے۔ انھوں نے ۱۹۲۷ء میں نانک چند سے ایک انٹرویو لیا تھا۔ اس وقت وہ (نانک) ۳۴ سال کی عمر کے تھے۔ اس حساب سے ان کا سال ولادت ۱۸۹۳ء قرار دیا جاسکتا ہے۔ ادیب مرحوم اپنے مضمون ''نانک مرثیہ گو۔ ایک حیرت انگیز شخصیت'' مطبوعہ نیا دور لکھنؤ بابت جون ۱۹۷۴ء صفحہ ۴۔۶ میں لکھتے ہیں:

''اردو کے ان پڑھ شاعر لالہ نانک چند کھتری متخلص بہ نانک اردو کے حرف شناس بھی نہیں تھے۔ دیوناگری رسم خط سے بھی واقف نہ تھے۔ اپنا اردو کلام مڑیا مہاجنی میں لکھتے تھے۔ ان کا دیوان غزلیات ''مطلع خورشید'' کے نام سے سلیمانی پریس بنارس میں ۱۹۲۵ء (۱۳۴۲ھ) میں شائع ہوا جو تخمیناً دو ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ ان کے سرورق پر نانک کے نام کے ساتھ ''شاگرد خدائے سخن رشید مرحوم لکھنوی'' لکھا گیا ہے۔ ان کی مسدس رامائن نوحصوں میں تھی جس کے صرف تین حصے مطلع نور یعنی فروغ اودھ و پرانی اودھ اور خوش نصیب چترکوٹ ۱۹۳۱ء میں شائع ہوئے۔ مطبع کا نام سرورق پر نہیں ہے۔ یہ دونوں کتابیں میرے کتب خانے میں موجود ہیں۔ نانک مرثیے بھی کہتے اور پڑھتے تھے۔ میرے ذخیرۂ مراثی میں ان کے دو مرثیے موجود ہیں۔ جو مطبع سیدی حیدرآباد دکن میں

۱۳۴۴ھ (۱۹۲۶ء) میں چھپے تھے۔ ایک ۸۴ بند کا مرثیہ بریر ہمدانی کے حال میں ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

طبع موزوں ہے مری موجۂ دریائے سخن ۔

پہلے مرثیے کے ساتھ نانک کے دو سلام اور چار رباعیاں بھی چھاپی گئی ہیں۔

مدت ہوئی میں نے نانک کے حالات زندگی انھیں سے پوچھ کر لکھ لیے تھے۔ جواب من وعن شائع کیے جا رہے ہیں۔

"لکھنؤ چوک محلّہ بھودن ٹولہ میں پیدائش ہوئی۔ ۱۹۴۹ وکرمی ماہ چیت بری چودس یعنی ۱۹۴۹ وکرمی کے ختم ہونے سے ایک دن قبل پچھلی رات کو۔ اب چونتیسواں سال شروع ہے۔

والد کا نام راجہ رام تھا جو خود اور ان کے آبا و اجداد بارہ بنکی کے رہنے والے تھے۔ ان کی شادی لکھنؤ میں محلّہ مذکور میں ہوئی تھی۔ کچھ دن بعد انھوں نے مستقل سکونت لکھنؤ میں اختیار کرلی۔ ان کی چکن کی دکان بزازے میں وکٹوریہ اسٹریٹ پر تھی۔

نانک نے خود چکن کی دکان والد کی زندگی میں پارچے والی گلی میں کوئی بارہ تیرہ برس کے سن میں کھولی۔ جو تقریباً تین سال تک قائم رہ کر کچھ باہمی نزع کی وجہ سے اٹھ گئی۔ سال بھر کے بعد پھر دکان رکھی جو کوئی تین برس قائم رہی۔ آخر کار باہمی نزاع کی بنا پر دکان اٹھالی۔

کوئی بارہ برس کے سن سے ہندی میں تک بندی شروع کردی تھی۔ مختلف چیزوں اور واقعات پہ نظمیں لکھا کرتے تھے۔ ان نظموں کو ۱۹۰۸ء سے چھوٹی چھوٹی کتابوں کی شکل میں چھاپ کر گا گا کر شہروں میں بیچتے پھرتے تھے۔ ان کی قیمت ایک پیسہ ہوتی تھی۔ ہر خاص موقع پر اس کی مناسبت سے نظم کہہ کر بیچتے تھے۔ مثلاً آریہ سماجوں اور سناتن دھرمیوں کا مناظرہ، دیویوں دیوتاؤں کی تعریف، شراب، جوا، عیاشی وغیرہ کی مذمت، گیت بارہ ماسے، الیکشن، دہلی، بازار، نان کوآپریشن وغیرہ۔ ولایت میں جارج پنجم کی تخت نشینی کے دن اپنی مطبوعہ نظمیں کلکتہ میں ستانوے روپے کی بیچیں۔ ان نظموں میں بعض بعض گورنمنٹ کے خلاف تھیں۔ اسی وجہ سے ایک مرتبہ لکھنؤ کے سیارہ اخبار کی ایک اردو نظم پر

کچھ باز پرس ہوئی۔ دوسری مرتبہ کلکتے میں ایک نظم ''مہاتما گاندھی کی گرفتاری پر لکھی اور بیچی۔ یہ بھی تک بندی ہی تھی۔ اس پر چالان ہو گیا اور کئی پیشیوں کے بعد رہائی ہوئی۔ یہ واقعہ جلیانوالہ باغ کے واقعہ کے زمانے میں شاید ۱۹۱۹ء میں پیش آیا۔

یہ تک بندی والی کتابیں تین چار سو کی تعداد میں چھپیں اور بکیں۔ زیادہ تر ہندی میں اور کچھ اردو میں تک بندی کا سلسلہ واقعہ مذکور بالا تک (۱۹۱۹ء) جاری رہا۔ بعض نظمیں بنگلہ، گجراتی، گورکھی حرفوں میں بھی چھپی تھیں۔

خواجہ عبدالغنی غنی شاگرد امیر ہادی حسین شاگرد باقر صاحت حمید نانک کی دکان کے سامنے ان دونوں کی دکانیں تھیں۔ بعد کو دکانیں دونوں نے اٹھادیں۔ ہادی حسین کا چکن کا بہت بڑا کارخانہ مفتی گنج میں اب بھی ہے۔ یہ دونوں آدمی ابھی زندہ ہیں۔ انھوں نے نانک کی تک بندی سن کر انھیں اردو غزل کہنے کا شوق دلایا۔ ان دونوں کے علاوہ تین دکان دار بھی شاعر تھے۔ یہ لوگ فرصت کے وقت جمع ہو کر شعر و شاعری کا چرچا کرتے رہتے تھے۔ نانک نے کوئی انتیس برس کے سن میں غزل کہنا شروع کیا اور غنی سے اصلاح لینے لگے۔ منشی اصغر حسین اصغر شاگرد پیارے صاحب رشید غنی کے پاس اکثر آیا کرتے تھے۔ ایک دن غنی نے ان سے کہا کہ میں نے ایک غزل کہی ہے مگر مطلع کسی طرح نہیں ہوتا۔ اصغر نے فوراً مطلع کہہ دیا۔ ادھر اس واقعے نے اصغر کو نانک کی نظر میں بہت بڑا شاعر ثابت کیا۔ ادھر غنی نے نانک کا تعارف اصغر سے کروادیا۔ اپنی عدیم الفرصتی کی بنا پر ان کے کلام کی اصلاح بھی اصغر کے متعلق کردی۔ غنی کی شاگردی صرف چند ماہ رہی۔ اس زمانے میں نانک کے شعر ایسے ہوتے تھے کہ ایک مصرع انچ بھر کا ہے تو دوسرا گز بھر کا۔ اصغر صاحب نے طبیعت میں موزونی پیدا کرنے کے لیے یہ تدبیر بتائی کہ تم لوگوں کے دیوانوں میں سے غزلیں پڑھوا کر سنا کرو اور انھیں زبانی یاد کرنے کی کوشش کرو۔ نانک نے غالب، ذوق، مومن، امیر، تعشق وغیرہ کی غزلیں ایک ہزار سے زیادہ یاد کیں۔ پورے پورے دیوان یاد کر ڈالے تھے مگر بعد کو استاد کے حکم سے انھیں بالکل بھلا دیا تاکہ دوسروں کے کہے ہوئے مضامین سے توارد نہ ہونے پائے۔ اب نانک کے حافظے میں زیادہ تر صرف اپنا ذاتی کلام محفوظ ہے۔ دوسروں کی غزلیں مشاعروں میں سن کر یاد کرتے ہیں مگر وہ بہت جلد ذہن سے اتر جاتی ہیں۔ آٹھ مہینے تک

دیوان یاد کرنے اور غزلیں کہنے کا مشغلہ جاری رہا۔ استاد صرف دوسروں کی یاد کی ہوئی غزلیں سن لیا کرتے تھے۔ ان کے کلام پر اصلاح نہ دیتے تھے۔ آٹھ مہینے کے بعد نواب نبن صاحب راز کے یہاں وکٹوریہ گنج میں مشاعرہ ہوا۔ طرح یہ تھی :

ع: بعد مرنے کے حسینوں میں مرا ماتم ہوا

ناتک نے غزل کہی اور اصغر سے اصلاح لے کر اسے مشاعرے میں پڑھا۔ بہت تعریف ہوئی۔ یہ شعر بہت پسند کیا گیا۔

ہوں وہ میکش بعد مرون یہ اثر ہے خاک میں
جو بنا ساغر مری گل کا وہ جام جم ہوا

اس کے چار دن بعد سنڈیلے میں منشی التفات رسول صاحب کے یہاں مشہور سالانہ مشاعرہ ہوا۔ طرح یہ تھی۔

ع: یہ بدر وہ ہے کہ گھٹ کر ہلال ہوتا ہے

وہاں بھی ناتک نے غزل پڑھی۔ کچھ بہت تعریف نہیں ہوئی۔ وہ غزل بھی بہت اچھی نہ تھی۔ چنانچہ ناتک نے اسے اپنے دیوان میں شامل نہیں کیا۔ اس کے بعد برابر قریب قریب روزانہ غزل کہنے کی مشق کرتے رہے اور مشاعروں میں شرکت کرتے رہے۔ ان دنوں لکھنؤ میں مشاعروں کی یہ کثرت تھی کہ ہر ہفتے میں ایک دو مشاعرے ہو جاتے تھے۔ ناتک صرف مشاعروں کی غزلوں پر اصلاح لیا کرتے تھے۔ اصغر سے کوئی تین برس اصلاح لی۔ اس کے بعد ناتک نے خود مشاعرہ کیا۔ طرح یہ تھی ۔

ع: نظر کو دیکھنے والے نظر کو دیکھتے ہیں

اس غزل کے لیے کئی سو شعر کہے اور ۷۵ شعر منتخب کر کے استاد کے پاس لے گئے۔ انھوں نے ان میں سے صرف ۲۵ شعر انتخاب کیے اور ناتک کو اپنے استاد جناب رشید کے پاس لے جا کر ان کا شاگرد کروا دیا۔ انھوں نے وہ شعر پسند کیے اور اصلاح دی۔

ناتک نے پھر ہر مہینے میں دو مشاعرے کرنا شروع کیے۔ ایک طرحی اور ایک غیر طرحی۔ یہ سلسلہ دو تین برس جاری رہا۔ اس کے بعد رشید صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ناتک نے ان کی تاریخ وفات کہی۔ ''ہے ورد زباں ہائے رشید آہ رشید'' رشید صاحب کے انتقال کے بعد

ان کے چھوٹے بھائی باقر صاحب حمید[1] سے کوئی سال بھر اصلاح لی۔ چھ سات برس کسی سے اصلاح نہیں لی۔ اس کے بعد چند غزلیں کاظم حسین محشر کو دکھائیں۔

۱۹۳۴ء میں لکھنؤ میں سر تیج بہادر سپرو کے اعزاز میں ایک شاندار مشاعرہ منعقد ہوا تھا۔ مشاعرے کے کلام کو بعد میں پنڈت رادھے کول تخلص گلشن پنجاب نے مرتب کیا اور پھر کتابی صورت میں دسمبر ۱۹۳۴ء میں انڈین پریس لمیٹڈ نے شائع کیا۔ کتاب کا نام ریاض سخن ہے۔ اس کا ایک نسخہ گنگا پرشاد ورما لائبریری امین آباد میں موجود ہے۔ کتاب میں نانک لکھنوی کا ایک مسدس ''در مدح رائٹ آنریبل سر تیج بہادر سپرو۔ ۸ بند میں اور ایک پوری غزل موجود ہے۔ مسدس کا آخری بند (صفحہ ۱۴۰) درج کیا جاتا ہے۔

اے اہل نظر علم کا ہے فیض نمایاں — لازم ہے ہر اک بھر لے گل علم سے داماں
اس علم نے پیدا کیے وہ گوہر غلطاں — جن کا ہوا اورنگ شہی شوق سے خواہاں
بخشا ہے اسی علم نے یہ بیش بہادر
رائٹ آنریبل ہوئے سر تیج بہادر

کتاب کے صفحہ ۱۴۳ میں نانک کی ذیل کی غزل ملتی ہے

جو دکھائے دید کا شوق فراواں دیکھیے — دیکھنا مشکل ہے لیکن تا بہ امکاں دیکھیے
حسن پوشیدہ کے جلووں کو نمایاں دیکھیے — دیکھیے نقش و نگار جذب پنہاں دیکھیے
دیکھیے جنبش رگ سودا کی پھر بڑھنے لگی — آپ رہ رہ کر نہ یوں میرا گریباں دیکھیے
جس جگہ بیٹھا لکیریں چار جانب کھینچ لیں — رنگ آزادی میں ہے یہ شوق زنداں دیکھیے
سرحد ادراک سے باہر ہیں دنیا کے نظام — جس طرف بھی دیکھیے با چشم حیراں دیکھیے
خاطر غمگیں سے اس درجہ ہے ربط انتشار — دل کی تسکین کے لیے خواب پریشاں دیکھیے
خود قفس کے سمت بڑھتے ہیں قفس ناآشنا — دیکھیے نیرنگی رنگ گلستاں دیکھیے
عالم تصویر میں بھی ہے وہی شان جنوں — محو ہوتا جاتا ہے نقش گریباں دیکھیے
چشم نظارہ کو گردش سے نہیں ملتی نجات — اور کیوں کر جلوۂ حسن پریشاں دیکھیے

---

[1] سید باقر میرزا حمید۔ پیارے صاحب رشید کے چھوٹے بھائی تھے۔ ۱۴ رصفر ۱۳۳۹ھ (اکتوبر ۱۹۲۰ء) کو انتقال کیا۔ رشید صاحب کا انتقال ذیقعدہ ۱۳۳۶ھ (اگست ۱۹۱۸ء) میں ہوا۔

سامنے آتا ہے اک دھندلا سا نقشہ دشت کا　　　غور سے جب جانب دیوار زنداں دیکھیے

حسن کو نانک کے اطمینان سے ہے اضطراب
کیا سکوں افزا ہے یہ حال پریشاں دیکھیے

رشید صاحب کی زندگی میں مرثیے کے صرف ۱۵ بند اور دو سلام کہے۔ مگر یہ سلسلہ جاری نہیں رہا۔ ان کے انتقال کے کوئی سال بھر بعد پہلا مکمل مرثیہ کہا۔ بعض حریفوں کی طعنہ زنی کے جواب میں کہا کہ غزل کیا چیز ہے میں مرثیہ کہہ سکتا ہوں۔ چنانچہ مرثیہ کے لیے بریر ہمدانی کی روایت ناصر حسین صاحب قبلہ نے لکھ دی۔ اسی کو نانک نے نظم کر کے ۸ر ربیع الاول ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۸ء) کو پہلی مجلس اکرام اللہ خاں کے امام باڑے میں پڑھی تھی۔ مجمع کی حالت یہ تھی کہ لوگ کہتے تھے کہ شاید انیس کو اتنی بڑی مجلس پڑھنے کا اتفاق ہوا ہو۔ اس مرثیے پر کسی سے اصلاح نہیں لی تھی۔ اسی سال ۲۸ رجب کو سید نقی صاحب کے امام باڑے میں دوسری مجلس میں نیا مرثیہ زہیر قین کے حال میں پڑھا۔ یہ روایت بھی ناصر حسین صاحب قبلہ سے ملی۔ اس کے بعد کوئی چار سال تک ان دونوں تاریخوں پر نیا مرثیہ پڑھتے رہے۔ پہلے مرثیہ کے بعد مشہور ہوا کہ وہ رشید صاحب نے کہہ دیا تھا۔ دوسرے مرثیے کے بعد انوار حسین انوار شاگرد رشید نے کسی کسی سے کہہ دیا کہ یہ دو مرثیے میں نے کہہ دیے ہیں۔ ان کے علاوہ کہیں تو معلوم ہوا اس لیے نانک نے اسی سال محرم کے ختم ہونے تک دو مرثیے اور کہہ کر پڑھے۔ انوار مرثیہ خود نہ کہتے تھے۔ اس لیے نانک نے کئی رباعیوں میں ان پر تعریض کی۔ لوگوں کو یقین نہ آتا تھا کہ تجارت پیشہ ہندو گھرانے کا ایک ان پڑھ فرد ایسے مرثیے کیونکر کہہ سکتا ہے کئی جگہ نانک کا امتحان لیا گیا اور وہ ہر امتحان میں کامیاب ہوئے۔

لکھنؤ سے باہر پہلی مجلس کانپور میں محرم کی ۱۲ کو مرزا جعفر علی خاں اثر ایکزیکیٹو آفیسر میونسپل بورڈ کے یہاں پڑھی۔ اس کے بعد سیتاپور، فتح پور (ضلع بارہ بنکی) محمود آباد ضلع سیتا پور، بارہ بنکی، دہلی، امروہہ، جلیسر (ضلع ایٹہ) حیدرآباد دکن، پٹنہ، جونپور، الٰہ آباد، بنارس، فرخ آباد، پانی پت، انبالہ، آگرہ، مین پوری، جلالی ضلع علی گڑھ، جانسٹھ، میرٹھ، اصغر آباد، اٹاوہ، دہرہ دون، منصوری، نہٹور، (ضلع بجنور) نگینہ (ضلع بجنور) شاہجہانپور، سندیلہ، بلند شہر، ساکنی (ضلع بلند شہر) وغیرہ میں مجلسیں پڑھیں۔

نانک کی عمر اس وقت چونتیس برس کی ہے۔ اب تک سترہ مرثیے کہہ چکے ہیں۔ دیوان کوئی دو سال ہوئے بنارس میں چھپا تھا۔

علمائے شیعہ حضرات کی صحبت سے اکثر مذہبی روایات، آیات و احادیث وغیرہ سے واقفیت ہوگئی ہے۔ مثریا مہاجنی کے سوا کچھ نہیں جانتے مگر اس میں بہت مہارت رکھتے ہیں۔''

نانک مجلسوں میں سلام بھی پڑھتے تھے۔ ذیل میں ان کے تین سلام درج کیے جاتے ہیں۔

## سلام

عجب دامن خاک شفا نے پھول چنے
ملے نہ کعبے کو وہ کربلا نے پھول چنے

بہار میں چمن فاطمہ پہ آئی خزاں
یہ باغ وہ ہے کہ جس کے قضا نے پھول چنے

گئے جناں کی طرف باغ فاطمہ کے گل
نہیں گناہ یہ کہنا خدا نے پھول چنے

حسن حسین ید اللہ کو تھے بہت پیارے
یہ اپنے باغ کے دست خدا نے پھول چنے

پڑے تھے خاک پہ زہرا کے گل ہزار افسوس
غضب کیا کہ نہ باد صبا نے پھول چنے

پسند حق کو ہوئے جو خدا سے دور رہے
ملے نہ کانٹوں سے جو وہ خدا نے پھول چنے

بہار باغ علی کے تھے حضرت عباس
بس ایسے رنگ کے اکثر وفا نے پھول چنے

ملے ہے مسند احمد پہ جن گلوں کو جگہ
بہار دیں کی وہ بارہ خدا نے پھول چنے

ملے مجھے بھی مضامین کے گل بہت نانک
چمن میں شاہ ہدا کے گدا نے پھول چنے

○

# سلام

کہاں ہیں لائیں در اشک ماتم چشم تر والے
ہے بازار قیامت پھر رہے ہیں سب نظر والے
کبھی پڑتی تھیں ہم پر بھی نگاہیں اہل دنیا کی
کبھی ہم بھی تھے اوروں کی طرح سے کروفر والے
ہمارے باغ نظم مدح نے پائی وہ رنگینی
کہ باغ خلد بھی یاں ہیچ ہے دیکھیں نظر والے
دکھادے بزم میں سب کو بتول آجائیں جنت سے
دل بیتاب، ہاں دو چار نالے کر اثر والے
علی اکبر کی آواز اذاں کچھ ایسی دلکش تھی
اٹھے بے چین ہو کر لذت خواب سحر والے
عدو کہتے تھے طرز جنگ اکبر سب نبی کا ہے
وہی معجز نما یہ ہاتھ ہیں شق القمر والے
کئی بار آکے صغرا در پہ شوق دید میں بیٹھی
سنا جس دن کہ چھٹ کر قید سے آتے ہیں گھر والے

جواہر بیں ہیں سارے جمع نا تک دیر پھر کیا ہے
دکھاؤ تم در مضموں تو دیکھیں گے نظر والے

○

# سلام

اس قدر پیاس سے حلق شہ صفدر سوکھا
رہ گیا ذبح میں خود شمر کا خنجر سوکھا
نہر کو دیکھتے تھے پاس سے شہ کے بچے
ایک اک ہاتھ میں ان سب کے تھا ساغر سوکھا
خوب روؤں گا غم شاہ میں میں روز جزا
نہیں ممکن کہ رہے دامن محشر سوکھا
اپنی بخشش کے لیے شبہہ پہ جو عاصی رویا
تر جو دامن تھا ہوا خلد کی کھا کر سوکھا
دی زباں منہ میں یہ ظاہر کیا ہم کو بھی ہے پیاس
شبہہ نے دیکھا جو دہان علی اکبر سوکھا
حال کہنے لگا تر دامنی قاتل کا
شہ کے چہرے پہ جو خون علی اصغر سوکھا
آب جنت سے جسے دھو کے سکھاتے تھے رسول
خون میں ڈوب کے وہ گیسوئے سرور سوکھا

تھا یہ موجوں کی زباں پر کہ ہے حاضر پانی لائے مشکیزہ جو عباس دلاور سوکھا
چمن فاطمہ میں آئی خزاں یوں ناتک
نہ ملا آب تو ہر ایک گل تر سوکھا

○

ناتک کے جن مرثیوں کا ذکر پروفیسر ادیب مرحوم نے کیا ہے۔ ان میں سے کوئی مرثیہ اب نہیں مل رہا ہے۔ ذخیرۂ ادیب علی گڑھ میں بھی راقم کے ہاتھ کوئی مرثیہ نہیں لگا۔ ایک مرثیہ جناب سید محمد رشید صاحب کے یہاں موجود ہے۔ یہ غالباً مطلع سیدی حیدر آباد کا دوسرا ایڈیشن ہے۔ مرثیہ بریر ہمدانی کے حال کا ہے۔ بریر ہمدانی امام حسین کے اصحاب میں تھے۔ کوفہ کے باشندہ اور قبیلہ ہمدان کے اشراف میں سے۔ مشہور محدث و حافظ ابو اسحاق ہمدانی شیعی کے ماموں تھے۔ مسجد کوفہ میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ لوگ ان کو سید القراء (حافظ قرآن کا سردار) کہتے تھے۔ راستے میں کہیں پر پہنچ کر اصحاب حسین کے ساتھ ہو گئے اور حر کی ملاقات کے بعد جو خطبہ امام نے ارشاد فرمایا تھا اس کے جواب میں زہیر بن قین اور نافع بن ہلال کی تقریروں کے بعد بریر نے بھی ایک مختصر تقریر کی تھی۔ (شہید انسانیت صفحہ ۴۱۰ طبع اول سید علی نقی) ایک روایت کے مطابق جناب سکینہ کی تشنگی سے متاثر ہو کر بریر نے پانی کی تلاش کی تھی۔

مرثیہ جناب رشید صاحب کی جلد ۱۲ میں محفوظ ہے۔ مرثیہ کی ابتدا میں ناشر کی درج ذیل عبارت موجود ہے۔

''مرثیہ درحال رزم و بزم وکارزار و شہادت جناب بریر ہمدانی مصنفہ شاعر شیریں کلام مقبول عام جناب لالہ ناتک چند صاحب کھتری المتخلص بہ ناتک زاد توفیقہ ساکن بھوان ٹولہ چوک لکھنؤ تلمیذ افصح الفصحا و ابلغ البلغاء خدائے سخن حضرت رشید اعلی اللہ مقامہ

مطلع: عرصہ مدحت شبیر کا جرار ہوں میں

مرثیہ ہذا نہایت کوشش و جانفشانی اور زر کثیر صرف کر کے حضرات شائقین کے لیے

چھپوایا گیا۔ حسب فرمایش سید ریاض الحسن تاجر کتب چوک لکھنؤ، مطبع بہار اودھ انکی محلہ لکھنؤ میں چھپا۔

ذیل میں یہی مرثیہ درج کیا جاتا ہے۔

عرصہ مدحت شبیر کا جرار ہوں میں گو زباں منہ میں نہیں مائل گفتار ہوں میں
خود وفا مجھ پہ ہے مائل وہ وفادار ہوں میں دعوئ خامے کا ہے چلتی ہوئی تلوار ہوں میں
الفت شہ کی طرح تن میں مرے جان رہے
یوں لڑوں ہاتھ میرے مدح کا میدان رہے

بے زبانی جسے کہیے وہ زباں ہے میری آپ پر ہیچمدانی بھی عیاں ہے میری
ہے زباں پیر طبیعت تو جواں ہے میری کہ رجوع اب سوئے شاہ دو جہاں ہے میری
شہ کا ہو لطف تو ارماں دلی عید کریں
خار کو گل کریں اور ذرے کو خورشید کریں

دہن ایسا ہے بڑے شین کو کہتا ہوں میں سین سین خالی ہے بڑے شین پہ ہیں نکتہ تین
یوں زباں بھا گئی ہے جیسے کہ عاشق سے حسین عرق شرم سے کیونکر نہ ہو تر میری جبین
یا حسین آپ کی گر مجھ پہ نظر ہوجائے
نکتہ چیں سے مری عزت کی مفر ہوجائے

عرض ہے میری زباں پہ نہ ہنسیں شیخ و شاب گر خدا چاہے ترانہ ہو یہ الحان خراب
ابھی نقارے سے آنے لگے آواز رباب پلٹے یوں میری زباں جیسے زلیخا کا شباب
دیکھیے عزت کہ شہ دیں کی طرف غور ہوئی
کل تو کچھ اور تھی حالت مری آج اور ہوئی

بحر تھے مرثیہ گوئی کے دبیر اور انیس مونس ماتم شہ مدح شہ دیں میں نفیس
ماسوا ان کے تھے اس ایک رئیس ایک سلیس اوج و عارف تھے جدید اور وحید اور جلیس
ہائے کیا ہوگئے یہ نقش و نگار گلشن
کی خزاں موت کے ہاتھوں نے بہار گلشن

ایک باقی تھے رشید آہ جو تھے جان سخن بات ایمان کی یہ ہے وہ تھے ایمان سخن

خود کہا مجھ سے بنی زلف پریشان سخن　　میں ہوں سلطان سخن مجھ سے بڑی شان سخن

آج ویراں نظر آتی ہے مجھے جائے رشید

کہہ کے یہ رو رہے ہیں اہل سخن ہائے رشید

وہ رشید آہ جو تھا ملک سخن کا سردار　　لے کے نام اس کا کیا مرثیہ پورا تیار

غلطی گر ہو کوئی عفو کریں نیک شعار　　لی ہو اصلاح جو میں نے پڑے قرآن کی مار

غلطیاں اس میں جو نکلیں تو بڑی بات نہیں

کچھ مرا مرثیہ قرآن کی آیات نہیں

وہی قرآں جو ہوا ختم رسل پر نازل　　لیلٰی مدح علی کے لیے جو ہے محمل

جس کا ہر نکتہ ہے اسلام کے چہرے کا تل　　منزل صبر و رضا جس کی ہے ہر اک منزل

جس میں اللہ نے توصیف ولی لکھی ہے

تین سو آیتوں میں مدح علی لکھی ہے

اس کی سطروں سے ہے اسلام کے گیسو کی مثال　　دائرے اس کے ہیں یا چشم علی نیک خصال

کرے سحباں کو یہاں اسپ فصاحت پامال　　پڑھے دشمن جو سمجھ کر تو ہو سینہ غربال

تین سو آیتیں ہو جائیں خدنگ اس کے لیے

کی ہے قرآن کے میدان میں جنگ اس کے لیے

وہ علی جو کہ ہیں امت کے لیے جبل متیں　　والقمر جن کو خدا نے کیا وہ مہر مبیں

بدر میں جا کے کیا جس نے جدا کفر سے دیں　　جس کی قوت کی گواہی ہیں پر روح الامیں

کتنے ملک آپ نے جرأت سے نہ معلوم لیے

یہ تو ظاہر ہے شجاعت نے قدم چوم لیے

سنگ ایماں سے کیا کفر کا دل صد پارا　　اس کو بسمل کیا تلوار سے اس کو مارا

نہ رہا بھاگنے کا اہل دغا کو چارا　　رکھا میداں میں قدم لے لیا میداں سارا

جو کہ لوہے کے تھے سنگین وہ سب در توڑ دے

بت بھی کعبے میں سر دوش پیمبر توڑے

کفر کا ابر ہٹا دیں کا نکلا خورشید　　دست معبود سے بر آئی نبی کی امید

روز عاشور ہوا کفر میں، اسلام میں عید　　ہوئی حیدر کی کلائی پہ خدا کی تائید
جنگ خندق میں جو لازم تھا وہی حال کیا
کل اسلام نے کل کفر کو پامال کیا
واہ اے حیدر کرار ترا کیا کہنا　　مرحبا قاتل کفار ترا کیا کہنا
دین طائف کے مددگار ترا کیا کہنا　　بازوئے احمد مختار ترا کیا کہنا
واہ اس شان سے کی جلوہ نمائی تونے
لے لی کچھ بندوں کی جانب سے خدائی تونے
اور تو اور خدا نے تجھے بھیجی تلوار　　بی بی زہرا سی ملی عورتوں کی جو سردار
زینت عرش ملے لال زہے عز و وقار　　ہاتھ میں دونوں جہاں زیر قدم جنت و نار
راہ کفار کو دوزخ کی دکھائی تونے
غرق سے کشتی اسلام بچائی تونے
چشم نرگس کو ہے سرمہ ترے قدموں کا غبار　　پیچ سنبل کا ملا زلفیں ہیں ریسی خمدار
رنگ رخ سے ترے پھولوں نے لیا چھکے ہزار　　الغرض باغ میں آئی ترے قدموں سے بہار
بو تری زلف کی لے لے کے صبا آنے لگی
صاف بلبل کے ترانے کی صدا آنے لگی
باغ عالم میں جدھر دیکھئے طرفہ ہے سحر　　کربلا میں قدم آل نبیؐ کا ہے اثر
اٹھ گئی باغوں سے بھی چاندنی کی اب چادر　　پھولوں کے حسن سے شرمندہ ہیں تارے بھی ادھر
نئی صورت سے گلستانوں کی زیبائی ہے
جس طرف دیکھئے اِک طرفہ بہار آئی ہے
لو عیاں ہونے لگا نور سحر کا جلوا　　یوسف صبح نے وہ چہرے سے الٹا پردا
صاف اب تو نظر آنے لگے کوہ و صحرا　　نوریوں بڑھ رہا ہے جیسے کہ موج دریا
مثل مہ صبح لیے نور کا بستر آئی
چاندنی اٹھ جو گئی نور دوسری چادر آئی
لیجئے صاف نظر آنے لگا اب سبزا　　نرم وہ جس سے خجل فرش بھی ہو مخمل کا

خوب کھینچا کسی معشوق کے خط کا نقشا　　واہ رے قدرتی بہزاد ترا کیا کہنا

تو جو مل جائے تو گلشن ترا جلوہ لے لے
فصل گل بڑھ کے ترے ہاتھ کا بوسہ لے لے

اس کے قطروں سے ہیں آراستہ یہ سارے شجر　　برگ وہ صاف حسیں دیکھ لیں صورت اکبرؔ
پتوں کی سبزی نے قطروں میں کیا ہے یوں گھر　　پردے پر موتیوں کے جیسے زمرد کا اثر

پھر کرن مہر کی اس طرح سے چمکاتی ہے
آنکھ حورانِ بہشتی کی جھپک جاتی ہے

روشِ باغ ہے یا باغ جناں کا رستا　　دہنے بائیں ہیں برابر سے گلاب اور گیندا
حکم بلبل ہے نہ پامال ہو گل کا پتا　　یاں فرشتے بھی اگر آئیں تو ہوں برہنہ پا

گل ہیں سجدے میں پڑے خاک کا گو بستر ہے
. باغ اس کو نہ کہو ضع خدا کا گھر ہے

جب کھلا پھول کوئی بولی یہ بلبل بڑھ کر　　دیکھ نرگس کہے دیتی ہوں نظر کر نہ ادھر
چشم بدبیں کا برا حسن کو ہوتا ہے اثر　　تو ہی جانے گی اگر پیار سے کی تو نے نظر

یا رخ گل کے لیے کوئی نقاب آجائے
یا تو کم بخت تجھے موت کا خواب آجائے

پھیلی یوں پھولوں کی بو اہل فلک نے سونگھی　　از زمیں تابفلک جن و ملک نے سونگھی
یوں گئی زیر زمیں اڑ کے سمک نے سونگھی　　جو کہ قبروں میں ہے اس قافلے تک نے سونگھی

سونگھ کر حوریں یہ کہتی ہیں عجب نکہت ہے
آج معلوم ہوا اور بھی یہ جنت ہے

رنگ انہیں پھولوں کا بھیجا گیا گلشن گلشن　　شہرہ پیدا کیا اس رنگ نے تاچین وختن
رنگ معشوقوں کا گہہ رنگ طبیعت گیا بن　　ہوا اس مرثیے میں آکے مرا رنگ سخن

دیکھ یوں کہتے ہیں یوں داد سخن لیتے ہیں
رنگ اس طرح سے محفل کا بدل دیتے ہیں

کلمہ تو فخر کے کہنے لگا بس بس ناتک　　لوگ مغرور کہیں گے تجھے بے ہودہ نہ بک

ایسی تعریف میں یوں مثل عنادل نہ چہک — شاخ پر بار کے مانندِ سخنداں سے لچک
دیکھ پُر بار جو شاخیں ہیں سبق دیتی ہیں
جو بھی آجاتا ہے جھک جھک کے قدم لیتی ہیں

سرو کو دیکھ نہ جھکنے کا ملے کیسا پھل — جھکیں جو ڈالیاں گلشن میں تو نکلے کونپل
سربلندی کی ہوس سے ہوئیں بیلیں بے کل — بل پڑا ایسا کہ جس کو کہیں تقدیر کا بل
سر اٹھایا تھا یہ فواروں نے ہستی پائی
سر بلندی کی ہوس جب ہوئی پستی پائی

لو نسیم آگئی گلشن میں تو غنچے چٹکے — دل بلبل کے مسافر جو تھے رستہ بھٹکے
کہہ کے فردوس کا رضواں بھی یہاں سر پٹکے — اے درباغ میں قربان تری چوکھٹ کے
اب تو جنت میں طبیعت مری گھبراتی ہے
خلد سے حور کی گلشن میں صدا آتی ہے

کہیں بلبل کے ترانے ہیں کہیں کھلتے ہیں گل — سیکھوں دل لینے کے انداز ہے فکر سنبل
سو طریقہ سے میں سو بار بناؤں کا کل — کہیں قمری کے ہیں نغمے کہیں طاؤس کا غل
سوچیں ہیں یہاں گر باغ میں آئے کوئی
ایک دل لائے تو کس کس سے بچائے کوئی

اللہ اللہ عجب جوش نمو کا ہے حال — گل میں گل غنچے میں غنچہ ہے ہر اک ڈال میں ڈال
باتیں کرنے لگا ہے چرخ سے ہر ایک نہال — نکلیں سو پھول وہیں ہو جہاں غنچہ پامال
رنگ سو بازوئے بلبل سے نمایاں ہوجائیں
اک کلی ٹوٹے تو پیدا کئی کلیاں ہوجائیں

دیکھیے پہنچی کہاں موسم گل کی تاثیر — پھول کے ہوگیا زخم دل بلبل تصویر
عشق کامل جو ہے ہے دام محبت میں اسیر — لفظ گل یار کو نامے میں کرے جو تحریر
بد دعا بلبل ناشاد دے نامہ بر کو
چین سے رہنے دے عاشق کو نہ اس دلبر کو

کہیں بیلہ کہیں جوہی کہیں پھولا ہے گلاب — شاخیں یوں جھومتی ہیں جیسے کوئی مست شباب

ٹھنڈے جھونکے جو ہواؤں کے وہ غنچہ شاداب  چشم نرگس میں عجب کیا اگر آجائے خواب

چال وہ باد صبا کی ہے کہ آفت کردے
گر چلے گور غریباں میں قیامت کردے

باغ میں جوش نمو کا ہوا اس درجہ عمل  یہ بڑھے خار گئے شکل میں تیروں سے بدل
چھیڑ سے جن کی ہوا عیش میں گلچیں کے خلل  ہر طرف برچھیوں کے باغ میں ہیں گویا پھل

مرگ بلبل کے سب آثار نظر آتے ہیں
پاس ہر پھول کے سو خار نظر آتے ہیں

خشک ہو جاتا تھا تھالوں میں درختوں کے جو آب  باغباں نہر سے لے آتے تھے پانی کو شتاب
اس طرح کرتے تھے ہر نخل چمن کو سیراب  سر جو کانٹوں نے اٹھایا ہے تو اب ہیں بے تاب

پر ہے دشوار قدم ان کا اٹھانا سوئے نہر
فوج کانٹوں کی یہ کہتی ہے نہ آنا سوئے نہر

دوپہر آئی تپی دھوپ سے گلشن کی زمیں  برہنہ پا چلے دو گام یہ ممکن ہی نہیں
ناتواں ہیں دل عشاق کے مانند حسیں  غنچے مرجھا گئے گل خشک ہیں شاخیں سوکھیں

تیز جھونکے ہیں ہوا گرم بڑی چلتی ہے
دل عنا دل کے ہیں زخمی کہ چھری چلتی ہے

خشک غنچے نہ ہو کیوں پیاس کی ہے طغیانی  باغباں کہتے ہیں آپس میں بہ اشک افشانی
گرد کانٹے ہیں ملے نہر سے کیوں کر پانی  بحر میں باغ کے ہے کشتی گل طوفانی

نوحؔ کے سر کی بلا ٹالنے والے یارب
موسم گل کے سفینے کو بچا لے یارب

پانی کس طرح پئیں بلبلیں پیاسے ہیں پھول  مل کے سب مشورہ یہ کرتے ہیں غمگین وملول
جان دیں نہر پہ جب گل نہیں جینا ہے فضول  خوف مطلق نہیں کانٹوں سے جو ہو جنگ میں طول

آؤ سب مل کے کریں جنگ دل آزاروں سے
آب لا لا کے چمن پُر کریں منقاروں سے

ہو چکی رائے جو یہ جنگ پہ تیار ہوئے  باخبر ان کے ارادے سے ادھر خار ہوئے

نیزے تانے ہوئے آمادۂ پیکار ہوئے نہر گلشن پہ عیاں حشر کے آثار ہوئے

ساتھ کانٹوں کا اِدھر گرم ہوا دیتی تھی

پیاس ادھر شوق شہادت میں مزا دیتی تھی

آپ سب جانتے ہیں سامنے کی ہے یہ بات خواہ انساں ہو کہ حیواں وہ شجر ہو کہ نبات

خود خدا نے کہا پانی سے ہے ان سب کی حیات نہ ملے آب تو دن نظروں میں ہو جائے رات

ہائے اس باغ کا جو غنچہ ہے وہ کم سن ہے

اور خزاں ہونے کا گلشن کی یہ پہلا دن ہے

سمجھے بھی آپ یہ ہے کون سے گلشن کی بہار باغ زہراؑ و علیؑ باغ رسولؐ مختار

علقمہ نہر ہے جس باغ کی اور شامی خار بچے شبیرؑ کے گل بلبلیں شہہ کے انصار

روتے ہیں بیکسوں کی تشنہ دہانی کے لیے

کمریں باندھے ہوئے ہیں نہر کے پانی کے لیے

بلبل اس باغ کا ہر اک ہے شجاعت میں عجیب سب بہادر ہیں ہوں یحیٰ کہ بریر اور حبیب

سب کے سب نہر سے تو دور ہیں کوثر سے قریب قسمتیں وہ کہ حضوری شہہ والا کی نصیب

کہتے ہیں سر جو قلم ہوگا تو ہم چھوٹیں گے

مرتے مرتے نہ شہہ دیں کے قدم چھوٹیں گے

العطش العطش آئی جو یہ بچوں کی صدا بڑھ کے یحیٰ سے بریر ہمدانی نے کہا

سنتے ہو خیمے میں کس طرح کا ہے حشر بپا تین دن گزرے ہیں معصوموں کو قطرہ نہ ملا

نہر ہو سامنے اور پیاسوں کو بسمل دیکھیں

گل ہوں پژمردہ اور آنکھوں سے عنادل دیکھیں

تم جو مانو مری رائے میں یہ ہے بہتر بچوں کو بیچ میں لیں گرد ہوں ہم سب یکسر

کھینچ لیں تیغیں اگر جنگ ہو مطلق نہیں ڈر نہر سے پانی پلا لائیں انہیں لے جا کر

کامیابی ہوئی ہم کو تو فلک پر پہنچے

قتل گر ہوگئے ہم سب لب کوثر پہنچے

کہا یحیٰ نے بجا آپ نے سب فرمایا اور جو زخمی ہوا شبیرؑ کا کوئی بچا

منھ بھی دکھلانے کے قابل کوئی ہم میں نہ رہا　　رائے میری ہے اٹھا لیجئے اِک مشکیزا

کام واجب جو ہے ہم پر وہ کئے لیتے ہیں

پانی اس نہر سے لڑ بھڑ کے لئے لیتے ہیں

آفریں آپ کی اس رائے پہ بولے یہ بریر　　اس طرح ذہن میں میرے نہ تھا یہ امر خیر

مڑ کے بچوں کو صدا دی کہ ہے گوتم سے بیر　　جا کے اس بیر کی اعدا کو دکھاتے ہیں سیر

ہم دوائے مرض تشنہ دہانی لاویں

لا دو اک مشک تو ہم نہر سے پانی لاویں

باچھیں بچوں کی کھلیں سنتے ہی پانی کا نام　　فوراً اک مشک اٹھالائے کیا پھر یہ کلام

اے بریر اجر تمہیں اس کے دے خلاق انام　　چلا سمجھا کے غرض سب کو وہ شیدائے امام

بولا کوثر ادھر آ پیاس بجھانے والے

میں تو موجود ہوں او نہر پہ جانے والے

الغرض جانے کو آمادہ ہوا عاشق شاہ　　بھر کے اشک آنکھوں میں کی فوج پہ غصے کی نگاہ

گھوڑے کو خوب سا چمکار کے کی دل سے اِک آہ　　جب چڑھا زیں پہ تو خود شبہ نے کہا بسم اللہ

پیشوائی کو گل خلد کی نکہت آئی

مرحبا کہتی خود اللہ کی رحمت آئی

ان کے گھوڑوں کی حسینوں سے بھی بہتر ہے چال　　حشر ہو جائے قیامت سے اگر دوں میں مثال

کوئی بتلائے بھلا چرخ پہ کیا شے ہے ہلال　　نصف نعل اس کے قدم کا ہے وہ اف رے اقبال

شہرہ سرعت کا بڑھا جن و ملک تک پہنچا

چاند کی طرح سے ذکر اس کا فلک تک پہنچا

تیز رو وہ جسے استادِ صبا کہتے ہیں　　اس کی رفتار کو بجلی سے سوا کہتے ہیں

اب فرشتوں سے تو پوچھو کہ وہ کیا کہتے ہیں　　ملک الموت اِسے تیر قضا کہتے ہیں

جن کو یہ روندھتا ہے پھر نہیں دم لیتے ہیں

جتنے بسمل ہیں وہ سب اس کے قدم لیتے ہیں

جس کو کہتے ہیں دم صور وہ ہے اس کا دم　　مل کے روکیں جو ملک پھر نہ ہو چال اس کی کم

وہیں ٹھہرے جو بریر ہمدانی کہیں تھم          لے جو ٹھوکر تو جہاں ہو ابھی درہم برہم

اس کی ٹھوکر پہ اگر دھیان ذرا جاتا ہے
کانپ جاتی ہے زمیں زلزلہ آجاتا ہے

نعل ضو دیتے ہیں اُٹھتے ہیں جو پائے رہوار          ضو بھی وہ جس سے جھپک جاتی ہیں آنکھیں ہر بار
اپنوں کا ذکر نہیں شامیوں میں ہے یہ پکار          ایک بجلی ہے فلک پر یہاں ہیں بجلیاں چار

متصل نور زمیں دشت کی برساتی ہے
قدر اب چرخ کی نظروں میں گھٹی جاتی ہے

بادشاہوں کی طرح سے ہے قرینہ اس کا          پر جواہر سے وفاؤں کے ہے سینہ اس کا
تاج سر رحمت حق دل ہے خزینہ اس کا          فوجِ جرأت علمِ فوج ہے کینہ اس کا

صبر کا تخت ملا شہہ کی بہی خواہی میں
فرد ہے ملک محبت کی شہنشاہی میں

چوکڑی بھولے ہرن کر کے نظارہ اس کا          بس فقط موت سمجھتی ہے اشارہ اس کا
سچ یہ ہے اڑنے میں شاگرد ہے پارہ اس کا          یاں سے ہے تا بہ عدم نصف طرارہ اس کا

اس کے کاوے کی ملے طرز یہ غم سہتا ہے
یہی باعث ہے کہ چکر میں فلک رہتا ہے

یال بل کھائی ہوئی لے گئی موجوں پہ شرف          داغ ماتھے پہ ہے یوں چاند میں جس طرح کلف
منھ میں یہ دانت ہیں اس کے کہ جماعت کی صف          کیا تماشا ہے کہ موتی ہیں کئی ایک صدف

خود ہوا چلنے کا اسرار نہانی سیکھی
موج نے اس کی طبیعت سے روانی سیکھی

اب بہت پیاس ہے بڑھ کر کسی بچے نے کہا          سنتے ہی نہر پہ وہ اسپ وفادار چلا
تازیانہ ہوئی اس کے لیے بچوں کی صدا          موج کی طرح سے دریا کے قریں جا پہنچا

بولا اسحاق کہ یہ کون دلیر آتا ہے
کہا رحمت نے خدا کی مرا شیر آتا ہے

بڑھ کے پھر خود یہ بریر ہمدانی نے کہا          میں بریر آیا ہوں پانی کے لیے اے اعدا

بچے شبیرؑ کے پیاسے جو تھے دیکھا نہ گیا کتنے بے رحم ہو پانی پہ کیا ہے قبضا
تم پیو آب نہ ہو خویش ویگانہ پیاسا
ہو گئی دن سے محمدؐ کا گھرانا پیاسا

کہا اسحاق نے تم تو ہو مرے رشتہ دار جتنا چاہے پیو پانی نہیں مطلق انکار
لیکن احمدؐ کا گھرانا نہ پیئے گا زنہار پانی لے جاؤ گے بھر کر تو چلے گی تلوار
تم جو سوچے ہو وہ امید نہ برآئے گی
نہر اک خون کی دریا پہ نظر آئے گی

دی صدا گونج کے ضیغم نے کہ چپ خانہ خراب لیں گے ہم خون کے بدلے میں جو مل جائے آب
کہہ کے جرار نے یہ آستیں الٹی جو شتاب ہاتھ تلوار پہ جاتا تھا کہ خالی ہوئی ڈاب
بولی یہ روح لعینوں کی میں تن سے نکلی
سن سے دل ہو گئے اعدا کے جو سن سے نکلی

گر کھنچی غرب میں یہ تیغ تو پہنچی تا شرق اس میں بجلی میں شہنشاہ و گدا کا ہے فرق
کبھی طوفاں یہ بنی بحرِ فنا میں کیا غرق جب جلانا ہوا مقصود تو یہ بن گئی برق
جس کو یہ چاہتی ہے مدتوں تڑپاتی ہے
زخمِ بسمل کو لپک دے کے چلی جاتی ہے

صاف ایسی کہ کہیں آئینہ فتح وظفر لے گئی پیش صفیں اس نے جو کی زیر و زبر
حال تیزی کا جو لکھوں تو بھریں سو دفتر فتح نامے کی عبارت ہے کہ ہیں یہ جوہر
مرنے والے اِسے قسمت کا لکھا کہتے ہیں
اور فرشتے اِسے فرمانِ قضا کہتے ہیں

کعبے میں اس کی ہے تصویر وہ صورت نایاب یعنی ایسی ہی بنائی گئی ہے ہر محراب
حق نما ایسی جب آتا ہے کوئی خانہ خراب کھینچ کے یہ کہتی ہے کر سجدہ خدا کو تو شتاب
ورنہ سر کاٹ کے بے جان کئے دیتی ہوں
ابھی میں سجدے کا سامان کئے دیتی ہوں

عشق نقاش ازل کو ہوا ایسی مہرو اس کے کنڈے پہ حسینوں کے بن آئے ابرو

سر جھکا دیتے ہیں جھنکار پہ اس کی بدخو　　بولے جو چڑھ کے سروں پر بھی ہے یہ وہ جادو

پڑے گر کوہ پہ دو کردے بُرش ایسی ہے
کھینچ لے روحوں کو جسموں سے کشش ایسی ہے

نہر پر ہاتھ میں ضیغم کے یہی ہے تلوار　　دی صدا یہ جو کیا ناریوں نے ان سے فرار
تف ہے جرأت پہ نہ کی ایک گھڑی بھی پیکار　　مشک لی کاندھے سے پھر نہر میں اترا جرار

متصل دید کی سب غیرت حور آپہنچے
مچھلیاں ہٹ گئیں یہ کہہ کے حضور آپہنچے

سن جو پایا ہے نہیں آپ کے چہرے پہ نقاب　　نکلے سر مردم آبی کے ہٹی چادر آب
محو نظارہ ہوئے شوق میں یہ اور حباب　　بوسہ دینے کو بڑھیں پاؤں پہ موجیں بھی شتاب

چوم لیں ہم بھی قدم اس لیے یکسر آئیں
نہریں کوثر کی ادھر شوق میں باہر آئیں

خنکی محسوس ہوئی نہر کے پانی کی جب　　بڑھ گیا اور بریر ہمدانی کا تعب
رو دیا شبہ کا مددگار کہا ہائے غضب　　جاں بلب ہیں اسی پانی کے لیے بچے سب

آب موجود ہو دو روز کا پیاسا تر سے
نہر ہو سامنے احمدؐ کا نواسہ تر سے

کہہ کے یہ مشک بھری نہر سے نکلا جرار　　پانی لے جانے نہ پائے یہ ہوا غل اکبار
بڑھے سو برچھیوں والے تو چلے تیر ہزار　　ساقیا شیر سے چلتی ہے دوبارہ تلوار

جام گردے تو طبیعت میری کچھ اور چلے
رن میں تلوار چلے اور یہاں دَور چلے

دل میں عاشق کے ہیں بت آ کے گرا دے ساقی　　قلب بت خانہ ہے تو کعبہ بنا دے ساقی
آتش غم نہ کہیں مجھ کو جلا دے ساقی　　بادۂ عشق کے چھینٹوں سے بجھا دے ساقی

مئے الفت تری ہر اک کی مددگار ہوئی
آگ گل ہو کے براہیم پہ گلزار ہوئی

نہر پر یاد مجھے آگیا کوثر ساقی　　مے مطہر ہو عطا میرے مطہر ساقی

اب تو ایک ایک گھڑی مجھ پہ ہے دو پہر ساقی میں اکیلا نہیں لاتا کئی ساغر ساقی

اتنے بیٹھے ہیں ترے نام پہ جینے والے

من نیا ہوں یہ ہمیشہ کے ہیں پینے والے

بزم میں آیا ہوں میں تیرے سہارے ساقی تھا پہنچنے کو میں دوزخ کے کنارے ساقی

پھیر لائے تری رحمت کے اشارے ساقی اب بھروں گا میں ترا دم ترے پیارے ساقی

نشے کو بادۂ الفت کے نہ گھٹنے دینا

پاؤں کو عشق کے میداں سے نہ ہٹنے دینا

ساقیا آج پلا اتنی مئے الفت تو کہ یہی بادہ ہر اک رگ میں رہے بن کے ہو

مجھ سے مستی کے پس مرگ بھی نکلیں پہلو گر اڑے خاک لحد بادہ کی پھیلے خوشبو

بادہ کش نیند سے بھی تیرا طلب گار اٹھے

جھومتا حشر کے دن قبر سے میخوار اٹھے

ساقیا مجھ کو بھی تو وہ مئے پر نور پلا پشت وانگشت میں آدم کے تھا جس کا جلوا

شکل میں حضرت یوسف کی تھی کچھ جس کی ضیاء دیکھ کر جس کو سر طور ہوئے غش موسیٰ

حشر تک نشے کا ساماں ہوا وہ جوش آیا

جب نبوت نے جگایا تو انہیں ہوش آیا

اس کو مارا وہ گرا اور یہ پڑا ہے بے سر لڑ رہا تھا ابھی جرار ہوا دل مضطر

دل میں کچھ سوچ کے اپنے سے یہ بولا رو کر تو ادھر لڑتا ہے اور پیاسے ہیں اطفال ادھر

جلد چل لے کے بریہ ہمدانی پانی

سن وہ آتی ہے صدا خیمے سے پانی پانی

کہہ کے یہ خیمے کی جانب کو بڑھا وہ واہ واہ قدر انداز بڑھے جوڑ کے ناوک صد آہ

کرتے جاتے تھے حفاظت کہ تھے یحیٰ ہمراہ تیر تسمے پہ لگا مشک کے آکر ناگاہ

پورا پورا دیا آزار تو ناوک ٹھہرا

چھد گئی گردن جرار تو ناوک ٹھہرا

کچھ نہ معلوم ہوا آہ مگر خوں جو بہا سمجھا جرار کہ مشکیزے پہ صدمہ پہنچا

دل دھڑکنے لگا گھبرا گیا مڑ کر دیکھا　　پایا جو مشک کو محفوظ کہا شکر خدا
وعدہ پیاسوں سے جو ہے بات مری رہ جائے
پانی باقی رہے یارب مراخوں بہ جائے
کہہ کے یہ تیز چلا خیمے کی جانب کو جری　　پیچھے لڑتے ہوئے انصار حسین ابن علی
روکنے راہ بڑھے ان میں کئی لاکھ شقی　　وہ بھی تر بھر ہوئے یوں شیر سے تلوار چلی
یہ ادھر تیغ سے اعدا کو سزا دیتے تھے
شہہ کے اطفال ادھر ان کو دعا دیتے تھے
ننھے ہاتھوں کو اٹھائے ہوئے کہتے تھے بہم　　یا الٰہی تجھے زہراؑ و پیمبرؐ کی قسم
سوکھے ان ہونٹوں کا بھی واسطہ دیتے ہیں ہم　　رہے مشکیزے کے ہمراہ سلامت ضیغم
چھین لی نہر بھی دادی کی حرم پیاسے ہیں
تو تو واقف ہے کہ دو روز سے ہم پیاسے ہیں
بچے خیمے میں گئے اتنے میں آیا صفدر　　خون سے سرخ ذری چشم پسینے میں تر
خالی اک خیمہ پڑا تھا شہہ دیں کا یکسر　　کہہ کے جرار نے یہ مشک کو پھینکا اندر
در پہ حاضر ہے بریر ہمدانی بچو
پیو اس خیمے میں موجود ہے پانی بچو
جب سنا یہ تو کیا مشک پہ آ آ کے ہجوم　　ایسے ناداں تھے افسوس ہے شہہ کے معصوم
کیسے کھلتا ہے دہانہ نہ تھا مطلق معلوم　　اس قدر پیاس سے بے تاب تھے وہ سب مظلوم
کوئی تو سینے پہ خنکی کا اثر لیتا تھا
اور کوئی مشک پہ رخسار کو رکھ دیتا تھا
مشک ان سب کا وہ چھاتی سے لگانا افسوس　　ظلم کرتا ہے عجب طرح زمانہ افسوس
کھل گیا مشک کا آخر کو دہانا افسوس　　شور بچوں کا وہ گھبرا کے مچانا افسوس
رو کے کہنا کہ یہی جاتا ہے پانی دوڑو
کھل گئی مشک بریر ہمدانی دوڑو
آہ اس وقت کہاں تھے محب غیرت مند　　ذبح غربت میں ہوا جب کہ علی کا فرزند

آگ پہنچاتی تھی بچوں کوشہہ دیں کے گزند　　ظلم کے در تھے کھلے رحم کے در تھے سب بند

پانی لا دیتے گرفتار محن تھے بچے

خیمے تو جل رہے تھے تشنہ دہن تھے بچے

کچھ یہ دیتے تھے صدا سوتے ہو جنگل میں بریر　　اٹھ کے دروں سے بچا لو کرو یہ امر خیر

کوئی اور شامیوں کو ہم سے بھی افسوس ہے بیر　　آگ کرتوں میں لگی ہے یہ شقی کرتے ہیں سیر

کرو امداد رسول عربی کا صدقہ

اب نہ رلواؤ حسین ابن علی کا صدقہ

بی بیاں لٹ رہی تھیں اور نہ یہ کر سکتے تھے جنگ　　ناسمجھ ایسے یہ کیا ہوتا ہے اس پر تھے دنگ

کوئی کھاتا تھا طمانچے کوئی اعدا کے خدنگ　　فق ہوا جاتا تھا بن باپ کے بچوں کا رنگ

اشقیا سیلیاں جب بڑھ کے لگا دیتے تھے

رو کے ماں باپ کو معصوم صدا دیتے تھے

ناتق اب روک زباں حشر ہے مجلس میں بپا　　حوریں جنت میں ملک چرخ پہ کرتے ہیں بکا

چاک دامن ہیں حسنؑ اور رسولؐ دوسرا　　روتے اس بزم میں آئے ہیں علیؑ و زہراؑ

کر دعا یہ علما صاحب توقیر رہیں

دوست جتنے ہیں فدائے غم شبیرؑ رہیں

○○○

# منی لال جواںؔ سندیلوی

جناب مالک رام صاحب اپنے رسالہ ''تحریر'' جنوری، مارچ ۱۹۷۵ء کے صفحہ ۹۰۔۹۱ میں لکھتے ہیں:۔ ''جوان ۱۸۹۰ء میں سنڈیلہ ضلع ہردوئی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گلاب رام شاہ تجارت پیشہ تھے۔ منی لال نے بمشکل آٹھویں درجے تک تعلیم پائی تھی کہ اس کے بعد اپنے والد کے کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹانے لگے۔ جب والد نے نقل مکاں کر کے لکھنؤ میں سکونت اختیار کر لی تو یہ بھی ان کے ساتھ چلے گئے۔ اس کے بعد نجی طور پر اردو اور فارسی میں کچھ مہارت پیدا کر لی تھی۔

انہوں نے ۱۹۰۵ء میں شعر کہنا شروع کیا تھا۔ پہلے چندے حکیم عبدالقدیر ہنرؔ سنڈیلوی سے مشورہ کرتے رہے۔ بعد کو انور حسین آرزو لکھنوی (ف ۱۹۵۱ء) کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہو گئے۔ جب آرزوؔ ۱۹۲۸ء میں بعض فلم سازوں کی دعوت پر مستقلاً کلکتے میں مقیم ہو گئے تو جواںؔ نے بھی وہیں کی سکونت اختیار کی تاکہ استاد سے پورے طور پر استفادہ کریں۔ کلکتے میں بھی انہوں نے تجارت ہی کو اپنی بسر اوقات کا ذریعہ بنایا اور ۱۹۶۰ء میں کلکتے سے واپس لکھنؤ آئے۔

آرزوؔ کی زبان و بیان اور عروض کی ماہرانہ واقفیت زبان زد خاص و عام ہے۔ ان علوم میں جواںؔ بھی اپنے استاد کے شاگرد رشید تھے۔ چنانچہ بعد کو بہت شاگردوں نے ان سے بھی فیضان حاصل کیا۔

بروز جمعہ ۲۵ر فروری ۱۹۷۴ء کو شام کے ۶ بجے اپنے مکان محلّہ حسن گنج لکھنؤ میں انتقال کیا۔ ان کی شادی شاہ جہاں پور میں شریمتی راج رانی سے ہوئی تھی۔ ایک بیٹا شری آنند بہاری لال گپتا جسمانی یادگار چھوڑا ہے۔ یو پی حکومت کے محکمۂ مالیات میں ملازم ہیں۔

کلام کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ کلیات جواںؔ حصہ اول عرف حسین چراغاں (۱۹۶۳ء) کلیات جواںؔ حصہ دوم عرف شوخ غنچہ (۱۹۶۴ء) کلیات جواںؔ حصہ سوم عرف چراغ قاف (۱۹۶۶ء) سوز دل (دس نظمیں) رباعیات جواں، خوش رنگ پھول (غالبؔ اور آرزوؔ کے اشعار کی تضمین) فریاد وجواب فریاد (بطرز شکوہ و جواب شکوہ از اقبالؔ) مع غزلیات رام بن باس۔ انہوں نے چار مرثیے بھی کہے تھے۔ (۱) شہادت امام حسینؑ (۲) درحال حضرت عونؑ و محمدؑ (۳) درحال حضرت عباسؑ علمدار، (۴) درحال حضرت علی اصغرؑ یہ بھی شائع ہو چکے ہیں۔

بعض زحافات اور آئینۂ بحور اپنے شاگردوں کے لیے نثر میں لکھی تھیں۔ اس سلسلے کی ایک مختصر چیز حضرت آرزو کی اصلاحیں (شاگردوں کے کلام پر) ہے۔ دو ایک چیز بچوں کے لیے بھی ہندی اور اردو میں شائع کی تھیں۔

کلام پختہ اور بے عیب ہے۔ ان کی وفات سے ایک خوش خلق منکسر مزاج اور وضعدار شخص اٹھ گیا۔ جناب مالک رام صاحب نے جواںؔ کے چار مرثیوں کا ذکر کیا ہے۔ راقم الحروف کو ان کے پانچ مرثیے دستیاب ہوئے۔ تفصیلات یہ ہیں۔

(۱) آل زہراؑ کا چمن آج سجانا ہے مجھے۔ ۸۶ بند درحال حضرت عباسؑ

مطلع

آل زہراؑ کا چمن آج سجانا ہے مجھے اک نیا باغ بہر حال لگانا ہے مجھے
ڈوب کر بحر تخیل میں دکھانا ہے مجھے جو اچھوتا ہو سخن لب پہ وہ لانا ہے مجھے
مرا ہر لفظ غرض رحمتوں والا ہوجائے
مدح سرورؑ مجھے جنت کا قبالا ہوجائے

مقطع

بات اب کی نہیں جاتی ہے اجل آتی ہے موت فردوس سے پیغام طلب لاتی ہے
وقت آخر ہے ان آنکھوں میں گھٹا چھاتی ہے کوچ کرنے ہی کو اب آپ کا شیدائی ہے
اتنا کہتے ہوئے عباس نے دم توڑ دیا
اے جواںؔ روح کے دم بھر میں جس چھوڑ دیا

(۲) زمین کی مجھے سوگند آسماں کی قسم۔ ۱۱۰ بند، در حال حضرت عباسؑ

مطلع

زمین کی مجھے سوگند آسماں کی قسم خدا کے گھر کی محمدؐ کے آستاں کی قسم
علی کے زور کی زہراؑ کے گلستاں کی قسم خود اپنے حسن عقیدت و جسم و جاں کی قسم
قدم بڑھا کے ہٹاؤں یہ ہو نہیں سکتا
کسی کو پشت دکھاؤں یہ ہو نہیں سکتا

مقطع

یہ کہتے کہتے پھریں پتلیاں ڈھلا جنکا ابھی ابھی جو فروزاں تھا وہ چراغ بجھا
نہیں مشیت پروردگار میں چارا قلم کو روک کے کر اے جواں آہ و بکا
وفور غم سے شہ مشرقین روتے ہیں
شہید راہ خدا پر حسین روتے ہیں

(۳) پیری میں سوچتا ہوں جوانی کدھر گئی۔ ۹۰ بند در حال امام حسینؑ

پیری میں سوچتا ہوں جوانی کدھر گئی چلتی ہوئی زباں کی روانی کدھر گئی
فکر رسا کی شعلہ فشانی کدھر گئی کل تک جو تھی وہ شوخ بیانی کدھر گئی
یارب ابھی تو مجھ کو وہی ساز چاہیے
جس کا نہ ہو جواب وہ پرواز چاہیے

(۴) مدح سرورؑ میں قلم آج اٹھانا ہے مجھے۔ ۱۳۶ بند، در حال عونؑ و محمدؑ

مطلع

مدح سرورؑ میں قلم آج اٹھانا ہے مجھے شوخی فکر گہر بار دکھانا ہے مجھے
باغ گلہائے مضامیں کا سجانا ہے مجھے چن کے کچھ پھول سوئے خلد دکھانا ہے مجھے
جذب دکھلائے اگر مدح سرائی میری
تو ارم میں ابھی ہوجائے رسائی میری

مقطع

اے جواں روک قلم اب نہیں یارائے بیاں لاشوں کو دیکھ کے بے چین ہیں خود شاہ زماں

امتحاں صبر کا ہے اس میں نہیں لب پہ فغاں　　سانس چلتی ہوئی شبہ کی ہے کہ اٹھتا ہے دھواں
مدح سرور ہے شہیدوں کا فسانہ ہے یہ
سچ تو یہ ہے سبق آموز زمانہ ہے یہ

(۵) فکر بھی پست طبیعت میں روانی بھی نہیں۔ ۵۹ بند، درحال جناب علی اصغرؑ
یہ مرثیہ ہم نے شامل کیا ہے۔ اس لیے مطلع یا مقطع لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جواں مرثیہ گوئی میں میر انیس سے متاثر ہوئے ہیں۔ ان کے مرثیوں میں بیان کی سادگی اور زبان کی روانی طرہ امتیاز ہیں۔ چہرے بھی شاندار اور انداز بیاں بھی پرشکوہ ہے۔ انتخاب الفاظ پر شاعر کو قدرت کا ملہ حاصل ہے۔ جب ہم ان کے مرثیے پڑھتے ہیں تو میر انیس کا لطف آجاتا ہے۔ جوان نے عمدہ تشبیہات اور لطیف استعارات بھی کما حقہ استعمال کیے ہیں۔ ایک مرثیہ ''مدح سرورؑ میں قلم آج اٹھانا ہے مجھے'' کے چہرے کے چند بند درج کیے جاتے ہیں۔ اسی انتخاب میں شاعر کا حسن عقیدت نمایاں ہے۔

نگہت فکر سخن عرش علا تک پہنچے　　خوشبو اب پھولوں کی محبوبِ خدا تک پہنچے
غنچے غنچے کی مہک شاہ ہدا تک پہنچے　　بوئے گل کاش شہیدانِ وفا تک پہنچے
ساقی کوثر و تسنیم کا دل شاد کرے
حور فردوس بھی سونگھے تو مجھے یاد کرے

پھول درکار ہیں کچھ نذر پیمبرؐ کے لیے　　پھول درکار ہیں کچھ مادر سرور کے لیے
پھول درکار ہیں کچھ ساقی کوثرؑ کے لیے　　پھول درکار ہیں کچھ مجھ کو بہتر کے لیے
پنجتن سے انہیں پھولوں کا ملا پاؤں گا
آج دامانِ طلب سے بھی سوا پاؤں گا

چُن چکا پھول تو آ نیند نے گھیرا مجھ کو　　بن گیا عید کا پیغام اندھیرا مجھ کو
در جنت پہ ہوا جاکے سویرا مجھ کو　　میری تقدیر نے ناکام نہ پھیرا مجھ کو
پاسبانِ درِ فردوس سے کچھ بات ہوئی
مسکراتے ہوئے رضواں سے ملاقات ہوئی

بعد کچھ دیر کے میں اس سے ہوا عرض رسا　　دیر کرنے کا یہ ہنگام نہیں ہے اصلا

کون سے قصر میں محبوب الٰہی ہیں بتا　　پیش کرنا ہے مجھے باغ سخن کا تحفا
راستہ چشمۂ کوثر کا بتادے مجھ کو
قصر خاتون جناں کا بھی دکھادے مجھ کو

بادۂ عشق سے سرشار جو پایا مجھ کو　　راستہ چشمۂ کوثر کا دکھایا مجھ کو
قصر خاتونِ جناں کا بھی بتایا مجھ کو　　سامنے لے کے پیمبرؐ کے پھر آیا مجھ کو
ہو کے خم میں نے گل باغ سخن پیش کیے
اس طرح حسن عقیدت کے چمن پیش کیے

تحفہ مقبول نظر ہوتے ہی یہ حکم ہوا　　لے کے جا خدمت زہراؑ میں گل فکر رسا
رب اکبرؐ سے کروں گا میں ترے حق میں دعا　　جو بھی مانگے گا وہ دوں گا ترے پھولوں کا صلا
تو میری چشم عنایت کے اب آغوش میں ہے
مانگ جو چاہے کہ دریائے کرم جوش میں ہے

یہ جو سرتاج دوعالم سے مجھے حکم ملا　　گرتا پڑتا در خاتون جناں پر پہنچا
حور جنت کے ذریعے سے ہوا عرض رسا　　لے کے آیا ہوں گل باغ سخن کا تحفا
گر یہ تحفہ مرا مقبول نظر ہوجائے
تو مری شام مصیبت کی سحر ہوجائے

حکم ہے خلد میں چاہے جدھر آئے جائے　　کہہ دو رضواں سے اِسے باغ جناں دکھلائے
پھل جو مرغوب طبیعت ہوں وہی پھل کھائے　　جب ہو فرصت تو مرے پاس پلٹ کر آئے
اس کے پھولوں کا مجھے آج صلا دینا ہے
یہ ابھی کہہ نہیں سکتی ہوں کہ کیا دینا ہے

حور جنت سے کہا میں نے کہ اے ماہ بقا　　شاہزادی کے لیے دل سے نکلتی ہے دعا
اور اللہ کرے ان کے مراتب اعلیٰ　　اب سوئے ساقی کوثرؑ ہے ارادا میرا
تشنہ کاموں سے ملوں صورت سرورؑ دیکھوں
آرزو ہے کہ رخ ساقی کوثر دیکھوں

لے گیا ذوق طلب جب لب کوثر مجھ کو　　گرد ساقی کے نظر آئے بہتر مجھ کو

رعب محفل سے خرد دیکھ کے ششدر مجھ کو آن واحد میں دکھانے لگے تیور مجھ کو

آنکھ دکھلا کے کہا نذر بخشی ہوش نہ کر

ساقی بزم کی تعظیم فراموش نہ کر

بے خودی سے جو میں چونکا تو کیا جھک کے سلام ہوگئی گنگ زباں آ نہ سکا لب پہ کلام

ہنس رہے تھے مری حالت پہ اماموں کے امام خود بخود گردشیں کھاتا تھا سر کوثر جام

پاس انگلی کے اِشارے سے بلایا مجھ کو

صف میں رندوں کی محبت سے بٹھایا مجھ کو

میں نے گلدستۂ گلہائے سخن پیش کیا سن کے فرمایا کہ تحفہ ترا مقبول ہوا

مانگ ان کھلتے ہوئے پھولوں کا بے خوف صلا جو طلب مجھ سے کرے گا وہی تجھ کو دوں گا

غنچے غنچے سے غم دل کی صدا آتی ہے

تیرے پھولوں سے مجھے بوئے وفا آتی ہے

اس کے بعد ساقی نامہ کے کچھ بند ہیں۔ پھر عونؑ و محمدؑ اور جناب زینبؑ کی گفتگو اور بچوں کا طلب علم کا بیان ہے۔ چند بند قابل ذکر ہیں ؎

کام اگر آج نہ آؤ گے تو کب آؤ گے ہوگا انجام یہی بعد کو پچھتاؤ گے

موت غازی کی جو ہوگی تو صلہ پاؤ گے سرخرو ہو کے سوئے خلد بریں جاؤ گے

لطف تو جب ہے دم نزع بھی دل شاد رہے

جو ہے احسان امامؑ دوسرا یاد رہے

بولیں زینبؑ کہ یہ زیبا نہیں بچوں کو کلام ہاں علم دینے نہ دینے کے ہیں مختار امامؑ

کیوں سمجھتے نہیں تم خود کو شہہ دیں کا غلام جنگ کرنے کو چمکتی ہوئی کافی ہے حسام

تم علم کے لیے آزردہ مرے لال نہ ہو

وہ ہوس کیا کہ جو شایانِ سن و سال نہ ہو

تم علم لے کے کرو جنگ بہت مشکل ہے یاد رکھو مرے بچو یہ کڑی منزل ہے

مانا لبریز شجاعت سے تمہارا دل ہے جو مناسب نہیں اس عرض سے کیا حاصل ہے

یہ مجھے بارگراں ہے جو علم چاہتے ہو

موت سے پہلے ہی گلزار ارم چاہتے ہو

جب یہ زینبؑ کی زباں سے سنے بچوں نے کلام ۔ نیمچہ اس نے لیا کھینچ لی اس نے بھی حسام
بولے ہم کھا کے قسم کہتے ہیں دونوں ہی غلام جیتے جی میان میں رکھنے کے نہیں ہیں صمصام
دھیاں بھولے سے کوئی اور نہ لانا مادر
مر کے آئیں تو کلیجے سے لگانا مادر

تیغیں کھینچے ہوئے دونوں نے بڑھائے رہوار زد پہ جو آگیا زندہ نہ بچا وہ زنہار
مر کے گرنے لگے صحرا میں سواروں پہ سوار ساتھ ہی ساتھ میں ہوتے تھے برابر دو دار
بجلیاں کوند کے دو ہوش اڑا دیتی تھیں
خرمن زیست لعیناں کو جلا دیتی تھیں

عونؑ و محمدؑ کی شہادت پر جناب زینبؑ اس طرح بین کرتی ہیں ۔

بات کیا ہے کہ جو دیتے نہیں مادر کو جواب کیا کہا میں نے تمہیں کس لیے اتنا ہے عتاب
اٹھو لگ جاؤ کلیجے سے مرے آکے شتاب مضطرب ماں ہے تمہارے لیے مثل سیماب
کیا کہا میں نے جو تم اتنا بُرا مان گئے
بے ملے مجھ سے سوئے خلد مری جان گئے

نہ رچائی ابھی شادی ہی نہ سہرے دیکھے سوچتے کیا ہو اٹھو جلد ملو مادر سے
فرطِ غم سے ہوئے جاتے ہیں جگر کے ٹکڑے بات یہ کیا ہے جو بیزار ہوئے ہو ایسے
اٹھ کے دیکھو تنِ نازک پہ ہوا دیتی ہوں
بولتے کیوں نہیں تم کو میں صدا دیتی ہوں

# مرثیہ

''پیری میں سوچتا ہوں جوانی کدھر گئی'' کے چہرے میں مناجات کی شان دیکھئے ۔

رحمت کو تیری آج منا کر رہوں گا میں سر آستاں پہ تیرے جھکا کر رہوں گا میں
افسانہ درد دل کا سنا کر رہوں گا میں ماضی سے دور حال ملا کر رہوں گا میں
تیرے کرم سے دل کا غنی ہوں امیر ہوں
خالی پلٹ کے جاؤں نہیں وہ فقیر ہوں

شان کرم دکھانے میں اب کس لیے ہے دیر آیا ہوں تشنہ کام تو جاؤں گا ہو کے سیر
رحمت نے تیری ایسا بنا رکھا ہے دلیر دہشت سے میری بن کی طرف بھاگتے ہیں شیر
حساس برہمی مشیت نہیں مجھے
احسان دیگراں کی ضرورت نہیں مجھے

مانگوں کسی سے بھیک یہ شیوہ نہیں میرا تیرے کرم سے ہے مرا دامن بھرا ہوا
یہ بات کہہ رہا ہوں سر بزم برملا صدقہ حسنؑ ہے کا تو پیمبرؐ کا واسطا
یارب جو دل میں ہے وہ تمنا نکال دے
ماضی کی نعمتیں مری جھولی میں ڈال دے

بے چین مجھ کو دیکھ کے رحمت امنڈ پڑی درد دل غریب پہ قدرت امنڈ پڑی
قسمت سنوارنے کو مشیت امنڈ پڑی لینے کو مجھ کو گود میں جنت امنڈ پڑی
پھر اس نے میرا ساز غم دل بنا دیا
خالق نے مدح شاہ کے قابل بنا دیا

گرمی کے یہ دو بند بھی دیکھئے

منھ پر پڑی جو گرد تو چہرہ جھلس گیا جھونکا ہوا کا چلتا تھا شعلہ بنا ہوا
سورج دکھا رہا تھا تمازت کا آئینا کیونکر بیان کیجئے صحرا کا ماجرا
حالت یہ سب کی تپتے ہوئے بن سے ہوگئی
پانی کی بوند رخ پہ گری چھن سے ہوگئی

گرمی مہر سے جسے دیکھو وہی تپاں دریا کے جانور بھی نکالے ہوئے زباں
سوکھی ہوئی ترائی پہ دوزخ کا ہے گماں ہر لب پہ العطش ہے تو ہر لب پر الاماں
دریا میں یہ حباب نہیں ہیں کھڑے ہوئے
پانی کی چادروں پہ ہیں چھالے پڑے ہوئے

# مرثیہ

فکر بھی پست طبیعت میں روانی بھی نہیں   آگیا دَور ضعیفی کا، جوانی بھی نہیں
ہوچکی گنگ زباں زورِ بیانی بھی نہیں   عہدِ ماضی کی وہ اب شعلہ فشانی بھی نہیں
کیا مرے پاس ہے جس چیز پہ میں ناز کروں
پھر بھی بے بال و پری کہتی ہے پرواز کروں

سلب کرتی ہوئی طاقت کو ضعیفی آئی   جھریاں تن پہ پڑیں منھ پہ اداسی چھائی
آتے ہی دَورِ خزاں نے وہ قیامت ڈھائی   گلشنِ ہستی قامت کی مٹی رعنائی
ناز جس پر تھا وہ طوفان جوانی نہ رہا
بہتے دریا میں قیامت ہے کہ پانی نہ رہا

عضو کمزور ہوئے سانس نے بدلی رفتار   زیست سے خود تو امنگوں سے ہوا دل بے زار
ناتوانی نے بنایا مجھے گرتی دیوار   پھر بھی یہ فکر رسا کا ہے تقاضا ہر بار
کھینچ کر صفحۂ قرطاس پہ دنیا رکھ دوں
توڑ کر دامنِ گیتی پہ ستارا رکھ دوں

انقلاباتِ زمانہ کی نہ پوچھو تاثیر   ٹکڑے ٹکڑے ہوئی جاتی ہے نفس کی زنجیر
پھرتی ہے موت کی آنکھوں میں بھیانک تصویر   چلنے والا نہیں اب کوئی بھی عذرِ تاخیر
آگیا کوچ کا پیغام تو جانا ہوگا
قافلہ صبح سے پہلے ہی روانا ہوگا

وہ امنگیں ہیں نہ وہ جوشِ جوانی باقی   عمرِ رفتہ کی مگر کچھ ہے نشانی باقی
ہوچکی خشک ندی پھر بھی ہے پانی باقی   کند تلوار میں اب بھی ہے روانی باقی
لا مکاں کی بھی خبر فکرِ رسا لائی ہے
عرش سے آگے تصور میں نظر جاتی ہے

اس بڑھاپے میں بھی ہے ذوق کا اصرار وہی بولا جاتا نہیں اور حسرتِ گفتار وہی
گر چکی دھار مگر ہے ابھی تلوار وہی آج بھی میرے تخیل کی ہے رفتار وہی

ناتواں گو ہوں مگر شوق ہے سیاحی کا
عزم رکھتا ہوں میں شبیرؑ کی مداحی کا

نابلد راہ سے منزل سے شناسا بھی نہیں واقفِ رازِ حقیقت ہوں یہ دعویٰ بھی نہیں
جس سے مشہور زمانہ ہوں وہ سودا بھی نہیں ایک قطرہ ہوں بہر حال میں دریا بھی نہیں

وہ مرا وقت نہ اب وہ ہے زمانہ میرا
درس عبرت ہے بہر حال فسانہ میرا

ہے زمانے میں ترے دست کرم کا شہرا کوئی سائل بھی کسی وقت نہ خالی پلٹا
جس نے جو مانگا وہی تو نے اُسے بخش دیا لوگ کونین کا کہتے ہیں تجھے عقدہ کشا

نام جس وقت ترا منہ سے نکل جاتا ہے
گرنے والا بخدا خود ہی سنبھل جاتا ہے

آج مجھ رند کو چلو سے پلانا ہوگی وسعت فیض کرم تجھ کو دکھانا ہوگی
مجھ سے ناچیز کی توقیر بڑھانا ہوگی تشنہ لب میں ہوں مری پیاس بجھانا ہوگی

پی کے اٹھوں گا محبت کی قسم کھاتا ہوں
میں تری چشم عنایت کی قسم کھاتا ہوں

میں بھی ہوں ایک تری چشم کرم کا محتاج پیاس سے سوکھے ہوئے ہونٹ فسردہ ہے مزاج
مال و زر کی ہے تمنا نہ مجھے چاہیے تاج التجا یہ ہے کہ رکھ لینا بھری بزم میں لاج

دیر کا وقت نہیں جام چھلکتا دیدے
روح تازہ کرے وہ پھول مہکتا دیدے

ترے میخانے میں رندوں کا ازل سے ہے جماؤ فیض تیرا ہے کہ چڑھتے ہوئے دریا کا بہاؤ
الغرض سارے زمانے کو تجھ ہی سے ہے لگاؤ ڈگمگاتی ہے مری دامن گرداب میں ناؤ

یہ تو کہتا نہیں میں توڑ کے تارا دیدے
پار ہوجاؤں فقط اتنا سہارا دیدے

قابل دید ہے میخانۂ ساقی کی بہار　　موج مئے کو نہیں خود دیکھ کے رندوں کو قرار
شیشے سے جام میں آنے کے لیے ہے تیار　　میگساران محبت کا بڑھے تو اصرار

چشم ساقی کا اشارا جو کہیں پا جائے
جام خود اٹھ کے ہتھیلی پر ابھی آجائے

کیوں نہ میخوار کریں اپنے مقدر پہ غرور　　مل گیا جام ہوا عفو کا طالب بھی قصور
تھا نہاں بادۂ رنگیں میں قیامت کا سرور　　روح تازہ ہوئی آنکھوں کا بڑھا اور بھی نور

اٹھ گیا بیچ سے پردہ کوئی پردا نہ رہا
خانۂ دل میں جلی شمع اندھیرا نہ رہا

کون کرسکتا ہے میخانۂ احمدؐ کی ثنا　　بہتا رہتا ہے یہاں فیض کرم کا دریا
تشنہ لب آئے تو جاسکتا نہیں ہے پیاسا　　مانگنے دیتی نہیں ہے کبھی ساقی کی عطا

مل گیا جام تو اب کام میں غفلت کیسی
کربلا جانے میں رخصت کی اجازت کیسی

آنکھ جھپکی تھی کہ میں دشت بلا میں پہنچا　　کیا بتاؤں کہ ان آنکھوں نے وہاں کیا دیکھا
خیمہ زن ریت پہ ہے قافلۂ شاہِ ہدا　　راہ ملتی نہیں جانے کار کا ہے رستا

فوجیں اتری ہوئی ہرسو ہیں جفا کاروں کی
ٹھہری ہے آل نبیؐ چھاؤں میں تلواروں کی

ایسی بیکس پہ لعینوں نے ستم کی ٹھانی　　گھاٹ بھی بند ہیں دریا کے رکا ہے پانی
تشنہ کاموں کے لیے شاہ کو ہے حیرانی　　پھر بھی شاکر ہے مشیت پہ علیؑ کا جانی

بھیڑ سے فوج کی ہرگز نہیں ڈرنے والا
دے گا اعدا کو سبق جنگ کا مرنے والا

لڑ کے لاکھوں سے گئے سوئے جناں سب انصار　　لٹ چکی سرورِ دیں کے بھی گلستاں کی بہار
خود بھی سر دینے کو حق پر ہیں خوشی سے تیار　　بیعت فاجر و فاسق سے ہے اب بھی انکار

آپ تیار ہیں ہر ظلم اٹھانے کے لیے
مرنا منظور ہے اسلام بچانے کے لیے

کون ہے اب جسے میدان وغا میں بھیجیں کس کو مرنے کے لیے راہ خدا میں بھیجیں
کون ہے اب جسے میدان قضا میں بھیجیں سوچ یہ ہے کسے دنیائے وفا میں بھیجیں

اب تو اکبرؑ کا بھی سروڑ کو سہارا نہ رہا
چل بسا سوئے جنان آنکھ کا تارا نہ رہا

جلوہ گر پشت ہ دلدل کے ہیں دنیا کے امام جنبش تیغ سے رہ رہ کے تڑپتی ہے نیام
جب کھنچے گی تو کرے گی شہہ والا سے کلام میں پلا دوں گی لعینوں کو ابھی موت کا جام

دستِ حق کی انہیں آنکھوں سے صفائی دیکھی
میں وہ ہوں جس نے محمدؐ کی لڑائی دیکھی

استغاثہ جو کیا حضرت والا نے بلند شیحہ بھرنے لگا میدان میں مولاؑ کا سمند
خطرہ تیروں کا ہوا دل میں نہ کچھ خوف کمند اب بڑھیں شاہ ہدا بس یہی آتا تھا پسند

ہر نفس پاؤں اٹھاتا تھا بڑھانے کے لیے
لاش پر لاش لعینوں کی گرانے کے لیے

سنتے ہی شہہ کی صدا ایک زمانہ چونکا زعفر جن بھی اجازت کا طلب گار ہوا
سب کو برباد کروں اذن ہوا نے مانگا دیجئے حکم جلادوں ابھی آتش نے کہا

موت بھی حق کی بہر حال طرف دار ہوئی
آکے سروڑ سے اجازت کی طلب گار ہوئی

کون ایسا تھا کہ جس نے نہ اجازت چاہی ہر بہی خواہ نے مولیٰ سے سعادت چاہی
پردۂ جنگ میں ہر شخص نے جنت چاہی ذرّے ذرّے نے غرض آپ کی نصرت چاہی

شہہؑ نے فرمایا لعینوں کو دکھانا تھا مجھے
آزمائش کے لیے تم کو بلانا تھا مجھے

تم مدد میری کرو یہ مجھے منظور نہیں ایسا دنیائے رضا میں کہیں دستور نہیں
جنگ کا وقت بھی آپہنچا کوئی دُور نہیں ان لعینوں سے بہر حال میں مجبور نہیں

دے کے سراب تو سوئے خلد مجھے جانا ہے
حکم خلاق دو عالم کا بجا لانا ہے

تم سدھارو مری الفت کا صلا پاؤ گے      وقت آنے پہ سوئے باغ جناں جاؤ گے
میوۂ خلد بریں تم بھی کبھی کھاؤ گے      میں جہاں ہوں گا مرے پاس وہیں آؤ گے
کہہ دیا منھ سے تو امداد میں شرکت کردی
اس طرح تم نے مری دور مصیبت کردی

ناگہاں اہل حرم کی جو سنی آہ و بکا      پلٹے خیمے کی طرف رن سے امام دوسرا
دیکھ کر حال پسر ضبط پہ قابو نہ رہا      پانی ممکن نہیں دو دن سے ہے پیاسا بچا
اٹھ کے زینبؑ نے سبھی حالت ناشاد کہی
گذری جو کچھ تھی شہہ دیں سے وہ رُوداد کہی

آپ کی سنتے ہی آواز یہ ننھا بچا      اس طرح ہمکا کہ جھولے سے زمیں پر آیا
کم ہوئی جب سے نہ معصوم کی پھر آہ و بکا      لاکھ تدبیر کی میں نے نہ مگر یہ بہلا
اور کیا بھائی کہوں تم سے کہانی اس کی
قابل رحم ہے اب تشنہ دہانی اس کی

لاکھ چمکارتی تھی کرتی تھی میں پیار پہ پیار      پھر بھی آغوش میں آتا نہ تھا بچہ زنہار
مضطرب حد سے زیادہ تھا نہ لیتا تھا قرار      ماں سے برہم نظر آتا تھا تو مجھ سے بیزار
آپ کا نام لیا جب تو اٹھایا میں نے
دے کے تسکین کلیجے سے لگایا میں نے

ایک چلو جو میسر کہیں پانی ہوجائے      میرے بے شیر کی کم تشنہ دہانی ہوجائے
ختم ایذائے غم سوز نہانی ہوجائے      ابھی جانبر مرے بھائی کی نشانی ہوجائے
عمر کیا ہے ابھی معلوم ہے اصغرؑ میرا
شیر مادر سے بھی محروم ہے اصغرؑ میرا

شہہ نے فرمایا نہ گھبراؤ بہن جاتا ہوں      مانگے مل جائے گا پانی تو ابھی لاتا ہوں
حال بے شیر جفا کاروں کو دکھلاتا ہوں      ہوں میں پابند رضا اس کی قسم کھاتا ہوں
آدمی کی کوئی تدبیر کہاں چلتی ہے
موت آتی ہے تو ٹالے سے نہیں ٹلتی ہے

لے کے ہاتھوں پہ چلے اصغرؑ بے شیر کو شاہ یاس سے چہرۂ معصوم پہ کرتے تھے نگاہ
دیکھا جاتا نہ تھا بیکس کا مگر حال تباہ شدتِ تشنہ لبی تشنہ لبی کی تھی گواہ
شکوہ پھر بھی نہ زباں پر تھا ستم رانی کا
مانگنا شاق تھا بچے کے لیے پانی کا

جانتے تھے نہ لعینوں سے ملے گا پانی رحم بچے پہ نہ کھائیں گے ستم کے بانی
کیا کروں گا نہ اگر میری نصیحت مانی ہوگی معصوم کی بھی حق کے لیے قربانی
خونِ اصغرؑ سے بھی اسلام ہی پیارا ہے مجھے
نصرتِ حق کے لیے یہ بھی گوارا ہے مجھے

باپ سے کرتا تھا بے شیر اشاروں میں کلام طالب آب نہیں آپ کا ادنیٰ یہ غلام
دیکھئے فردِ شہیداں میں ہے میرا بھی نام مل بھی جائے تو پیوں گا نہ چھلکتا ہوا جام
سرخرو ہو کے مجھے سوئے جناں جانا ہے
اب چھلکنے کو مری عمر کا پیمانہ ہے

خود بھی پیاسے ہیں مری پیاس کا صدمہ نہ کریں پانی اب مانگنے کا آپ ارادا نہ کریں
اضطراب دل معصوم کا چرچا نہ کریں اب لعینوں سے کسی طرح کا شکوا نہ کریں
چاہتا ہوں کہ چھدے حلق تو خوں ہوجائے
پیاس کچھ اور بھڑک لے تو سکوں ہوجائے

آپ صابر ہیں تو صابر کا ہوں میں لختِ جگر پردۂ تشنہ دہانی میں ہے امت پہ نظر
دیکھئے پیاس کا اب مجھ پہ نہیں کوئی اثر آپ سے پہلے مرا ہوگا زمانے سے سفر
رن میں جب حلق پہ میں تیر ستم کھاؤں گا
مسکراتا ہوا جنت کی طرف جاؤں گا

آپ میرے لیے بیکار پریشاں کیوں ہیں پانی ممکن نہیں ہوتا ہے تو حیراں کیوں ہیں
ایک ساغر کے لیے غیر سے خواہاں کیوں ہیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہراساں کیوں
دے چکے جان سبھی اب تو مری باری ہے
آپ کا حکم طلب کوچ کی تیاری ہے

مجھ کو تو نصرتِ حق کے لیے مرنا ہے ابھی　　آپ کے ہاتھوں پہ کچھ دیر ٹھہرتا ہے ابھی
اپنے ہی خوں میں نہانا ہے نکھرنا ہے ابھی　　تا ابد نام رہے کام وہ کرنا ہے ابھی

غم کی برچھی دلِ بے تاب یہ کھانا ہوگی
آپ کو لاش بھی اصغرؔ کی اٹھانا ہوگی

دل میں ہمت ہے تو پھر موت سے ڈرنا کیسا　　نام پہ مرتے ہیں جینے کا تو مرنا کیسا
ڈوب کر صبر کے دریا میں ابھرنا کیسا　　بے اجل وادیٔ ہستی سے گزرنا کیسا

اس طرح آپ کی امداد کروں گا بابا
تیر کھالوں گا نہ فریاد کروں گا بابا

ان اشاروں کو پسر کے شہِ والا سمجھے　　یوں ہی بے چین تھے کچھ اور بھی بے چین ہوئے
حرفِ قسمت کے کسی طرح مٹائے نہ مٹے　　سامنے لشکرِ اعدا کے جو سرور پہنچے

دیکھ کر شاہ کو سب فوجِ لعین کانپ گئی
کربِ بے شیر سے صحرا کی زمیں کانپ گئی

شہ نے فرمایا کہ مطلوب نہیں جنگ ابھی　　لے کے آئی ہے یہاں مجھ کو ضرورت میری
چھ مہینے کے ہے بچے کی زباں سوکھی ہوئی　　دیکھی جاتی نہیں معصوم کی اب تشنہ لبی

ہو سکے تم سے تو اک جام ہی لا دو پانی
اس بلکتے ہوئے بچے کو پلا دو پانی

میں خطا وار سہی یہ تو خطا وار نہیں　　تم سے بچہ تو مرا برسرِ پیکار نہیں
میں کچھ اپنے لیے پانی کا طلب گار نہیں　　جس کو پیاسے سے تنفر ہو وہ دیندار نہیں

رحم معصوم کی اب تشنہ دہانی پہ کرو
بخل للہ نہ بہتے ہوئے پانی پہ کرو

شدتِ تشنہ دہانی سے ہیں اصغر بے جاں　　ہونٹ سوکھے ہوئے ہیں پیاس سے تو خشک زباں
ابھی بھی رکھتے نہیں اس طرح ہیں ہاتھوں پہ تپاں　　ان کی مشکل تو کرو بہرِ خدا تم آساں

دکھ پہ دکھ دیتی ہے اب تشنہ دہانی کیسا
شیرِ مادر سے بھی محروم ہیں پانی کیسا

گر مری بات کا آتا نہیں ہے تم کو یقیں    پوچھ لو بچے سے خود تشنہ دہن ہے کہ نہیں
لوٹتا ہوں میں معصوم کو بالائے زمیں    تم پلا دو اسے پانی نہ میں آؤں گا قریں
بیٹا منہ پھیر کے تم آپ ہی اصرار کرو
ہو اگر پیاسے تو خود پیاس کا اقرار کرو

یہ جو کہتے ہوئے بے شیر نے بابا کو سنا    خود بخود لشکر اعدا کی طرف منہ پھیرا
کھول کر آنکھ جو دیکھا تو بکثرت دیکھا    شدت تشنہ دہانی سے نہ کی آہ و بکا
خشک ہونٹوں پہ زباں پھیر کے دکھلانے لگے
حال معصوم پہ سب خوف سے تھرانے لگے

شہہ نے اعدا سے کہا اب تو کروگے باور    مضطرب تشنہ لبی سے ہے مرا لخت جگر
کس طرح بھڑکی ہوئی پیاس سے ہوگا جانبر    ہو جو ممکن تو پلا دو اسے پانی لاکر
یہ سلامت ہے تو آغوش نہ سونی ہوگی
ورنہ اس دل کی خلش اور بھی دونی ہوگی

سنتے ہی سبط پیمبر کے یہ پردرد کلام    مچ گیا لشکر اعدا میں یکایک کہرام
کوئی بولا کہ پلا دو اسے پانی اک جام    کوئی بولا کرو بے شیر کا بھی قصہ تمام
بحث ہونے لگی اس طرح ستمگاروں میں
تفرقہ پڑنے لگا فوج کے سرداروں میں

مائل رحم ہوا جب نہ کوئی خانہ خراب    مانگنے سے نہ ملا شاہ کو اک ساغر آب
تپتی ریتی سے لیا گود میں اصغر کو شتاب    اتنے عرصے میں ہوا اور بھی بچہ بیتاب
دھوپ سے شاہ نے اس طرح بچایا اس کو
لے کے دامانِ قبا اپنا اڑھایا اس کو

سوئے خیمہ پھرے پانی کا سہارا چھوٹا    حرملہ سے یہ بن سعد نے اس وقت کہا
دیکھتا کیا ہے کماں کھینچ کے اک تیر لگا    جلد اس تشنہ دہن کا بھی مٹا دے قصا
دیر کی تونے تو پھر کچھ بھی نہ بن آئے گی
کون روکے گا اگر فوج بگڑ جائے گی

اس ستمگار نے پھر تیر کماں میں جوڑا  تاک کر گردن معصوم لعیں نے چھوڑا
حلق بیکس کا چھدا بازوئے شہہ کو توڑا  اس اذیت پہ بھی نصرت سے نہیں منہ موڑا

صبر اصغر کی فضیلت دم رخصت دیکھی
مسکراتے ہوئے شبیر کی صورت دیکھی

رک کے سرور نے جو معصوم پہ کی ایک نگاہ  تو یہ دیکھا کہ ہے بے شیر کا اب حال تباہ
تیر سے پیاس بجھی مٹ گئی پانی کی بھی چاہ  ہوگیا تو پھر زمانہ ہی نگاہوں میں سیاہ

دل تڑپتا ہوا سینے میں سنبھالا شہہ نے
تیر معصوم کی گردن سے نکالا شہہ نے

مل لیا چہرۂ انور پہ لہو بیکس کا  آگیا منہ کو کلیجا وہ اٹھایا صدمہ
شدت زخم سے جب ہاتھوں پہ بچہ تڑپا  پاس سے سوئے فلک آنکھ اٹھا کر دیکھا

ساتھ بے شیر کا جب سانس نے بھی چھوڑ دیا
شاہ کے ہاتھوں پہ معصوم نے دم توڑ دیا

سامنے آنکھ کے جب لخت جگر سرد ہوا  اس غضب کا دل سرور سے اٹھا اک لوکا
اشک آنکھوں سے بہے ضبط پہ قابو نہ رہا  لے کے بے شیر کو دفنانے چلے شاہ ہدا

تیغ سے قبر جو کھودی تو فضا کانپ گئی
آدمی کیسے بیاباں کی ہوا کانپ گئی

بس جواں روک قلم اب نہیں ہے تاب کلام  کر چکے دفن زمیں میں علی اصغر کو امام
دل میں یہ سوچتے ہیں جاتے ہوئے شاہ انام  آئے گا مادر بے شیر کو کیونکر آرام

سنتے ہی حال پسر رنج سے مر جائے گی
ایک برچھی سی کلیجے میں اتر جائے گی

OOO

# فراقی دریابادی

(پ۔۱۸۸۲ء)

فراقی دریا بادی کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ان میں رامائن تلسی داس کا منظوم اردو ترجمہ مسدس میں دو جلدوں میں اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ نے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا۔ افسوس اس بات پر ہے کہ اکادمی نے فرقی کے حالات زندگی کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے۔ ان کے حالات کوشش بسیار کے باوجود نہیں مل سکے۔ فرقی تخلص کرتے تھے۔ نام رائے سدھ ناتھ بلی۔ خاندانی رئیس تھے۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی میں قیام کرتے تھے۔ راقم کچھ سال پہلے ان کے صاجزادے رائے ہردیو بلی سے بھی ملا۔ وہ ملکہ گیتی کے پھاٹک میں لکھنؤ میں رہتے ہیں اور ان کا شمار مشہور آرٹسٹوں میں ہوتا ہے۔ وہ کاروبار میں اتنے مصروف رہتے ہیں کہ انھیں یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کے والد بزرگوار کا انتقال کہاں، کیسے اور کس سال ہوا ہے۔ موصوف کی عمر ۷۰ سال سے تجاوز کرگئی ہے۔ مجھے ان کے طرزِ عمل سے بڑی مایوسی ہوئی۔ میرے پیہم اصرار کے بعد صرف اتنا کہا کہ:

> ''میرے والد فراقی صاحب اپنے گھر میں شعر و سخن کی محفلیں کیا کرتے تھے۔ اردو فارسی کے علاوہ ہندی اور سنسکرت خوب جانتے تھے۔ اردو میں ان کا دیوان بھی موجود ہے۔ وہ کسی کے شاگرد نہیں تھے۔ مرثیہ خوب پڑھتے تھے۔ ایک دفعہ میں بھی امام باڑہ سوداگر چوک لکھنؤ میں موجود تھا جس طرح کا کوئی بھی ذاکر مجلس پڑھتا ہے اسی طرح وہ بھی پڑھتے تھے۔ گریہ خوب کرتے تھے اور سامعین بھی رویا کرتے تھے۔ لوگ بڑی تعداد میں داد دیتے تھے۔ مجلس میں علماء بھی ہوتے تھے۔ چار اولادیں چھوڑیں۔ دو لڑکے اور دو لڑکیاں۔''

رائے ہردیو بلی نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے باپ کے حالات زندگی اور ان کی تصویر بھیجیں گے۔ یاد دہانی کے باوجود انھوں نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔

راقم الحروف جناب ڈاکٹر سید محمد حیدر (ٹیرہ ڈاک خانہ کولا ضلع بارہ بنکی) کا انتہائی شکر گزار ہے کہ انھوں نے فراقی کے دو غیر مطبوعہ دیوان اور ان کے دو مرثیے ایک مطبوعہ اور دوسرا غیر مطبوعہ استفادہ کے لیے عنایت کیے۔ دونوں دیوان اور مرثیہ مصنف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ پہلے دیوان میں ۱۱۹ غزلیں ہیں۔ غزلوں کے علاوہ داغؔ، مومنؔ، ذوقؔ، اور ناسخؔ کی غزلوں پر خمسے کہے ہیں۔ آخر میں ۲۳ر اکتوبر ۱۹۳۸ء کی تاریخ بھی موجود ہے۔ دوسرے دیوان میں ۳۴ غزلیں ہیں[1] اس کا نام ''خیال کدۂ فراقی'' ہے۔ اس کے ساتھ فراقی نے ''دریابادی ضلع بارہ بنکی'' بھی لکھا ہے۔ آخر میں شاعر نے ۴ر نومبر ۱۹۴۱ء یوم سہ شنبہ کی تاریخ کے ساتھ، ذیل کا قطعہ تاریخ ختم دیوان بھی لکھا ہے۔

ختم دیوان ہوا تو فکر ہوئی　　　میں وہ تاریخ لکھوں ہو دل خوش
دی فراقی صدا یہ ہاتف نے　　　مرحبا تیرا ہے سخن دلکش

۱۹۴۱ء

تاریخ کے بعد یہ مصرع بھی درج ہے۔ ع : ''الٰہی یاد مقبول جہاں نظم''

دیوان کی خصوصیت یہ ہے کہ پنجتن پاک کی مناسبت سے ہر غزل میں پانچ شعر کی تعداد رکھی ہے۔ شاعر نے پہلا دیوان ڈاکٹر سید محمد حیدر کے پھوپھی زاد بھائی سید ابرار حسین کو عنایت کیا تھا۔ اس کے بارے میں ڈاکٹر موصوف راقم کے نام ۳ر فروری ۱۹۸۵ء کے خط میں

---

[1] ایک غزل میرؔ کے رنگ (جان ہے تو جہان ہے پیارے) میں زمانہ کانپور صفحہ ۳۱ بابت اگست ۱۹۳۷ء میں چھپی تھی میرؔ کی اس غزل کے تتبع میں جگر مرادآبادی، آنند نرائن ملا، فراق گورکھپوری اور اثر لکھنوی نے غزلیں کہی تھیں۔ فراقی کے چند شعر یہ ہیں۔

تم سے کب پیاری جان ہے پیارے　　　ایسا ناحق گمان ہے پیارے
داد دیتا کہیں جو ہوتا میرؔ　　　کتنی سلجھی زبان ہے پیارے

غم نہیں ہے کوئی فراقیؔ کو
تو اگر مہربان ہے پیارے

لکھتے ہیں:

''یہ مجموعہ فراقی صاحب نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر والد محترم جناب سید علی ہاشم صاحب (ٹیرہ) نزد زید پور کو دیا۔ یہ بات مجھے میرے پھوپھی زاد بھائی سید انصار صاحب نے بتائی جو ابرار حسین صاحب مرحوم کے چھوٹے بھائی ہیں۔ ابرار حسین صاحب مرحوم دریاباد میں بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ خود ان سے اور بعد میں خاندان کے سبھی افراد نے فراقی صاحب کے ساتھ خصوصی تعلقات ہو گئے تھے اور وہ اکثر گھر پر تشریف لاتے تھے۔''

ڈاکٹر صاحب نے فراقی کا جو غیر مطبوعہ مرثیہ بخط مصنف مجھے ارسال کیا اس کا مطلع ہے:

ع: رن میں زینب کے پسر آتے ہیں ۴۷ بند

مرثیے کی ابتدا میں ڈاکٹر صاحب نے مجھے ۳ فروری ۱۹۸۵ء کو خط کے ساتھ یہ نوٹ بھی ارسال کیا تھا۔

''رائے صاحب کی ایک مجلس''

''میرے والد علی ہاشم صاحب مرحوم کے بھانجے اور میرے پھوپھی زاد بھائی سید ابرار حسین مرحوم بسلسلہ ملازمت کچھ عرصہ تک دریاباد (ضلع بارہ بنکی) میں مقیم رہے۔ چونکہ وہ بے حد ادبی ذوق رکھتے تھے۔ رائے صاحب نے خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر اپنے غزلیہ کلام کے دو مختصر مجموعے ابرار حسین صاحب کو دئے تھے اور ایک مرثیہ ''رن میں زینب کے پسر آتے ہیں'' خود اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا میرے والد سید علی ہاشم صاحب کو دیا تھا ''یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ'' کے موقع پر میرے خاندان کے قدیم امام باڑہ (جو امام باڑہ علی رحم کے نام سے مشہور ہے) واقع قصبہ زید پور (بارہ بنکی) میں رائے سدھ ناتھ بلی فراقی دریابادی نے اپنے وہ نوتصنیف مرثیہ پڑھا جس کا ایک مصرع ''ارجن سے بڑھ کے صاحب تیر و کماں تھے وہ'' آج تک ان حضرات کو یاد ہے جو اس مجلس میں شریک تھے۔ مجھ سے بیان کیا کہ رائے صاحب شیروانی پائجامہ پہنے ہوئے تھے۔ شیروانی کے بٹن کھلے تھے۔ خوب گورے چٹے اور اکہرے بدن کے تھے۔ اس قدر اچھے انداز سے پڑھ رہے تھے کہ ہر شخص تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس مجلس کے لیے ابرار حسین ان کو دریاباد سے زید پور لائے تھے۔ رائے سدھ ناتھ بلی چچا تھے۔ رائے راجیشور بلی کے۔ راجیشر بلی تعلقدار دریاباد کے

تھے۔عرصے تک بارہ بنکی ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیرمین اور ایم۔ایل۔سی بھی تھے۔''

فراقی صاحب نے مرثیہ اپنے ہاتھ سے لکھا ہے۔''نذر بجناب مکرم بندہ سید علی ہاشم صاحب زمیندار ٹیرہ ضلع بارہ بنکی ہواللہ۔ مرثیہ حضرت عون محمد علیہ السلام از فراقی دریابادی۔ بارہ بنکی۔ ۲۳رمئی ۱۹۴۳ء

جناب ڈاکٹر موصوف نے راقم کو ایک مجلس کا اشتہار بھی بھیجا جس میں فراقی مرثیہ پڑھنے والے تھے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں مرثیہ گوئی میں شہرت حاصل تھی۔اشتہار کی عبارت نقل کی جاتی ہے۔

''یادگار محرم ۱۳۶۱ھ مجلس عزا

انسان کو بیدار تو ہولینے دو ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین (جوش)

انشاء اللہ بتاریخ ہشتم ماہ محرم ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۶رجنوری ۱۹۴۲ء یوم دوشنبہ بوقت ڈیڑھ بجے دن امام باڑہ علی رحم صاحب مرحوم میں مجلس امام مظلوم جناب سید الشہدا علیہ التحیۃ و الثناء برپا ہوگی اور جناب رائے سدھ ناتھ بلی صاحب فراقی دریابادی عم محترم جناب رائے راجشیر بلی صاحب تعلقدار ریاست رام پور و دریاباد نوتصنیف مرثیہ پڑھیں گے۔امید کہ حضرات مومنین وقت معینہ پر شریک مجلس ہوکر موصوف کے پُرخلوص جذبات کی قدر فرمائیں گے اور حسن عقیدت کی داد دیں گے۔نیز شرکت عزائے مظلوم سے داخل حسنات ہوں گے اور داعیان خیر کو مرہون ج منت فرمائیں گے۔''

المکلفین

خادمان قوم: سید علی ہاشم، سید لیاقت حسین زمینداران موضع ٹیرہ مقیم حال قصبہ زید پور ضلع بارہ بنکی

خاکسار۔سید ابرار حسین عفی عنہ

فراقی کا جو مطبوعہ مرثیہ ہے وہ ۱۹۴۰ء میں لادی فائن پریس لکھنؤ میں ان کے صاحبزادے رائے ہردیو بلی ماتھر آرٹسٹ نے شائع کیا۔اس کا ایک ہی نسخہ ڈاکٹر سید محمد حیدر کے پاس ہے۔سرورق کی عبارت ہے۔

الحسین منی و انا من الحسین / مرثیہ و سلام حضرت امام حسین / من تصنیف فراقی دریابادی

ملنے کا پتہ۔ ماتھر اینڈ کو پبلیشر اینڈ ڈزائنر، لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ

پبلشر۔ رائے ہردیو بلی، ماتھر آرٹسٹ

مرثیے کا مطلع ۔ داغ غم حسین میں کیا آب و تاب ہے ۸۹ بند

یہ مصرع اصل میں مرزا دبیر کا ہے اور اس کے تحت دفتر ماتم جلد اول میں ۱۰۲ بند میں مرثیہ ہے۔ فراقی نے دبیر کا صرف یہی مصرع پورے مرثیے میں لیا ہے۔ ذیل میں دبیر کا مطلع اور مقطع پیش کیے جاتے ہیں تا کہ یہ کوئی نہ سمجھے کہ فراقی نے دبیر سے توارد کیا ہے۔

مطلع:

داغ غم حسین میں کیا آب و تاب ہے — اس داغ کے چراغ کا گل آفتاب ہے

یہ گل وہ گل ہے جس کا کہ بلبل ثواب ہے — یہ داغ لالہ چمن بو تراب ہے

پروانے ہیں جناں کے لحد کے چراغ ہیں

نام خدا نجات کی مہریں یہ داغ ہیں

مقطع:

حضار بیقرار ہوئے اس کلام سے — زندان میں حرم گئے دربار عام سے

اب اے دبیر عرض یہ کر تو امام سے — ذاکر کی سعی کیجیے رب انام سے

لے تخت سلطنت نہ ولایت عطا کرے

ہر دم ولائے شاہ ولایت عطا کرے

اب دیکھیے فراقی کا مطلع اور مقطع

داغ غم حسین میں کیا آب و تاب ہے — روشن ضیا سے اس کی دل آفتاب ہے

نور اس کا خضر منزل راہ ثواب ہے — منظور دیدۂ خلف بو تراب ہے

آٹھوں بہشت صدقے ہیں اس کے حصول ہیں

رتبہ شناس دونوں علی و رسول ہیں

مقطع:

بس آگے اب نہ لکھو فراقی بیان غم — سب مومنوں کی آنکھیں ہیں اشک الم سے نم

اس مرثیے کا دیں گے صلہ سید امم — ہوگا خدا کا سر پہ ترے سایہ کرم

اہل سخن سے پائیگا داد اس کلام کی
دے گی نجات فکروں سے مدحت امام کی

لکھنؤ کے مشہور عالم دین سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مرحوم کو بھی فراقؔی کے مرثیہ سننے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس مرثیے کی ابتدا میں ان کی تقریظ چھپی ہے۔ جس پر ۲۰ جمادی الاول ۱۳۵۹ھ جون ۱۹۴۰ء کی تاریخ ہے وہ لکھتے ہیں۔

''مدح اہل بیت رسول ان ذاتی اوصاف وکمالات کا نتیجہ ہے جن میں کسی مذہب وملت کی تفریق نہیں ہے۔ یہ ہستیاں اس بلند انسانیت کے درجہ پر فائز تھیں جہاں تمام فرقہ وارانہ اختلافات و امتیازات نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ بیشک گوش شنوا اور چشم بینا کی ضرورت ہے۔

قابل مبارک باد ہیں جناب رائے سدھ ناتھ بلی صاحب فراقؔی دریابادی کہ انھوں نے اپنے ذوق شاعری کا مصرف اتنا بلند قرار دیا ہے۔ آپ مرثیہ بھی کہتے ہیں اور ایک مجلس میں پڑھے بھی ہیں جہاں میں خود شریک تھا اور اکثر مقامات کو میں نے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

خداوند عام آپ کو اپنی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ ومواقع عطا فرمائے۔

والسلام

فراقؔی کا ایک اور نادر و نایاب مرثیہ دستیاب ہوا۔ یہ جناب سید محمد رشید صاحب کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کے پہلے چار بند غائب ہیں۔ یہ کل ۹۳ بند پر مشتمل ہے۔ مرثیہ امام حسین کے حال کا ہے۔ چند بند پیش کیے جاتے ہیں۔

کہتے آپس میں ہیں یہ دشمن دیں     خیریت آج بس ہماری نہیں
بپھرے ہیں مثل شیر شاہ زمن     فرش و عرش ایک ہو نہ جائے کہیں
غرق خوں جانوں کا سفینہ ہو
پارہ پارہ جگر ہو سینہ ہو
آکے میداں میں بزدلی کیسی     ایسی کم ہمتی نہیں اچھی

نہیں ڈرنے کی اس میں بات کوئی بھائی بیٹوں کے غم سے سبط نبی
لڑ نہیں سکتے ناتوانی ہے
تین دن سے تو بند پانی ہے
مگر اپنا نہیں یہ شیوا ہے غیر کا ٹھیک کیا بھروسا ہے
دل یہ فاقے میں بھی توانا ہے قتل امت نہیں گوارا ہے
مجھے کیا لڑکے ہاتھ آئے گا
ساتھ عقبیٰ میں کون جائے گا
کھنچی یہ سوچ کر جو تیغ دوسر آیا آنکھوں کو اک ہلال نظر
تھی سم آلودہ و قضا پیکر پڑگئے سرد دیکھ کر کافر
کیا کھنچی تیغ برق کوند گئی
مثل سبزہ سروں کو روند گئی
آب شمشیر نے لگائی آگ پڑگئی ہر طرف سے بھاگا بھاگ
تھی گلوئے عدو سے اس کو لاگ کردیا دور زیست کا کھڑاگ
سر جدا کرکے بے خطر آئی
اسی انداز سے نظر آئی
جس پرے میں وہ شعلہ بار گئی صورت قہر کر دگار گئی
بار بار آئی بار بار گئی تھے سروں پر جو بھوت اتار گئی
سورما جو تھے کٹ گئے دم میں
صورت شاخ چھٹ گئے
کیا کہوں آہ شمر کی بیداد چڑھا سینے پہ صورت جلاد
فاطمہ کی سنی نہ کچھ فریاد تھانمک خوار خاص ابن زیاد
پاس سبط رسول کا نہ کیا
سر جدا تن سے ظالمانہ کیا
دیکھا جب کٹ گیا حسین کا سر دوڑی خیمے سے زینب مضطر

گری بانو زمیں پہ غش کھاکر رانڈیں سر پیٹنے لگیں یکسر
لوٹنے خیمے نابکار آئے
قید عابد کو نیزہ دار آئے

شہ کے ماتم میں ہے زمانہ سیاہ کس کے دل کو نہیں غم جانکاہ
نہیں تاب کلام مجھ کو آہ روح شاہ امم ہے میری گواہ
مختصر کردیا بیاں میں نے
ختم کی غم کی داستاں میں نے

ہوں فراقؔ خموش کہہ یہ دعا کہ ہو مقبول مرثیہ میرا
دیکھیں چشم کرم سے اہل ذکا اور کچھ چاہیے نہ مجھ کو صلا
ایں دعا از من آمین از احباب
ویں زمن شکر و تحسیں از احباب

فراقی رباعی اور سلام بھی کہتے تھے اور بہت خوب کہتے تھے۔ چند رباعیاں یہ ہیں ۔

رونا غم شبیر میں کام آئے گا وہ مومنو اعجاز یہ دکھلائے گا
پاؤ گے یہاں چین وہاں جنت میں دربار پیمبر میں یہ پہنچائے گا

○

جب عون و محمد سر میداں آئے دہشت سے تزلزل میں بد ایماں آئے
اقبال نقیبانہ پکارا ہوشیار ہاں بے ادبو صاحب قرآں آئے

○

مولا ہے ترے ہاتھ مری لاج یہ آج اس بزم میں رہ جائے کہیں آج تو لاج
ہیں اقبال سخن اور ہیں سب نکتہ شناس ہو داد کا ہرگز نہ فراقی محتاج

○

سب اہل سخن کلام میرا دیکھیں کیا میں نے کیا ہے کام میرا دیکھیں
میرا یہ ادب سے ہے فراقی کہنا اس نظم میں التزام میرا دیکھیں

○

مراۃ ولا کا آج جوہر ہے وہ — دریائے وفا کا پاک گوہر ہے وہ
میری تو نگاہ میں فراقی ہردم — سید ہے علی ہے اور گوہر ہے وہ

○

ذیل میں فراقی کے چند سلام بھی درج کیے جاتے ہیں تاکہ محفوظ رہ سکیں۔

آج تو جان علی ہے میہمان لکھنؤ — کیوں نہ پیارے ہوں علی کو مومنان لکھنؤ
سن لیں میرا مرثیہ سب شیعیان لکھنؤ — مان جائیں تو سہی صاحب زبان لکھنؤ
فیض یہ سبط نبی کی مدح کا ظاہر ہے آج — سب دعا گو ہیں ہمارے مومنان لکھنؤ
ہوں دعا گو اور میں اس کا مقلد ہوں ضرور — اس میں کوئی شک نہ سمجھیں روضہ خوان لکھنؤ
کوئی کیا لکھے پڑھے گا میرؔ و مرزاؔ کی طرح — جانتے ہیں آپ یہ پس ماندگان لکھنؤ
کیا سناؤں کیا لکھوں مظلومی اکبر کا حال — تا فلک پہنچے نہ فریاد و فغان لکھنؤ
سن چکا ہوں میں زبانِ حیدرؑ صفدر سے ہے — فاطمہ کا لخت دل راحت نشان لکھنؤ
فاطمہ کرتی سفارش ہیں یہ بابا جان سے — ہوں مکینِ کربلا صاحب مکان لکھنؤ
داد کا طالب ہوں مجھ کو صلہ دیں گے حسین — یہ کرم فرمائیں مجھ پر نکتہ داں لکھنؤ

دیکھئے نظروں میں تلتا ہوں فراقی یا نہیں
جانتے آسان ہیں آپ امتحان لکھنؤ

○

بشر کرتا ہے تکمیل ثواب آہستہ آہستہ — سرکتے جاتے ہیں کافر عذاب آہستہ آہستہ
عیاں ہونے لگے آثار ہیبت فوج دشمن میں — بڑھے جب اکبر عالی جناب آہستہ آہستہ
کچھ ایسا بدعتوں نے کر دیا مجبور حضرت کو — اگر آیا بھی تو آیا عتاب آہستہ آہستہ
یہ کہنا مانتا میرا نہیں سمجھا دو تم اس کو — چلا ہے جانب پیری شباب آہستہ آہستہ
یوں ہی اعدا بھی شہ کے مٹتے جاتے ہیں زمانے میں — کہ جیسے اڑتا جاتا ہے خضاب آہستہ آہستہ
سہارا ساقی کوثر ترا ڈھونڈیں گے یہ میکش — ابھی تو بڑھتی جاتی ہے شراب آہستہ آہستہ
جو دیکھا آرہے ہیں تشنہ لب عباس دریا پر — بڑھیں موجیں لئے جام حباب آہستہ آہستہ

عبث ہے اضطراب اتنا فراقیؔ دل میں آئے گا
سرور جام عشق بو تراب آہستہ آہستہ

○

مجرئی ہے ماتم شبیر فرض ہے عزا داروں کو یہ اکسیر فرض
دل رہے روشن ولا کے نور سے مومنو! اس گھر کی ہے تعمیر فرض
سر جھکا یوں ہی رہے پیش حسین ہے یہ تیرا آسمان پیر فرض
شہہ نے اکبر کو پکارا لڑ چکے کر چکی اپنا ادا شمشیر فرض
راہ حق میں رن میں آکر جان دی سمجھا اپنا اصغر بے شیر فرض
بخشدو نانا کی امت کو کہ ہے اے شہہ لولاک کی تصویر فرض
کھنچ کے یوں تیغ علی چلتی رہی ظالموں کے حق میں ہے تعزیر فرض
عمر آخر شہہ کے ماتم میں ہوئی جانتے تھے عابد دلگیر فرض
اے فراقیؔ پایہ آل عبا
سمجھیں گے یہ صاحب تقصیر فرض

○

مجرئی جنت میں یہ آنسو ہمارے جائیں گے ناجیوں میں روز محشر ہم پکارے جائیں گے
ساقی کوثر کا دیکھیں گے رواں بحر کرم امتی پیاسے جو کوثر کے کنارے جائیں گے
ناؤ پر نخوت کی جو صاحب ضلالت ہیں سوار گھاٹ پر شمشیر حیدر کے اتارے جائیں گے
کہتے تھے عون و محمد ماں سے جب تک زندہ ہیں ماموں صاحب پر ہم اپنی جانیں وارے جائیں گے
آتش تیغ علی کو کم نہ سمجھو سر بلند عرش سے اس آگ کے اونچے شرارے جائیں گے
سرکشوں کو دیکھ کر رن میں شجاعت کہتی تھی مارنے آئے ہیں کیا یہ آپ مارے جائیں گے
اے فراقیؔ کیا قلق ہوگا رسول اللہ کو
تشنہ لب جنت میں جب زہرا کے پیارے جائیں گے

جب کوئی حجت نہ باقی رہ گئی شبیر کو — اذن کا بخشا شرف اللہ کی شمشیر کو
وقت رخصت شاہ سے زینب نے یہ رو کر کہا — صبر دے بھائی ترے غم میں خدا ہمشیر کو
چاند سا منہ دیکھتی کی دیکھتی ماں رہ گئی — لے چلے آغوش میں شہہ اصغر بے شیر کو
دست بستہ عرض کرتا تھا یہ حر شبیر سے — بالیقیں مجرم ہوں مولا بخشیے تقصیر کو
تیغ حیدر سے نہ تھی جائے مفر تاب قیام — روتے تھے اہل ستم پھوٹی ہوئی تقدیر کو
کہتے تھے سجاد میں ہوں ورثہ دار شیر حق — ظالمو پہنا دو لائے ہو اگر زنجیر کو
آسماں کو دیکھ کر شاہ دو عالم رہ گئے — حرملہ نے جب چلایا سوئے اصغر تیر کو
ماتم اکبر میں کہتے تھے حرم سر پیٹ کر — گل کیا ہے ہے چراغ تربت شبیر کو
کہتے تھے سجاد ہے میرے لیے عین افتخار — جانتا میراث جد ہوں ظالمو زنجیر کو

اے فراقی کس سے یہ اندھیر دیکھا جائے گا
اہل بدعت یوں ستائیں صاحب تطہیر کو

O

اب ذیل میں فراقی کا غیر مطبوعہ مرثیہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

## مرثیہ فراقی غیر مطبوعہ

رن میں زینب کے پسر آتے ہیں — راحت قلب و جگر آتے ہیں
شان حیدر میں نظر آتے ہیں — دو ہیں لاکھوں میں نڈر آتے ہیں

رعب چھایا ہوا جنگاہ میں ہے
بے دلی لشکر گمراہ میں ہے

ماں کے ماموں کے ہیں پیارے دونوں — لخت دل آنکھوں کے تارے دونوں
ضعف و پیری کے سہارے دونوں — آکے میداں میں پکارے دونوں

پوتے ہم جعفر طیار کے ہیں
بھانجے سید ابرار کے ہیں
جد نبی شاہ نجف ہیں نانا اور نانی ہیں جناب زہرا
مرتبہ اماں کا وہ ہے اعلا مہر کو پاس ادب تھا ان کا
ختم جب تک کہ نہ قرآن ہوا
ہوتا طالع یہ نہ امکان ہوا
شیر مادر کا اثر ہے ہم میں مورچے صاف کریں گے دم میں
شہرہ ہمت کا ہے اک عالم میں نیمچے بھی ہیں غضب دم خم میں
راہ پر آؤ نہ گمراہ بنو
خسرو دین کے ہوا خواہ بنو
دین دنیا کے سنور جائیں گے کام دونوں عالم میں ملے گا آرام
جام کوثر کے تمھیں دیں گے امام ہے وہ انسان کہ ہو نیک انجام
عقل رکھتے ہو تو بدعت چھوڑو
ہے بری راہ ضلالت چھوڑو
جب رجز عون و محمد نے پڑھا کانپ اٹھا خوف سے لشکر سارا
پسر سعد نے بڑھ کر یہ کہا سچ ہے ارشاد جو حضرت نے کیا
ہیں شرف آپ کے روشن ہم پر
رہتا ہے لطف و کرم عالم پر
لائیے شوق سے تشریف ادھر بڑا احسان یہ ہوگا ہم پر
نہیں ہے حکم سے کوئی باہر آپ مختار ہیں تابع لشکر
دولت و ملک و خدم حاضر ہے
سپر و تیغ و علم حاضر ہے
چلیے خیمے میں کہ ہے خوان بچھا پیجئے پانی ہے شیریں ٹھنڈا
بھوک کا پیاس کا غلبہ ہوگا حال پر آپ کے ہے دل کڑھتا

ابھی کیا سن ہیں جواں بھی تو نہیں
خبر سود و زیاں بھی تو نہیں
آپ مجبور ہیں سلطان امم　　تشنگی فاقہ سے ان میں نہیں دم
وہ ابھی ہوں گے تہ تیغ ستم　　بولے یہ سن کے خوزادے اظلم
کر زباں بند نہ کہنا اب کچھ
ماموں صاحب میں ہے قدرت سب کچھ
وہ اگر چاہیں تو برہم ہو جہاں　　چرخ ساکت ہو زمیں ہو گرداں
کفر ایمان کا ڈھونڈے داماں　　رکھیں سر قدموں پہ جن و انساں
بھولا کس زعم میں ہے ہوش میں آ
یوں نہ نخوت سے بہت جوش میں آ
ہمیں دو فوج کو کافی ہیں تری　　دیکھتا کیا ہے چھوٹائی قد کی
دیکھ ہمت کو شجاعت کو شقی　　بچے اس گھر کے ہیں جانباز جری
جان مردی بہ خدا کرتے ہیں
نام کیا نام خدا کرتے ہیں
جب خوزادوں کی سنی یہ تقریر　　دل میں نادم ہوا صاحب تقصیر
ہٹا میداں سے پس پشت شریر　　اضطرابی تھی غضب دامن گیر
نیک و بد سوجھتا زنہار نہ تھا
آپ میں ڈر سے ستمگار نہ تھا
دیکھ کر عون و محمد کا جمال　　کرتے آپس میں ستمگر تھے مقال
واہ کیا قد ہیں کہ طوبیٰ ہو نہال　　نرگسی آنکھیں وہ صدقے ہوں غزال
چشم وابرو کا خوشا عالم ہے
ربط مہر و مہہ نو باہم ہے
دہن پاک پہ ڈالو تو نظر　　نقطۂ صحف خدا ہیں یکسر
ہیں ضیابار جو دانتوں کے گہر　　جلوہ گر ان سے ہیں خورشید و قمر

پھول رخساروں سے شرمندہ ہیں
یہ گل نور ہیں تابندہ ہیں
پلکیں گھر کرتی ہیں دل میں کیا کیا نہیں اچھا یہ سمجھتیں چبھنا
کرتی ہیں پتلیاں بھی یہ ایما شیوہ ہے مہر و مروت اپنا
غیر سجدہ نہیں سر جھکتے ہیں
جس طرف حق ہو ادھر جھکتے ہیں
شانے بازو ہیں دلیری کے نشاں ہاتھ عسرت کے مرض کے درماں
سینے ہیں صاف ہے سینوں سے عیاں پاؤں ہیں رہرو راہ عرفاں
کسی کمریں ہیں ارادوں کی گواہ
نصرت و فتح و مرادوں کی گواہ
کوئی کیا ان سے کرے گا پیکار نیمچے ان کے قیامت آثار
ایک ہیں ان کو یہ پیدل اسوار پیش پائیں گی نہ فوج غدار
ہے ابھی خیر ہوس دور کریں
آپ کے کہنے کو منظور کریں
فوج کی دیکھی جو صورت بدلی ہوا خائف پسر سعد شقی
بڑھ کے سرداروں کو آواز یہ دی نہیں روباہ دلی یہ اچھی
بچوں کے رعب سے مرعوب ہو تم
صف شکن تیغ فگن خوب ہو تم
کیا دلیروں کی یہی ہے رفتار دشمن آئے تو نہ کھینچیں تلوار
باندھے کس واسطے ہیں پھر ہتھیار ہاتھ سے دو نہ حمیت زنہار
حق نمک کا بھی ادا کرنا ہے
خون سلطان ہدا کرنا ہے
نام جد دیکھو مٹاتے کیوں ہو خود کو نظروں سے گراتے کیوں ہو
خوف بے فائدہ کھاتے کیوں ہو فقروں میں بچوں کے آتے کیوں ہو

پاس حاکم کا نہیں کیا دل میں
چھوڑتے ساتھ ہو تم مشکل میں

کام نرمی سے جو ظالم نے لیا     رنگ پھر اہل ستم کا بدلا
ہوئے آمادۂ پیکار و دغا     کھینچ کر آگے بڑھے تیغ جفا
وار ہونے لگے تلواروں کے
لگے تیر آنے خطا کاروں کے

حضرت عون نے بھائی سے کہا     یاد اماں کا کہا تم رکھنا
اوجھل آنکھوں سے نہ ہونا بھیا     پاس ہی دونوں رہیں وقت وغا
ایک کا ایک مدد گار رہے
وقت پڑجائے تو غمخوار رہے

کہکے یہ باگ لی رہواروں کی     دیکھ کر چال ہوئے دنگ شقی
چلنے میں کبک تو اڑنے میں پری     کہتی سرعت ہے زہے تیز روی
سائے سے بچ کے ہوا چلتی ہے
برق غیرت سے الگ جلتی ہے

کیا کیا بھرتے ہیں شرارے گھوڑے     قہر کے شوخ غضب کے سیدھے
وصف کیا کوئی سخنور لکھے     ایک سانچے میں وہ دونوں ہیں ڈھلے
نظر آتا نہیں اک بال کا فرق
آنکھ ناک اور خط وخال کا فرق

آئے اس شان سے زینب کے قمر     رہ گئے سکتے میں ظالم یکسر
میانوں سے نیمچے نکلے باہر     آتش قہر ہوئی شعلہ ور
بھاگو بھاگو کی صدا آنے لگی
موت کی کالی گھٹا چھانے لگی

نیمچہ عون کا چلتا ہے ادھر     نیمچہ چھوٹے کا چلتا ہے اُدھر
ضیق میں پڑگئی جان لشکر     شکل اقامت کی نہ ہے شکل مفر

بچ کے نکلے تو قضا سے نہ بچے
پرسش روز جزا سے نہ بچے

نوکیں وہ تیز روانی میں رواں  نابیں جوہر سے سوا دشمن جاں
نہیں برش کے ہیں جوہر پنہاں  کاٹ کی چالیں ستم کی جھریاں
گھاٹ باڑھ ایسی قیامت ڈھائے
جس کے سر پر پڑے آفت ڈھائے

آڑے ترچھے کی نہیں شرط و جزا  وار خالی نہیں جاتا ان کا
چھٹ گئی ابر صفت فوج جفا  صف یہ بے جاں ہوئی بے سردہ پڑا
زخم کھا کھا کے ہیں گرتے ظالم
قلزم خون میں ہیں ترتے ظالم

نیمچے دونوں یہ ہیں قہر وبلا  لگی لپٹی نہیں رکھتے اصلا
بڑھ کے لیتے ہیں ستمگر کا گلا  کہتے ہیں ظلم کا حال آج کھلا
اجر کردار کا ہاتھ آیا ہے
ستم وجور کا پھل پایا ہے

ایسے ہیبت زدہ ہیں زشت صفات  جز بجا منہ سے نکلتی نہیں بات
لب ہلانے میں ہیں لاکھوں خدشات  نازل اک دم نہ کہیں ہوں آفات
نیمچے موت کی تصویریں ہیں
مصحف جنگ کی تفسیریں ہیں

ان کی استاد ہے تیغ حیدر  جانتے سب ہیں گھرانے کے ہنر
اسلحے ہو نہ سکیں گے سر بر  کند پڑجائیں گے آئے زد پر
چوکتا کب ہے نشانہ ان کا
لوہا مانے ہے زمانہ ان کا

فوج میں تہلکہ ہے ہل چل ہے  نیمجاں کوئی کوئی گھائل ہے
کوئی غش میں ہے کوئی بیکل ہے  تھا جو آخر میں پرا اول ہے

میمنہ میسرہ کا ایک ہے حال
ہے تبہ حال نہیں نیک ہے حال
غل دوہائی کا ہے ہر سمت مچا پیارے جرارو، نہیں امت کیا
دو اماں روک لو ہاتھوں کو ذرا واہ کیا خوب لڑے نام خدا
نہیں بھولے گا تمھارا لڑنا
آگیا یاد علی کا لڑنا
جب یہ آواز سنی زینب نے بیٹوں کو دی یہ صدا گھبرا کے
دودھ بخشوں گی نہ میں اب جو لڑے نیچے میانوں میں رکھ لو اپنے
رحم امت پہ کرو بخشو خطا
دم محبت کا بھرو بخشو خطا
ماں کی آواز جو بیٹوں نے سنی عون سے عرض محمد نے یہ کی
بھائی جاں اماں ہیں کیا فرماتی نہ لڑیں اب یہی ان کی ہے خوشی
شاہد اللہ ہے مجبور ہیں ہم
حکم اماں کا ہے معذور ہیں ہم
سن کے یہ عون نے بھائی سے کہا ماننا فرض ہے حکم اماں کا
کہہ کے یہ دونوں نے کی بند وغا کیا جلادوں نے ہے ہے نرغا
دو پہ لاکھوں نے چلائیں تیغیں
سر سے سینوں میں در آئیں تیغیں
زخم کھا کر گرے گھوڑوں سے وہ ماہ دی صدا اے پسر شیر الہ
آپ کے پیاروں کا ہے حال تباہ نہیں دیتی ہے اجل مہلت آہ
آیئے جلد زیارت کرلیں
گل دیدار سے دامن بھرلیں
بھانجوں کی سنی جس دم آواز دوڑے مقتل کی طرف شاہ حجاز
ساتھ اکبر سا تھا نو بادۂ ناز دل کو تھا یاس و غم و درد سے ساز

کہتے تھے آہ لٹا کیسا میں
منھ دکھاؤں گا بہن کو کیا میں
بن کے بگڑا ہے مقدر افسوس کوہِ غم ٹوٹا ہے مجھ پر افسوس
حشر ڈھاتے ہیں ستمگر افسوس پیش فرقت کا ہے منظر افسوس
گود کے بالے جدا ہوتے ہیں
لعل دو نذر قضا ہوتے ہیں
آئے فریاد جو کرتے سرورؑ دیکھا دم توڑ رہے ہیں دلبر
اور بیتاب ہوا قلب و جگر گر پڑے خاک پہ بس پیٹ کے سر
بولے میں آگیا پیارو اٹھو
ماموں جاں کہہ کے پکارو اٹھو
بھانجوں نے جو سنی شہہ کی صدا چونکے غفلت سے وہ ضرغام وغا
کھول کر آنکھیں یہ حضرت سے کہا فدویوں پر یہ نوازش مولاؑ
ہوگیا مسئلہ حل مشکل کا
مرحلہ بھی ہوا طے منزل کا
عرض ہے ایک یہ ماموں صاحب دیکھ لیں آقا کو حسرت ہے یہ اب
بھانجوں کی سنی گفتار یہ جب اک کو خود لے کے چلے شاہ عرب
دوسرے کو تھے اٹھائے اکبرؑ
اپنے سینے سے لگائے اکبرؑ
پہنچے خیمے میں جو سلطان امم بولے زینبؑ سے بہن لٹ گئے ہم
نہیں اس زخم کا ہے ہے مرہم دیکھ لو بیٹوں کو آکر اک دم
ملنے نانا سے یہ اب جاتے ہیں
کیا دیئے داغ غضب جاتے ہیں
پاس بیٹوں کی جو آئی زینبؑ دونوں نے عرض یہی کی بہ ادب
عرض سے ہے یہ ہمارا مطلب دشمن شاہ ہیں سب اہل غضب

ماموں صاحب پہ بلا آئے نہ پائے
سر پہ شمشیر جفا آنے نہ پائے

کچھ نہ ہم سے ہوئی خدمت شبہ کی ہم کو تو اس کی ندامت ہے بڑی
کہتے کہتے جو یہ آئی ہچکی تن اطہر سے رواں روح ہوئی
کوہ غم ٹوٹ پڑا زینبؑ پر
چھا گیا رنج شہہ یثرب پر

ہوا کہرام حرم میں برپا شور۔ فریاد وفغاں کا اٹھا
دے گئے عونؑ و محمدؑ دھوکا باغ زینبؑ کو اجل نے لوٹا
کرتے ہیں قاسمؑ و اکبرؑ زاری
اور عباسؑ دلاور زاری

بین زینبؑ کے جو حضرت نے سنے رکھ سکے دل پہ نا قابو اپنے
لاشوں کو خیمے سے بس لے کے چلے کہہ کیا اور فراقیؔ آگے
تاب گفتار کی زنہار نہیں
کون مجلس میں گہر بار نہیں

# مرثیہ

داغ حسینؑ میں کیا آب و تاب ہے

''داغ غم حسینؑ میں کیا آب وتاب ہے'' روشن ضیا سے اس کی دل آفتاب ہے
نور اس کا خضرِ منزل راہِ ثواب ہے منظور دیدۂ خلفِ بو تراب ہے
آٹھوں بہشت صدقہ میں اس کے حصول ہیں
رتبہ شناس دونوں علیؑ و رسولؑ ہیں

سرمایۂ نجات دو عالم یہ داغ ہے یہ مومنوں کے خانۂ دل کا چراغ ہے
یہ گمرہان جادۂ دیں کو سراغ ہے سبطِ رسولؐ پاک کے ماتم کا باغ ہے
داغِ گناہ دھوتا ہے اشکوں کے آب سے
کرتا ہے دور فکر جہاں کے عذاب سے

ہے داخلِ ثواب عزاداری حسینؑ امت کا ہے شفیع محمدؐ کا نور عین
فرماتا ہے وہ آپ شہنشاہِ مشرقین مجھ پر بڑا یہ بار ہے امت کا اپنی دین
خالق سے بخشواتا ہے نانا کے سامنے
کوثر کے جام دیتا ہے بابا کے سامنے

کیا ان کو میں ستاؤں مجھے گو ستاتے ہیں پانی کے بدلے تیغ کا پانی پلاتے ہیں
دریا پہ میرے واسطے چوکی بٹھاتے ہیں تعظیم کا خیال نہیں دل میں لاتے ہیں
بچے حرم میں پیاس کی شدت سے روتے ہیں
رِقت اثر نہ ان کے مگر قلب ہوتے ہیں

ہر دم رضا کا اس کی طلب گار ہے حسینؑ محبوب کردگار کا دلدار ہے حسینؑ
شمعِ مزار حیدرؓ کرار ہے حسینؑ جھوٹا نہیں ہے صادق الاقرار ہے حسینؑ
کہہ کر زبان سے یہ مکر جائے وہ نہیں
شکوہ کا حرف لب پہ کبھی لائے وہ نہیں

ہوتی اگر نہ ذاتِ جگر بند مرتضیٰ امت کی آہ کون تھا کشتی کا نا خدا
ظالم جہاں میں رہتا نہ پھر دینِ مصطفیٰ ہوتی نہ استوار یہ اسلام کی بنا
بچپن میں جو کہا تھا وہ کرکے دکھا دیا
راہِ خدا میں جان بھی دی گھر لٹا دیا

امت کے خیر خواہ بڑے ہیں شہہ امم بندہ نوازی آپ کی عالم میں ہے علم
کس بات میں ہیں اپنے گھرانے میں آپ کم ہے وقف بے کسوں کے لیے چشمۂ کرم
امت کا ہو بھلا نہ بھلا ہو حضور کا
رہتا ہے اقتضا یہی طبع غیور کا

حیدرؑ حسنؑ نبیؐ کا ہے سب آپ میں چلن	راحم، خلیق، صاحبِ انصاف، صف شکن
مداح ہیں مروت و بخشش کے مرد و زن	ہے پاک قلب، بغض و عداوت سے بے سخن
آقا سا روزگار میں ہونا محال ہے
جامع صفات، فاتحِ خیبر کا لال ہے

دل میں یہ مومنین کریں غور تو ذرا	کیا کیا اسیرِ غم نہ ہوئے شاہِ کربلا
سید پہ ظلم رکھا ستمگاروں نے روا	کچھ لکھ کے جھوٹی باتیں غریب الوطن کیا
ایسا ہی مہمان سے واجب سلوک تھا
سجدے کا مستحق وہ خنجر ملوک تھا (کذا)

یارب ہیں تیری خلق ایسے بھی مسلمین	دنیا کو جانتے ہیں نہیں جانتے ہیں دین
شبیرؑ کو نہ سمجھے کہ ہے فخرِ عابدین	زہراؑ کی جان اور دل ختم المرسلین
شمشیر پھیری خشک گلے پر بہایا خون
بھائی کا قتل گہہ میں بہن کو دکھایا خون

کیسا اجاڑا گلشن آلِ نبیؐ کو آہ	اک اک نہال چھٹ گیا بے جرم بے گناہ
کچھ ان میں طفل و پیر تھے کچھ نوجوان ماہ	بدعت پہ تھے تلے ہوئے جلاد روسیاہ
ہے ہے نہ پاس حرمت آلِ عباؑ کیا
زہراؑ کی بہوؤں بیٹیوں کو بے ردا کیا

مطلق دلوں میں شرم و حمیت کی بو نہ تھی	نظروں میں قدر و منزلتِ آبرو نہ تھی
انصاف و رحم و مہر و مروت کی خو نہ تھی	جز ظلم و جور فکر نہ تھی، جستجو نہ تھی
دار و رسن کی مانگ تھی سجاد کے لیے
تاکید سخت ہوتی تھی فریاد کے لیے

منھ سے نہ تھا رسولؐ خدا کے انہیں حجاب	آمادہ سب فساد پہ تھے خانماں خراب
ہر لشکری تھا دشمن فرزند بو تراب	اک ایک تھا قساوت قلبی میں انتخاب
جابر تھا، فتنہ دوست تھا، مکار تھا ہر ایک
چالاک، چالباز تھا، عیار تھا ہر ایک

دیتا خدا ہے اوج کمینوں کو بیشتر　　رہتا ہے روزگار میں دو روز کروفر
افسوس سوچتا نہیں غفلت میں یہ بشر　　ہے اپنے اقتدار پہ مغرور کس قدر
وجہ زوال ہوتا ہے صاحب ضلال آپ
ماہ تمام ہوتا ہے گھٹ کر ہلال آپ

بے پردہ اہل بیت کو تا شام لے گئے　　عابدؑ کو پا پیادہ بد انجام لے گئے
آل علیؑ کے سر پئے انعام لے گئے　　پیش یزید فتح کا پیغام لے گئے
آیا نہ رحم موم نہ وہ سنگدل ہوئے
شعلے غضب کے اور بھی کچھ مشتعل ہوئے

عشرہ کے دن حسینؑ پہ کیا وقت تھا پڑا　　ڈالے یہ وقت آہ نہ دشمن پہ بھی خدا
کرتے تھے ایک ایک کو رخصت جدا جدا　　سب گود ہی کے پالے تھے کوئی نہ غیر تھا
قابو میں دل نہ تھا نہ شکیب و قرار تھا
نشتر غم و الم کا کلیجے کے پار تھا

دولھا کے قتل ہونے کا تازہ تھا غم ابھی　　زینب کے دونوں بیٹوں نے جنت کی راہ لی
گرکر قدم پہ عرض علمدار نے یہ کی　　ہو حکم جنگ تلخ ہے اب لطف زندگی
مولاؑ پہ جاں نثار ہو مولا کا جاں نثار
یا قابل دغا بنے آقا کا جاں نثار

رخصت کا نام سنتے ہی گھبرا گئے حسینؑ　　بھائی سے بولے اے پسر فاتح حنینؑ
قوت ہو میرے بازوؤں کی میرے دل کا چین　　جانے دو اہل کفر جو کرتے ہیں شوروشین
بیزار زندگی سے نہیں کیا حسینؑ ہے
دل کو یہ ناگوار نہیں شوروشین ہے

دیکھا ارادہ اور علمدارؑ کا ہے آہ　　مشکل ہے روکنے سے رُکے مرتضیؑ کا ماہ
ناچار دل کو تھام کے بولے جہاں پناہ　　اچھا سدھا رو جنگ کو میری نہیں ہے چاہ
تم سے نہ تھی امید رفاقت کو چھوڑو گے
عباسؑ مجھ سے رشتۂ الفت کو توڑو گے

آخر چلا حرم سے علی کا مہ جبیں ڈیوڑھی تک آئے بھائی کو پہنچانے شاہ دیں
آیا جو رَن میں دہلا فلک' ہل گئی زمیں ہٹنے لگے بڑھے تھے جو میداں میں اہل کیں
آتے ہی حشر تیغ دو سرنے بپا کیا
خم ایک حملے میں سراہل خطا کیا

پہنچا جو نہر پر تو بھری مشک بے خطر کیا دم تھا دم جو مارتے بے دم تھے اہل شر
ساحل تک آگیا تھا ید اللہ کا پسر اتنے میں ظالموں نے لیا گھیر سر بسر
آخر خدا کی راہ میں مردانہ سر دیا
اپنے قدم سے خلد کو ممتاز کر دیا

خیمے میں لائے مشک و علم خسرو جہاں زینب سے بولے پھٹ پڑا مجھ پر تو آسماں
سمجھو بہن مجھے بھی کوئی دم کا میہماں جانا وہیں ضرور ہے عباس ہے جہاں
یہ کہہ کے الوداع کہا اٹھ کھڑے ہوئے
اک بار گرد آپ کے چھوٹے بڑے ہوئے

اکبر یہ حال دیکھ کے مجبور ہوگیا سر بڑھ کے بابا جان کے قدموں پہ رکھ دیا
کی عرض جنگ کی ملے خادم کو اب رضا لڑنے کو باپ جائے نہ فرزند ہو فدا
ہوگا نہ یہ غلام سے آقا کو چھوڑ دے
بیٹا بھی ہے وہ بیٹا کہ بابا کو چھوڑ دے

چپ رہ گئے حسینؑ چلا رَن کو دلربا وا اکبرا کے شور سے گونجا حرم سرا
آتا پئے جہاد ہے اکبرؑ سا مہہ لقا کانپ اٹھا سنتے ہی یہ خبر لشکر جفا
آمد سے نوجواں کی صفیں سب الٹ گئیں
جو گردنیں کھینچی تھیں وہ غیرت سے کٹ گئیں

کیا کیا لڑا نہ فوج سے حضرت کا یادگار کیا کیا ہنر دکھائے نہ ہنگام کارزار
اس کا نہ ایک وار نہ اعدا کے سو ہزار بجلی کی طرح کوندتی تھی تیغ شعلہ بار
آخر اجل نے گود میں اپنی اٹھا لیا
پیارا سمجھ کے سینہ و دل سے لگا لیا

روئے پسر کے غم میں ہوئے بےقرار شاہ　　چلاتے تھے کہ کرگیا بیٹا مجھے تباہ
تجھ سے امید ایسی نہ تھی مجھ کو آہ آہ　　دنیا مری نگاہوں میں اب ہوگئی سیاہ

اکبر ترے فراق نے مارا حسینؑ کو
اب کس کا ہو جہاں میں سہارا حسینؑ کو

آتا ہوں پیچھے پیچھے ترے میں بھی ہاں ٹھہر　　فرما کے یہ حسینؑ جو کہنے لگے کمر
زینبؑ پچھاڑیں کھا رہی تھی غم میں ننگے سر　　بھولی وہ غم، لپٹ گئی بھائی سے دوڑ کر

بولی نہ جانے دوں گی نہ میداں میں آپ کو
بھیا کہاں میں پاؤ گی زنداں میں آپ کو

اکبرؑ کا تھا سہارا سدھارا وہ غم ربا　　اب پنجتن میں آپ کا ہے ایک آسرا
خیمے میں آکے سر سے اتاریں گے جب ردا　　روکے گا کون ظالموں کو ظلم سے بھلا

بیمار اک پسر ہے وہ مجبور آپ ہے
ناطاقتی وضعف سے معذور آپ ہے

رونے لگے بہن کے سخن سے شبہ زمن　　فرمایا کیا کروں کہ ہوں مجبور اے بہن
اماں کا سب ہے تم میں طریقہ روش، چلن　　خالق تمہارا دور کرے گا غم و محن

پیدا کیا ہے اس نے نگہبان ہے وہی
اس پر نگاہ جس کی ہے انسان ہے وہی

جو ہوگا راز مجھ پہ بہن سب ہے آشکار　　تم پر ستم نہ ڈھائیں گے کیا کیا یہ نابکار
لیکن کرے گا سہل مصیبت کو کردگار　　رہتا نہیں ہے ایک سا ہر وقت کاروبار

انساں کو صبرو شکر بہر حال چاہیے
کام آئیں آخرت میں وہ اعمال چاہیے

دیں راستہ یہ اہل ضلالت مجھے اگر　　زینبؑ ہے میرے جی میں کروں ہند کا سفر
رہنے وطن میں چین سے دیں گے نہ اہل شر　　آل رسولؐ سے بدلی ہوئی ان کی ہے نظر

کوشش کروں گا جانتا ہوں سود کچھ نہیں
ہیں ہٹ دھرم سمجھتے یہ مردود کچھ نہیں

گھر بار کی تم آج سے مختار ہو بہن　　مجھ بے کس و غریب کی غم خوار ہو بہن
رکھنا خبر ہر ایک کی ہوشیار ہو بہن　　مانا رضا کے دینے میں ناچار ہو بہن
میری خوشی جو چاہو رضا دو جدال کی
رہ جائے آبرو کہیں زہراؑ کے لال کی

دیکھو نہ آنسو آنکھوں سے تم اس قدر بہاؤ　　کڑھتا ہے میرے دل کو زیادہ نہ اب کڑھاؤ
بانو کدھر ہے اس کو بھی مجھ تک ذرا بلاؤ　　اصغر کہاں ہے اور سکینہؑ کو میری لاؤ
کس حال میں ہے زوجۂ عباسؑ آہ آہ
گہنا گیا شباب (کذا) وہ میرا ماہ ماہ

پھٹتی ہے چھاتی فاطمہ کبرا کو دیکھ کر　　قاسمؑ کے غم نے توڑ دی شبیرؑ کی کمر
بھاوج کے منہ سے مجھ کو خجالت ہے کس قدر　　اٹھارہواں تھا سال ابھی مرگیا پسر
زینبؑ کہوں گا کیا کہو بانو کے سامنے
ایسا نہ ہو لگے وہ کلیجے کو تھامنے

کہتے تھے یہ حسینؑ بہن سے ابھی ادھر　　اتنے میں آتی دختر کسریٰ پڑی نظر
تھی گود میں لیے ہوئے اصغرؑ کو نوحہ گر　　آنکھیں جھکا کے رہ گئے جب شاہ بحر و بر
بانو نے آ کے بوسہ دیا پائے پاک کو
پھر نذر میں دکھایا دلِ درد ناک کو

واقف جو تھے حضور کلیجے کے درد سے　　بانو کے حال زار پر آنسو ٹپک پڑے
تلقین کے کلام کئے کچھ حضور نے　　بولے جہاد کے لیے جانا ہے اب مجھے
ملنا تھا تم سے مل لئے ارماں نکل گیا
صاحب مری حیات کا نقشہ بدل گیا

سجاد سے بھی کچھ مجھے کہنا ہے ہے کہاں؟　　کہتے ہوئے یہ پہنچے وہیں بیٹا تھا جہاں
مجرے کو بابا جان کے اٹھا وہ ناتواں　　دے کر دعا پسر کو یہ بولے شہہ جہاں
چھٹتا ہے تجھ سے تیرا پدر کیا رضا تری
اللہ رَد کرے گا مصیبت بلا تری

آمادۂ فساد ہیں سب اہل روم وشام　　بڑھ بڑھ کے شور کرتے ہیں کھینچے ہوئے حسام
خیمے تک آ گئے ہیں بد انجام زشت کام　　ان کی شرارتوں سے ہے مجبور اب امام
تم کام لینا صبر سے بیٹا امام ہو
فرزند مرتضیٰ کے مدار المہام ہو

فرما کے یہ حسینؑ نے کچھ کان میں کہا　　رقت ہوئی پسر کو یہ سنبھلا نہیں گیا
بستر پہ فرط ضعف ونقاہت سے گر پڑا　　بولا پدر سے پھر وہ مریض غم و بلا
بعد آپ کے جیا بھی تو کیا زندگی مری
حضرت کے کام آئی نہ کچھ بندگی مری

گھر بار کا نہ بار اٹھے گا کہ زار ہوں　　حضرت پر آشکار ہے بے اختیار ہوں
عمو کا اور بھائیوں کا سوگوار ہوں　　ہر وقت غش میں رہتا ہوں کب ہوشیار ہوں
مجھ کو مرض سے شکوہ ہے تقدیر سے گلہ
طاقت مری کروں شہہ دلگیر سے گلہ؟

سن کر سخن پسر کے بھر آیا دل پدر　　سجاد کو لگا لیا سینے سے سر بسر
روتے ہوئے وہاں سے چلے شاہِ بحروبر　　تھے ساتھ ساتھ اہل حرم سب برہنہ سر
بانوؑ کے دل کو شاق تھا شوہر سے چھوٹنا
اس غم میں بھولی آہ وہ اکبرؑ سے چھوٹنا

پاس ادب سے کہہ نہ سکی کچھ وہ دل فگار　　روتی تھی اور دل میں یہ کہتی تھی بار بار
وارث کے آگے مجھ کو اٹھا لے جو کردگار　　آئے نہ حرف مہر ومحبت پہ زینہار
آفت بڑی رنڈاپا ہے عورت کے واسطے
کیا کیا نہ رنج سہتی ہے عصمت کے واسطے

وارث اگر ہے سر پہ تو کیا رنج کیا ہے غم　　ہمشکل مصطفیٰؐ سا پسر ہے رہ عدم
کیا کیجیے کہ سبط نبیؐ سے چھٹیں نہ ہم　　ثابت قدم ہیں قول پر اپنے شہہ امم
اچھا خوشی جو ان کی وہ میری خوشی رہی
اب کچھ بھی ہو صلاح مناسب یہی رہی

شبہؑ سے لپٹ کے کہنے لگی یہ سکینہؑ جان　　بابا کہا تھا آپ نے جو میں ہوں میہمان
مطلب نہ اس کا سمجھی تھی میں کیجیے بیان　　قابو میں میرا دل ہے نہ کہنے میں ہے زبان

ننھا سا دل کلیجے میں ہلتا ہے دیکھ لو
کیسا یہ غنچہ ہے نہیں کھلتا ہے دیکھ لو

ہوں ہاتھ جوڑتی مجھے تنہا نہ چھوڑنا　　سیلی لگائیں گے مجھے یہ بانی جفا
جھیلوں گی ان کی گھڑکیوں کو آہ میں بلا　　اب تک تو مشک بھر کے بھی آئے نہیں چچا

پوچھے گا کون مجھ کو سدھارے اگر حضور
کردیں یہ ملتوی جو ہے عزم سفر حضور

بھیا کو تم کہاں لیے جاتے ہو میں نثار　　منہ اس کا منہ سے میرے ملاؤ کروں میں پیار
میں بھی چلوں گی ساتھ نہ مانوں گی زینہار　　چھوٹی نہیں ہوں بھیا سے اے شا نامدار

اماں پھوپھی کے رونے کا آخر سبب ہے کیا
وہ کون سا ہے داغ وہ قہر و غضب ہے کیا

بابا بغیر آپ کے چین آئے گا مجھے　　غم کھاؤں گی میں کیا بھلا غم کھائے گا مجھے
ہے کون جب میں روٹھوں گی سمجھائے گا مجھے　　پوری کرے گا ضد میری بہلائے گا مجھے

بابا ابھی نہ جایئے تھم جایئے ذرا
چھاتی پہ کس کے سوؤں گی فرمایئے ذرا

شاہ آبدیدہ ہوگئے بیٹی کی باتوں سے　　گودی میں لے کے پیار سے منہ چومنے لگے
فرمایا جھوٹا سمجھو سکینہؑ نہ تم مجھے　　واپس ابھی میں آتا ہوں تم رہنا سامنے

کچھ ظالموں سے کہنا ہے میں کہہ کے آتا ہوں
پانی بھی میں تمہارے لیے ساتھ لاتا ہوں

سمجھا کے یہ سکینہؑ کو زینبؑ پہ کی نظر　　دیکھا کہ وہ سکوت میں ہے کچھ نہیں خبر
شانہ ہلا کے کہنے لگے شاہ بحروبر　　میں جا رہا ہوں شور مچاتے ہیں اہل شر

زینبؑ تمہارا حال ابھی سے خراب ہے
آنکھوں کے سامنے خلف بو تراب ہے

زینبؑ جواب دینے نہ پائی تھی ایک بار آپہنچے صحن خیمہ میں پیکان شعلہ بار
نکلا حرم سے شیر الٰہی کا یاد گار ڈیوڑھی تک آئیں بی بیاں رخصت کو اشکبار
گھوڑے پہ جب سوار علی کا نشاں ہوا
اقبال ہمرکاب شہہ دو جہاں ہوا

اعدا میں غل اٹھا کہ خبردار ہوشیار لو آتا ہے وہ لڑنے کو حیدرؑ کا گلعذار
جس کو مقابلے کی نہ ہو تاب زینہار رکھے قدم نہ دشت وغا میں وہ شہسوار
میداں میں بڑھ کے مردوں کو ہٹنا نہ چاہیے
کہہ کر زباں سے بات پلٹنا نہ چاہیے

یہ ذکر تھا کہ آگیا شیر خدا کا لال طاری دلوں پہ ہوگیا شبیرؑ کا جلال
ایک ایک کانپنے لگا ہیبت سے بدخصال تیغیں کشیدہ ہوگئیں ڈھالیں ہوئیں نڈھال
تیروں کی آب جاتی رہی نیزے جھک گئے
گھوڑے قدم اٹھاکے روانی سے رک گئے

پھیلا جو نور چہرۂ انور کا چار سو روشن ہوا وہ دشت بڑھی قدر آبرو
چمکا کچھ اور چرخ پہ خورشید زرد رو حیرت میں ایک بار ہوئے سارے جنگجو
آیا نظر وہ جلوہ کہ تاب نظر نہ تھی
کیا ان کی آنکھیں کھلتیں کہ چشم بصر نہ تھی

آنکھوں میں قہر اور ترحم کی ہے نظر ابرو دکھا رہے ہیں خمِ خنجر دو سر
بنی بتا رہی ہے میں ہوں رایت ظفر کہتے ہیں دانت مومنوں کے دل کے ہیں گہر
اظہار جسم حسن کی تنویر کرتا ہے
قد قامت الصلوٰۃ کی تفسیر کرتا ہے

گویا ہے عضو عضوِ جگر بند مرتضیٰ سمجھو مجھے تم آیتیں اے بندۂ خدا
بشرہ بتا رہا ہے کہ امت کا ہو بھلا دیتی زبان اپنی صداقت کا ہے پتا
ہاتھوں کو فکر داد و دہش بار بار ہے
قدموں سے صاف راست روی آشکار ہے

مداح شاہ دیں ہوا اک ایک اہل کیں کہنے لگا کہ ہوگا نہ شبیر سا حسیں
جان و دل علی و نبیؐ ہیں شبہ زمیں چہرے سے آشکار جلالت ہے بالیقیں
ناچار ہم ہیں حکم سے حاکم کے کیا کریں
ہتھیار کھول ڈالیں کہ شہہ سے وغا کریں

دیکھا جو ابن سعد ستمگر نے ایک بار لشکر کے پہلوانوں میں پھیلا ہے انتشار
ہوتے بیاں میں وصف شہنشاہِ ذی وقار آکر جناح فوج میں بولا جفا شعار
اے سرکشان شام یہ وقت مصاف ہے
کرنا نہ پاس حق نمک کا خلاف ہے

کیا ہے بساط ابن علی کی لڑیں تو آج کھل جائے گا ابھی انہیں تیغیں کھنچیں تو آج
لاکھوں سے ہے مقابلہ شمشیر لیں تو آج کس بل پہ ہیں وہ بھولے ہوئے جان دیں تو آج
قتل ان کو کرکے کھولنا کمریں کسی ہوئیں
تلواریں زہر میں ہیں تمہاری بجھی ہوئیں

ظالم یہ کہہ رہا تھا کہ شہہ جھپٹے مثل شیر نعرہ کیا کہ تیری یہ طاقت کرے جو زیر
چمکی جو ذوالفقار تو ہوں گے سروں کے ڈھیر جانیں کریں گے نذر تری فوج کے دلیر
پھولا ہوا ہے اپنی تو کثرت پہ اے لعیں
تیری نہیں نگاہِ حقیقت پہ اے لعیں

کافر نہیں میں کیا پسر ضیغم الٰہ کہتے نہیں ہیں احمدؐ مرسل کا مجھ کو آہ
نانا کی کیا نہیں ہوں میں امت کا خیر خواہ کیا میں نہیں ہوں منزل ایماں کا خضر راہ
میں جانشین شاہ رسالت مآب ہوں
ایمان کے میں عرش کا آج آفتاب ہوں

کس کے پدر کا کعبہ ہے مولد خیال کر دیکھا تھا کس کا نور محمدؐ نے عرش پر
بیرالعلم میں کود گیا کون بے خطر چیرا ہے کس نے مہد میں اژدر کا دل جگر
اس کا حسینؑ کون ہے نور نظر نہیں
آرام جان کا نہیں لخت جگر نہیں

رکھتا روا ہے ظلم نبیؐ زادہ پر لعیں　　محروم عقل سے ہے خیال اس کا کچھ نہیں
مرتے ہیں چھوٹے چھوٹے مرے بچے مہ جبیں　　پانی کیا ہے بند یہ ہے مجھ سے بغض دکیں
یہ کس کی ماں کے مہر میں نہر فرات ہے
قابض ہے جس پہ قبضہ ترا بد صفات ہے

قرآن میں کیا ہے مرتبہ آل رسولؐ کا　　نادان بے وقوف سمجھتا نہیں ہے کیا
ہلتا چنور ہے سر پہ ترے چتر ہے لگا　　خدام ہیں جلو میں سواروں کا ہے پرا
کثرت پہ اپنی پھولا ہے، حسرت کو دیکھ تو
اندھی نہ ہوں جو آنکھیں حقیقت کو دیکھ تو

چاہوں جو میں تو ہو تیرا لشکر ابھی تباہ　　وہ تند باد قہر چلے رن میں روسیاہ
یہ کوہ قد دلیروں کے اڑ جائیں مثل کاہ　　ممکن نہیں ہوا میں ملے گوشۂ پناہ
بھڑکے جو آگ تیغ کی جل جائیں گے یہ سب
نخوت کے بل سروں کے نکل جائیں گے یہ سب

کرکے قبول دین نبیؐ آل سے عناد　　مظلوم کو ستاتا ہے او بانی فساد
دے راستہ کہ ہند کو جائے یہ نامراد　　آباد کیا ہے رحم دلوں سے وہ خوش سواد
رکھتے ہیں مثل جان کے مہماں کو اہل ہند
دیتے جگہ ہیں صاحب ایماں کو اہل ہند

سفاک سے جو یوں کیے شبیرؑ نے کلام　　بولا یہ سن کے مکر و ریا سے وہ زشت کام
تسلیم ہے جو آپ نے فرمایا لا کلام　　منظور ہے مگر مجھے قتل شہہ انام
آب و طعام دوں گا نہ جانے کی راہ میں
واقف نہیں ہوں رحم و مروت سے آہ میں

یہ کہہ کے ابن سعد نے پھیری جو ہیں نگاہ　　حضرت پہ کھل گیا وہیں منشائے روسیاہ
تلواریں کھینچ کھینچ کے بڑھنے لگی سپاہ　　تیروں کا وار کرنے لگے صاحب گناہ
آئی ندا فلک سے علم ذوالفقار کر
شبیرؑ میری راہ میں تو نثار کر

ناچار حکم سے ہوا امت کا پیشوا　　سر کو جھکا کے ہاتھ میں لی تیغ شعلہ زا
نکلی جو تیغ میان سے انداز تھا نیا　　جس طرح تیر شعلہ ہوائی سے ہو جدا
پہنچی جو عرش پر تو شرارے نکل پڑے
گرمی سے مہر چرخ کی تارے نکل پڑے

خورشید کی نظر سے جو دیکھا سوئے جنود　　سائے کی جستجو میں پریشان ہوئے حسود
آتے نظر، نظر کو تھے سب آتشیں جنود　　روئیں تنوں کی کاہ کے مانند تھی نمود
اللہ ری شرارہ فشانی حسام کی
جاتی تھیں مثل شمع جلی فوجیں شام کی

کھنچ کھنچ کے سرکشوں پہ گراتی تھی برق قہر　　تھا دھار میں ملا ہوا اس کی غضب کا زہر
دریا صفت روان تھی روانی کی اس کی نہر　　تھے عالم سکوت میں بُرش سے اہل دہر
نابوں سے باب راہ عدم تھا کھلا ہوا
پڑتا تھا ہاتھ ابن علیؑ کا تلا ہوا

گرتا تھا ایک ایک پہ لشکر میں تھی یہ بھاگ　　تیغ جہاں پناہ کی بھڑکی ہوئی تھی آگ
بھولا ہوا تھا ظلم شعاروں کو رنگ و راگ　　اڑتے نہ سر تھے اڑتے تھے مینائے تن کے کاگ
نکلی تھی بوئے بادۂ خوں سیر جنگ کو
کرتی سپاہ مست تھی اہل خدنگ کو

پیش نگاہ جو تھا وہ نظروں میں تھا تلا　　اک اک دل کا راز تھا اس تیغ پر کھلا
وہ منہ تھا کون اس کے نہ پانی سے جو دھلا　　کہتی قضا تھی جلد اسے تو اری سُلا
تقدیر کو یہ رویا ہے آرام تو ملے
اے ذوالفقار ثمرۂ انجام تو ملے

پھرتی تھی وہ جو دشمن اعداء اِدھر اُدھر　　بادل سانس کا رعب تھا چھایا اِدھر اُدھر
بڑھ بڑھ کے فوج ہوتی تھی پسپا اِدھر اُدھر　　کٹ کٹ کے تن سے گرتے تھے اعضا اِدھر اُدھر
ہل چل مچی ہوئی تھی غضب انتشار تھا
ایک ایک شہسوار کا سینہ فگار تھا

جب باگ اٹھا کے بڑھتے تھے شاہنشہ امم — کیا کیا ترارے بھرتا تھا شبدیز برق دم
تھے دنگ اس کی چال سے سب بانیٔ ستم — کہتے تھے چال میں نہیں بادِ صبا سے کم
جھونکے کی طرح آیا ابھی وہ چلا گیا
سرعت کا اپنی سکہ دلوں میں بٹھا گیا

رہوار کے اشارہ پر آقا کے تھی نظر — دل سے رضائے شاہ کا طالب تھا خوش سیر
پھرتا تھا جھوم جھوم کے کیسا اِدھر اُدھر — جاتا تھا نیزہ داروں میں مانند شیر نر
آمد سے اس کی آتی قیامت تھی فوج میں
اک فکر و انتشار کی صورت تھی فوج میں

کرتے ہیں تیر سر جو ادھر سے جفا شعار — دیتی جواب اِدھر سے ہے حضرت کی ذوالفقار
شہہ تک نہ آئے پاتے ہیں پیکان شعلہ بار — بڑھتی غضب میں ہے یہ سر انداز ایک بار
لٹھے کی طرح چیرتی ہے تیر تیر کو
اپنا ہنر دکھاتی ہے اک اک شریر کو

واقف فنون جنگ سے ہے ذوالفقار شاہ — مہلت نہ اس سے پائیں گے کفار روسیاہ
بھولے ہیں کس غرور میں ہو جائیں گے تباہ — دشمن تو آپ ان کی خودی ہے خدا گواہ
غیرت انھیں جو ہوتی تو کٹ جاتے آپ ہی
ہٹ پر کمر جو باندھی ہے ہٹ جاتے آپ ہی

تھی آسماں سے حشر اٹھانے میں کم نہ تیغ — خاموش جان دیتے تھے بے دین بے دریغ
اڈے اگرچہ تیروں کے تھے اس طرف سے میغ — تھی ان کی چیر پھاڑ میں غافل نہ شہہ کی تیغ
دو ایک کو تو دو سے کیا چار کاٹ سے
بڑھنے دیا نہ ایک قدم اپنے گھاٹ سے

جب اس طرح تباہ ہوا لشکر جفا — گھبرا کے ابن سعد نے فرمان دے دیا
لو گھیر، جانے پائیں نہ سلطان کربلا — اتنے میں آسمان سے پھر آئی یہ صدا
شاباش شیر حق کے پسر واہ کیا لڑا
اس بھوک اور پیاس میں واللہ کیا لڑا

اب ہاتھ اپنا روک لے امت کے خیر خواہ ورنہ ترے غضب سے یہ ہو جائیں گے تباہ
سنتے ہی شہہ نے میان میں کی تیغ بے پناہ گرد آ گئی حسینؑ کے بھاگی ہوئی سپاہ
ہونے لگیں جفائیں شہہ خاص و عام پر
ہرسُو سے تیر آنے لگے بس امام پر

کھا کھا کے زخم شکر خدا کرتے تھے حسینؑ امت کی بہتری کی دعا کرتے تھے حسینؑ
حق پاک باطنی کا ادا کرتے تھے حسینؑ فریاد کرتے تھے نہ بکا کرتے تھے حسینؑ
حضرت کی تھی نگاہ رضائے قدیر پر
عقدہ کھلا ہوا تھا شہہ بے نظیر پر

ہاں اس قدر ضرور دل پاک کو تھا غم آگے بہن کے سر نہ مرا ہو کہیں قلم
دیکھے سکینہ مجھ کو نہ اللہ مرتے دم بیٹا ہے درد مند نہ بے پردہ ہوں حرم
کیا وقت تھا وہ سید بے کس پر آہ آہ
تھا دشمنوں کے نرغے میں عالم پناہ آہ

اتنے میں آئی کان میں رونے کی کچھ صدا دیکھا نظر اٹھا کے تو سلطان دوسرا
بولے یہ شمر سے کہ لعیں کاٹ لے گلا آتی بہن ہے روتی ہوئی وہ غضب ہوا
فریاد وہ کرے گی تو ہل جائیں گے فلک
طبقوں سے سب زمین کے مل جائیں گے فلک

کہنے لگا یہ سن کے ستمگر حضور سے میں تو کروں گا قتل بہن ہی کے سامنے
لینا بھی اس کے سر سے ابھی ہے روا مجھے کس کو یہاں خیال ہے کہنے کا آپ کے
زینبؑ کا پاس اگر ہے تو کیوں ٹوکتے نہیں
آتی ہے ننگے سر وہ چلی روکتے نہیں

ناچار آہ شاہ تھے غم کھا کے رہ گئے حجت تمام کرنا تھا فرما کے رہ گئے
آنکھوں میں اشک رنج والم لا کے رہ گئے بے اختیاری اپنی وہ دکھلا کے رہ گئے
صابر یہ تھے زبان پر ان کی گلا نہ تھا
کیا اقتدار ورنہ خدا سے ملا نہ تھا

شمشیر لے کے ہاتھ میں آیا وہ نابکار — رکھا قدم کو سینہ اُقدس پر ایک بار
پیاسا تھا خون سبط پیمبرؐ کا بد شعار — پھیری گلوئے خشک پہ صمصام آبدار

ہے ہے تن حسینؑ سے سر کو جدا کیا
ہے ہے نہ دل میں خوف رسول خدا کیا

آنسو بہاؤ مومنو پیٹو فغاں کرو — آقا تمہارا مرگیا حیدرؑ کو پرسا دو
مجلس میں آئے ہو تو شریک ثواب ہو — روح نبیؐ کے ساتھ شریک الم رہو

بیٹے کے غم میں آئے نجف سے ہیں مرتضیٰ
چھاتی کو پیٹ پیٹ کے روتے ہیں مرتضیٰؑ

بھائی کے غم میں پیٹتی زینبؑ ہے سینہ سر — بانو کی بار بار سوئے عرش ہے نظر
کہتی سکینہؑ ہے ہوئی لوگو میں بے پدر — رانڈیں پچھاڑیں کھاتی ہیں آنکھیں ہیں ان کی تر

عابدؑ کو بابا جان کے مرنے کا رنج ہے
چشمہ رواں ہے چشموں سے لب نالہ سنج ہے

بس آگے اب نہ لکھو فراقیؔ بیان غم — سب مومنوں کی آنکھیں ہیں اشکِ الم سے نم
اس مرثیے کا دیں گے صلہ سید امم — ہوگا خدا کا سر پہ ترے سایۂ کرم

اہل سخن سے پائے گا داد اس کلام کی
دے گی نجات فکروں سے مدحت امام کی

○○○

# صابرؔ شکوہ آبادی

صابرؔ، شکوہ آباد کے ڈگری کالج میں شعبہ انگریزی کے پروفیسر تھے اور چند سال پہلے ملازمت سے سبکدوش ہوگئے ہیں۔ اردو مرثیہ کے ایک قادر الکلام شاعر ہیں۔ میں نے ان کے کچھ مرثیوں کا مطالعہ کیا اور ان کی زبان کی سادگی، روانی اور شگفتگی پسند آئی۔ وہ غزلیں بھی خوب کہتے ہیں۔ کچھ غزلیں (غیر مطبوعہ) ان کی میرے پاس ہیں۔ اس صنف میں بھی وہ مہارت رکھتے ہیں۔ انشاء اللہ کسی فرصت کے وقت ان کی غزلوں کا انتخاب شائع کروں گا۔

صابر سے میرا غائبانہ تعارف ۱۹۸۵ء میں ہوا۔ اس زمانے میں وہ کالج کے نظم ونسق اور درس وتدریس کے کاموں میں بے حد مصروف رہتے تھے۔ مجھے ان کا کلام خاص کر مرثیے کہیں نہیں مل رہے تھے۔ میں نے ان کی طرف رجوع کیا تو انھوں نے نہ صرف چند مرثیے ارسال کیے بلکہ اپنے خود نوشت حالات بھی میری ہی درخواست پر بالاقساط اپنی تصویر کے ساتھ روانہ کیے۔ مورخہ ۱۰ر فروری ۱۹۸۵ء کے خط میں لکھتے ہیں:

> ''خدا کا شکر ہے کہ ''غم معلی'' کے ذریعے بہت ہی اہم شخصیتوں سے میرا تعارف ہوگیا۔ شاید یہ بھی مداحی حسین کا صلہ ہے۔''

## حالات زندگی

نام یوگیندر پال تخلص صابرؔ۔ تاریخ پیدائش ۴ر جولائی ۱۹۲۵ء وطن موضع برئی ضلع فرخ آباد (یو۔پی) والد مرحوم چودھری شیامل سنگھ صاحب، والدۂ مرحومہ شریمتی جمنا دیوی۔ تعلیم: ایم۔اے (انگریزی) لکھنؤ یونیورسٹی۔ ستمبر ۱۹۴۷ء میں اے کے کالج شکوہ آباد ضلع مین پوری

(یو۔پی) میں انگریزی کا لکچرر مقرر ہو گیا تھا اور آج تک وہیں کام کر رہا ہوں۔ ۳۰ر جولائی ۱۹۸۵ء کو ریٹائر ہو جاؤں گا۔ پھر جو خدا کو منظور ہوگا وہ ہوگا۔ محلّہ کھترانہ میں ایک کرایے کے مکان میں رہتا ہوں۔ میری بیوی شریمتی مہامایہ دیوی اس زمانے کی یادگار ہیں جب لڑکیوں کے گھر سے باہر نکلنے سے باپ کی ناک کٹ جاتی تھی۔ ہمارے دو بچے ہیں۔ بڑی بیٹی شریمتی وندنا۔ وہ ایم۔اے، بی۔ایڈ ہیں۔ جنوری ۱۹۸۱ء میں اس کی شادی کر دی تھی۔ بیٹا امریش کمار چھوٹا ہے۔ بی۔اے کر چکا ہے۔

میری گھریلو زندگی معمولی ہے۔ تھوڑی سی خوشی، زیادہ غم ہے۔ زندگی میں اپنے تخلص سے بہت بڑا فائدہ اٹھانا پڑا۔ میری ایک غزل کا مقطع ہے۔

مجھ کو قسمت سے کسی بات کا شکوہ بھی نہیں جو کچھ اللہ نے بخشا ہے بہت ہے صابر

"غم معلیٰ" کی اشاعت کے بعد میں نے بہت سے مرثیے، سلام اور قطعات کہے ہیں۔ اگر وہ تمام کلام جمع کیا جائے تو غم معلیٰ سے کئی گنا بڑی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ اس کی فوٹو اسٹیٹ کاپی تیار کرانا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ کچھ مرثیوں کی مختصر تفصیلات لکھ رہا ہوں۔

(۱) ایک بہت طویل مرثیہ حضرت امام حسین کی شان میں ہے۔ میں نے اس میں حضرت امام حسین کا ایک خطبہ نظم کیا ہے جو حضرت کی زبان سے ہی ہے اور خطاب فوج یزید سے ہے۔ اس مرثیے کی تکنیک پرانے رسمی و رواجی مراثی سے بالکل مختلف اور بالکل جدید ہے۔

(۲) دوسرا طویل مرثیہ ہے جو حضرت کی شہادت کے بعد واقعات پر مبنی ہے۔ تاراجی خیام، اسیری اہل بیت وغیرہ۔ اس میں حضرت زینب کی زبانی دربار یزید میں ایک خطبہ نظم کیا ہے۔ اس کی ایک بیت یہ ہے۔

آج تک خلق نے باہر نہیں دیکھا ہم کو
چاند تاروں نے کھلے سر نہیں دیکھا ہم کو

(۳) ایک مرثیہ حضرت عون و محمد کی شان میں ہے۔ مگر اس کی ابتدا حضرت زینب کی تعریف سے کی ہے۔ پہلا بند یہ ہے:

عصمت و عفت و توقیر مجسم زینب گلشن حیدر کرار کی شبنم زینب
کار شبیر کی حامی معظم زینب راہ اسلام میں قربانی پیہم زینب
حق عطا قطرے کو کرسکتا ہے دریا ہونا
ورنہ آسان نہیں ثانی زہرا ہونا

(۴) ایک مرثیہ حضرت علی اصغر کی شان میں ہے

بے یارو مددگار شہہ کون و مکاں ہیں ہیں اکبر نو عمر نہ عباس جواں ہیں

(۵) ایک مرثیہ حضرت سجاد اور اہل بیت کے زندان شام سے رہا ہوکر مدینہ آنے کے متعلق ہے۔ اس میں واقعات کربلا کا بیاں حضرت زینب کی زبانی جناب سیدہ فاطمہ زہراؑ کی قبر پر ہے۔ پہلا بند۔

شام سے چھٹ کے مدینے شہ بیمار آئے رنج و آلام زدہ زیست سے بیزار آئے
جب نظر شہر نبی کے درو دیوار آئے یاد سب بھائی چچا یار مددگار آئے
حزن آتا تھا کبھی دل میں عتاب آتا تھا
خود جو زندہ تھے تو حضرت کو حجاب آتا تھا

اسی مرثیے میں حضرت زینب جناب سیدہ کی قبر پر تمام واقعات کربلا بیان کرتی ہیں۔

ع اور امت نے نواسے کو کفن بھی نہ دیا

ایک بند۔

کربلا جلوہ گہہ شان خدا تھی بی بی کربلا احمد مرسل کی دعا تھی بی بی
کربلا منزل تسلیم و رضا تھی بی بی کربلا منظر معراج وفا تھی بی بی
عرش تک دین کی ہر جلوہ گری جاتی تھی
زندگی رقص میں تھی موت مری جاتی تھی

سلام اور نوحے اتنے کہے ہیں کہ ان کا شمار بھی یاد نہیں ہے۔ حضرت امام حسینؑ اور واقعات کربلا میرے دل و دماغ میں اس قدر بس گئے ہیں کہ میری غزلوں میں بھی ان کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار میری غزلوں کے ہیں مگر ان میں آپ کو کربلا نظر آجائے گی۔

حق پرستوں کے جو ہیں نیزوں پہ سر کیا کیجیے      اس شجر کا ہے یہی تلخ ثمر کیا کیجیے

○

پاؤں میں بیڑیاں تھیں رسن ہاتھ میں      پھر بھی گا کر چلے مسکرا کر چلے
زندگی یاد رکھنا ہمیں دیر تک      ہر طرح ہم ترا حق ادا کر چلے

○

موت افواج لے کے آتی ہے      دوسری سمت زندگی تنہا

ایک غزل کا مطلع ہے

ترا خیال مصائب کے درمیاں آیا      بہت عزیز و دل افروز میہماں آیا

اس کے دو شعر سنیے

گیا تھا درس محبت جو دہر کو دینے      بلا و کرب سے لٹ کر وہ کارواں آیا
کبھی صلیب کبھی دوش پر لئے کملی      اسی زمیں پہ کئی بار آسماں آیا

شکوہ آباد میں میری سب سے بڑی مصیبت ہے ذہنی تنہائی۔ یہاں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو صبح اردو بولتا، لکھتا یا پڑھتا ہو۔ آخر آدمی تنہا کب تک زندہ رہے۔ آپ لکھنؤ میں رہتے ہیں۔ میرے اس دکھ درد کو سمجھ سکتے۔ میرا مجموعہ کلام ''احساس صلیب'' اتر پردیش اردو اکادمی سے شائع ہو رہا ہے۔

نیاز مند: یوگیندر پال صابر

دوسرے خط میں مورخہ ۱۸ مارچ ۱۹۸۵ء میں میرے سوالوں کے جواب میں لکھتے ہیں:

(۱) ''میں ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ بچپن ہی سے گاؤں کے 'لوک گیت' دل پر اثر کرتے تھے۔ ضلع اسکول فرخ آباد سے ہائی اسکول کیا۔ وہاں کچھ اردو دان لوگوں سے ملاقات ہوئی۔ کورس میں جو غزلیں نظمیں وغیرہ تھیں انھیں پڑھتا تھا اور ان سے متاثر ہوتا تھا۔ پھر خود بھی ٹوٹے پھوٹے شعر کہنے لگا۔ انٹرمیڈیٹ اور بی۔اے کانپور سے کیا۔ یہاں بہت سے شعراء سے ملاقات ہوئی۔ شوق بڑھا۔ اردو ادب کا مطالعہ کثرت سے کیا۔ شعر کے نوک پلک سمجھنے لگا اور خود شعر کہنے لگا۔ ایم اے لکھنؤ یونیورسٹی سے کیا۔ اس وقت تک میں تقریباً مکمل اردو ادب دیکھ چکا تھا اور خود بھی ہر صنف سخن میں شعر کہنے لگا تھا۔ جب شعر

کہنا شروع کیا تھا تو میری عمر چودہ پندرہ سال کی ہوگی۔''

(۲) استاد اور ماحول

۱۹۴۷ء میں ایم۔اے کیا۔اسی سال اے۔کے کالج میں انگریزی کا لکچرر مقرر ہوا۔ یہ میری بھرپور جوانی کا زمانہ تھا۔شعر گوئی کا شوق اپنے شباب پر تھا۔ مشاعروں میں بکثرت شرکت کرتا تھا۔اس وقت تک میرا کوئی استاد نہیں تھا۔ ۱۹۵۵ء یا ۱۹۵۷ء میں ایک مشاعرے میں حضرت مولانا ابرار احسنی گنوری مرحوم و مغفور سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے میری بڑی ہمت افزائی فرمائی اور بڑی شفقت سے معائب و محاسن سمجھائے۔ میں ان سے مشورہ کرتا رہا اور میں نے فن عروض و زبان کے متعلق بہت کچھ سیکھا۔ میں انھیں کلام دکھاتا تھا۔مگر صرف یہ جاننے کے لیے کہ کوئی غلطی تو نہ رہ گئی۔ پھر خود ہی درست کرتا تھا۔وہ میری اس بات کو پسند فرماتے تھے۔۱۹۷۳ء میں ان کا انتقال ہوگیا۔ ۹ر نومبر کو ان کی برسی ہوتی ہے۔ میں بہت دنوں وہاں حاضر ہوتا رہا مگر اب سفر کرنے سے ڈرتا ہوں۔ اس لیے کئی سال سے نہیں جاسکا۔

میرے والد مرحوم (چودھری شیامل سنگھ) زمیندار تھے۔ اردو بہت اچھی طرح جانتے تھے۔اپنا سب کام اردو میں ہی کرتے تھے۔لیکن گھر کا ماحول ادبی یا شاعرانہ نہیں تھا۔

(۳) میں نے پہلا مرثیہ ۱۹۴۵ء میں کہا تھا۔تب سے برابر مرثیہ کہتا ہوں۔اس کے اسباب صرف یہ ہیں کہ میں حضرت امام حسینؑ کو بے حد محبت کرتا ہوں۔مرثیہ گوئی میں میرے استاد میر انیسؔ ہیں۔یا ان کا کلام۔ کیونکہ میں نے میر انیس کو کبھی نہیں دیکھا۔

(۴) مجالس پڑھنے میں ہندو شعراء یا شیعہ حضرات کا کیا مختلف ڈھنگ ہوتا ہے؟ میں مجلسوں میں مرثیہ پڑھتا ہوں۔مجلس میں ہندو، شیعہ، سنّی ہر مذہب کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔اب سے ۳۸ سال پہلے شکوہ آباد میں آیا تھا یہاں بہت پڑھے لکھے شیعہ حضرات تھے۔ اب کوئی نہیں ہے۔شیعہ تو ہیں مگر پڑھے لکھے تو نہیں ہیں۔محرم ایک رسم ہے جو ادا ہوتی ہے۔

ایک مکمل مرثیہ لکھ کر لفافے میں بھیجنا مشکل ہے۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ شکوہ آباد میں ایک شخص بھی نہیں ہے جو صحیح اردو لکھنا جانتا ہو۔ میں طویل مرثیہ نقل نہیں کرسکتا۔کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آپ دو دن کے لیے شکوہ آباد چلے آئیں۔آپ سے ملاقات ہوجائے گی

اور آپ کو ہزاروں نہیں لاکھوں باتیں ایسی معلوم ہو جائیں گی جنھیں خط میں لکھنا ممکن نہیں ہے۔

سلام اور قطعات بہت کہے ہیں۔ انھیں بھی لکھنا مشکل ہے۔ خیر چند اشعار لکھ رہا ہوں۔

تیر و شمشیر نہیں نقش و نگار اسلام — صبر شبیر میں ہے اصل وقار اسلام
دوش احمد کی سواری کا عوض شہ نے دیا — اپنے کاندھے پہ اٹھائے رہے بار اسلام

○

خوشبوئے حسین آنے لگی باد صبا سے — آنسو جو بہے دیدۂ نم ہوگیا تازہ
پھر جلوہ کیا ماہ محرم نے فلک پر — پھر حضرت شبیر کا غم ہوگیا تازہ

رخ شبیر کی شمع حسیں کے — زہے قسمت کہ پروانے ہوئے ہم
ہوا ہم سے یہی اک عقل کا کام — کہ ان کے غم میں دیوانے ہوئے ہم
سنیں گے لوگ ماجرائے حسین (کذا؟) — فضا میں چیخا کریں گے ہمیشہ ہائے حسین
ہر ایک آب کا قطرہ ہے العطش کی صدا — ہر ایک گرم زمیں پر ہے نقش پائے حسین

آپ کا سوال ہے کہ میں حسینیت سے کیسے ''مرعوب و متاثر'' ہوگیا ہوں۔ اس کا جواب صرف یہی ہے کہ ''غم معلیٰ'' آپ کے پاس ہے۔ اس کا دیباچہ جو میرا ہی لکھا ہوا ہے اور اس کا عنوان ہے ''التماس مصنف'' اسے آپ غور سے پڑھ لیجیے۔ بس یہ سمجھ لیجیے کہ حضرت امام حسین کی محبت میرے لیے شیکسپیئر کے الفاظ میں

*The businem of my soul*

نیاز مند: یوگیندر پال صابر

صابر رسول کو اقوام عالم میں امن کا پیغمبر سمجھتے ہیں۔ انھیں رسول اور آل رسول سے اتنی ہی عقیدت تھی جتنی کہ ایک سچے مسلمان کو ہوتی ہے۔ انھوں نے واقعہ کربلا کا مطالعہ بڑی گہرائی کے ساتھ کیا تھا۔ اور قدرت نے ان کے دل کو شہادت حسین کی روشنی اور اس کے اثرات سے منور کیا تھا۔ غم معلیٰ میں لکھتے ہیں:

''میں اس دین کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتا جو لوگوں کو باپ دادا سے وراثت میں ملتا ہے۔ مذہب جس کا تعلق دل ودماغ اور روح سے ہے ایسی چیز یں نہیں جسے کوئی کسی کو دیدے یا جو کسی کو بغیر تلاش وسعی مل جائے۔ میرا یقین وعمل یہ ہے کہ مذہب کے معاملے میں آدمی کو مطالعہ ومشاہدہ اور عقل سے کام لینا چاہیے اور سوچ سمجھ کر اپنے لیے اصول زندگی مرتب کرنا چاہیے۔ باپ سے ملا ہوا مذہب صرف ایک رسمی چیز ہے جس کی اہمیت کسی حد تک سماجی تو ہے بھی لیکن روحانی قطعی نہیں اور اس میں ایک شدید عیب یہ بھی کہ یہ آدمی کو تعصب میں بُری طرح مبتلا کر دیتا ہے۔ آج کی دنیا میں جو آپ دیکھتے ہیں کہ قریب قریب ہر مذہب کی جڑیں کھوکھلی ہوگئی ہیں۔ ہمارے یقین وعمل سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں رہا ہے اور بعض رسمی طریقے سے برائے نام مذہب کو مانتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ میرا یقین ہے کہ دنیا کی عظیم ترین اور دور ساز شخصیتیں کسی خاص گروہ مذہب یا ملک میں مقید نہیں ہیں۔ میں نے چند سال پہلے حضرت پیغمبر اسلام کی شان میں ایک قطعہ عرض کیا تھا۔ معلوم نہیں مسلمان حضرات اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ حالانکہ بات انہی کی کہی ہوئی ہے۔

مظہر حسن ذات ہیں احمدؐ      رحمت پر حیات ہیں احمدؐ
اپنے اور غیر میں نہیں تفریق      سرور کائنات ہیں احمدؐ

ایک دوسرے موقع پر ایک نظم میں حضرت رسولؐ خدا کی شان میں عرض کیا تھا۔

تجھ پر مرمٹنے کا حق ہے ہر دل بے تاب کو
کون کہہ سکتا ہے ''اپنا'' مہر عالم تاب کو

اب حضرت امام حسین اور واقعات کربلا پر غور کیجیے۔ یہاں یہ خیال آئے گا کہ اہل دنیا کا مجموعی حافظہ نہایت کمزور ہوتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے سیاسی، سماجی اور اقتصادی واقعات اور انقلابات اور ان سے متعلق اشخاص چند سال میں ذہن عالم سے غائب ہو جاتے ہیں۔ دور نہ جائیے بیسویں صدی ہی کے واقعات کو لیجیے۔ دو عالمگیر جنگیں ہوئیں۔ روس کا انقلاب ہوا اور ابھی ہمارے آپ کے سامنے کی بات ہے کہ ہندوستان غلامی سے آزاد ہوا ۔ تقسیم ہوا۔ فسادات ہوئے۔ چین نے ہند پر حملہ کیا۔ ہندوستان اور پاکستان میں تصادم

ہوا۔ اپنے اپنے وقت میں یہ باتیں بے حد اہم معلوم ہوتی تھیں لیکن آج! آج دوسرے ہی مسائل درپیش ہیں اور انھیں کوئی یاد بھی نہیں کرتا۔ اسی طرح ان واقعات سے متعلق جو اشخاص تھے انھیں بھی دنیا اگر بالکل نہیں تو ایک بڑی حد تک بھول چکی ہے۔ اب ذرا سوچیے کہ حضرت امام حسین کی شخصیت اور واقعات کربلا میں ایسی کیا کشش ہے کہ آج لگ بھگ تیرہ سو سال بعد بھی ہر بات بالکل تازہ اور زندہ معلوم ہوتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ مختلف قسم کے واقعات کی اہمیت بھی مختلف ہوتی ہے۔ کچھ واقعات کی اہمیت مادی ہوتی ہے۔ وہ مادہ کے مزاج کے مطابق بہت جلد اپنی شکل بدل لیتے ہیں اور ان کی پہلی اہمیت ختم ہوجاتی ہے۔ اس کے برعکس روحانی اہمیت رکھنے والے واقعات صدیوں میں رونما ہوتے ہیں اور ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ واقعہ کربلا دنیا کے عظیم ترین واقعات میں سے ایک ہے۔

اگر آپ یہ یقین رکھتے ہیں کہ تاریخ عالم میں واقعہ طلوع اسلام اور حضرت پیغمبر اسلامؐ اس کے مستحق ہیں کہ دنیا کا ہر انسان اپنی روحانی بہتری کے لیے ان کی طرف متوجہ ہو اور ان سے متاثر، تو آپ کو یہ یقین بھی کرنا پڑے گا کہ دنیا کا ہر ہوشمند اور حساس آدمی کا یہ اخلاقی اور روحانی فرض ہے کہ وہ انسانیت کے اس محسن عظیم حسین ابن علی اور ان کی عظیم الشان قربانی کے واقعہ پر غور کرے اور اس سے اثر قبول کرے۔"

صابرؔ اردو کے اعلیٰ پائے کے شاعر ہیں۔ ان کے کلام میں پختگی پائی جاتی ہے۔ افسوس ہے کہ زمانہ ایسے گوشہ نشین قادر الکلام شعراء کو ابھرنے نہیں دیتا ہے۔ آل رسول کی مدح کرنا انھوں نے اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا ہے۔ واقعہ کربلا نے انھیں اتنا مرعوب و متاثر کیا کہ غزلوں میں بھی خون حسین کی چھینٹیں نظر آتی ہیں۔ انھوں نے قطعات اور سلام بھی کہے ہیں۔ ذیل میں چند قطعات درج کیے جاتے ہیں۔

بہائے ہیں مری آنکھوں نے آنسو — مژہ کی نوک پر دل کا لہو ہے
کرو ذکر حسین اللہ کہہ کر — کہ میری چشم پر نم باوضو ہے

○

ہے یہ اعجاز حسینی کہ ابھی تک صابر — ذکر میں ان کے لطافت بھی ہے تاثیر بھی ہے

جادوئے وقت نہیں نور خدا پر چلتا
مثل شبیر دوامی غم شبیر بھی ہے

یہ نام سن کے کہا کربلا کا زینب نے
بلا و کرب اسی دشت کے مکیں تو نہیں
جہاں حسین سے زینب کا ساتھ چھوٹے گا
خدا نہ کردہ کہیں یہ وہی زمیں تو نہیں

کہا حسین نے عباس جب ہوئے مغموم
کرو نہ غم کہ متاع وفا نہ کھوؤ گے
جو چاہتے ہو وہی ہوگا کیوں پریشاں ہو
تمھیں کو روئیں گے ہم تم ہمیں نہ روؤ گے

ہنگام عصر فوج عدو میں ہوا جو شور
زینب کے سر سے خیمے میں چادر اتر پڑی
نکلیں حرم سے دیکھنے شبیر کو مگر
اب یہ نہ پوچھو نیزے پہ کیا شے نظر پڑی

## سلام

نسل آدم کا بڑھا آپ سے رتبا شبیر
آپ نے رکھ لیا ہر قوم کا پردا شبیر
آپ سے ہار گئے مرگ و مصائب دونوں
فاتح کرب و بلا موت کے آقا شبیر
کام جو حضرت آدم سے ہوا احمد تک
اس کی تکمیل بنا آپ کا سجدا شبیر
آپ نے ورثے میں اخلاق محمدؐ پایا
زور بازوئے علی آپ کو پہنچا شبیر
آ گئی اصل میں تہذیب نظارہ اس کو
جس نے بھی دیکھ لیا آپ کو جلوا شبیر
ساتھ ہی رکھئے گا صابرؔ کو بروز محشر
مرے آقا میرے سرور میرے مولا شبیرؑ

## سلام

جب ذکر حسین آجاتا تھا شبیر کو حیدر روتے تھے
ہنگام عبادت راتوں کو اس غم میں پیمبرؐ روتے تھے

کس شے کے بنے ہیں دل ان کے روتے جو نہیں سرور کے لیے
جب قتل ہوئے تھے شاہ زماں سنتے ہیں کہ پتھر روتے تھے

یوں تو کل قیدی خاک بسر فریاد و فغاں کرتے تھے مگر
جب حضرت زینب روتی تھیں خود نیزے پہ سرور روتے تھے

کل رات تھا عالم بزم عزا تھا ذکر شہید کرب و بلا
روتے تھے زمیں پر غنچہ و گل افلاک پہ اختر روتے تھے

ایام محرم میں صابر کچھ ایسے بھی تھے رونے والے
جو دور نگاہ عالم سے شبیر کو چھپ کر روتے تھے

○

## سلام

زیر فلک کہیں بھی نہ ایسی جفا ہوئی — ہمشیر پردہ پوش جہاں بے ردا ہوئی
شور فغاں سے ایک قیامت بپا ہوئی — بھائی سے جب بہن سر مقتل جدا ہوئی
منہ میں دبائے مشک، علمدار جب گرا — قدموں پہ بار بار تصدق وفا ہوئی
خوں اس پہ جب بہا ہے شہ مشرقین کا — یہ خاک جاکے تب کہیں خاک شفا ہوئی

صابر ہے عمل آدم و حوا کی آبرو
وہ اک نماز جو تہہ خنجر ادا ہوئی

○

## سلام

بتا اے کربلا عباس اور اکبر پہ کیا گزری — پھر ان کے بعد اکیلے میں شبہ بے پر پہ کیا گزری
ہوا جو ظلم شبہ پر وہ تو دیکھا چشم عالم نے — مگر یہ تو کہو اس غم میں پیغمبر پہ کیا گزری
شہادت پا کے سلطان زمن تو سو گئے رن میں — برادر سے جدا ہو کر مگر خواہر پہ کیا گزری
سوا نیزے پہ گویا آ گیا تھا آفتاب اس دن — بغیر آب گرمی میں علی اصغر پہ کیا گزری
جنھوں نے خواہش دنیا میں سر شبیر کا کاٹا — ذرا سوچو کہ اندھے طالبان زر پہ کیا گزری
کسی اولاد والے کے دل بیتاب سے پوچھو — جواں جو مر گئے اکبر سے شبہ مضطر پہ کیا گزری

وقار آدمیت سے نہ کیوں معمور ہو وہ دل
جسے معلوم صابر شبہ بے سر پہ کیا گزری

صابر کے مرثیے نادر نایاب ہیں۔ مجھے ان کے ''غم معلیٰ'' کا ایک نسخہ جناب سید محمد خورشید صاحب کے کتاب خانے میں ملا۔ اسے پڑھ کر میں اتنا متاثر ہوا کہ مصنف سے رابطہ قائم کرنے لگا۔ یہ کتاب آج سے ۲۵ سال قبل ۱۳۸۸ھ محرم میں امامیہ مشن لکھنؤ کی طرف سے شائع ہوئی تھی۔ ایک مرثیہ ہے ''شب عاشور'' کے عنوان سے۔ اس کے چند بند یہ ہیں۔

صحرائے کربلا میں جو آئی نویں کی شام — فوج یزید نے کیا جنگل میں ازدھام
تھے مضطرب کمال شہنشاہ تشنہ کام — مایوسیوں میں ڈوبی ہوئی تھی فضا تمام
ارض و سما کے غم سے کلیجے دو نیم تھے
بیوہ تھی شام چرخ کے تارے یتیم تھے

تھا خیمہ حسین میں ہر سو غم و ملال — شہزادیوں نے کھول دیے تھے سروں کے بال
ہر ایک کی زبان پر پانی کا تھا سوال — تھا پیاس سے سکینہ و اصغر کا غیر حال
مرقد میں ہل رہا تھا کلیجہ رسولؐ کا
مرجھا رہا تھا دھوپ سے گلشن بتول کا

ایک مرثیے کا عنوان ہے ''شہادت شب'' اس میں علی اکبر کی شہادت بیان کی گئی ہے۔ مطلع اور مقطع یہ ہیں:

مشہور جہاں ہے علی اکبر کی جوانی　　شبیر کی جاں اور پیمبر کی نشانی
تھا چہرۂ اکبر کہ شب ماہ سہانی　　کہتے تھے انھیں اہل جہاں یوسف ثانی
صناعی خلاق کا جلوہ علی اکبر
گلزار علی کا گل رعنا علی اکبر

مقطع:

شہہ خیمہ میں لے آئے جگر بند کا لاشا　　فریاد وفغاں سے ہوا اک حشر سا برپا
اب وقت ہے خود رخصت سلطان زمن کا　　خاموش ہو صابر کہ سخن کا نہیں یارا
ہر رنج و الم میں تجھے امداد ملے گی
خود فاطمہ زہرا سے تجھے داد ملے گی

آخر میں ان کا ایک مرثیہ درج کیا جاتا ہے۔ اس کا عنوان ہے ''معراج وفا'' یہ جناب عباس کے حال کا ہے۔

مطلع ہے　ع　:　پیکر خوبی وتہذیب وحیا تھے عباس

# مرثیہ

پیکر خوبی و تہذیب و حیا تھے عباس　　قبلہ و کعبہ ارباب وفا تھے عباس
شان وشوکت میں شہہ عقدہ کشا تھے عباس　　قوت بازوئے سرور بخدا تھے عباس
ناز جو لوگ وفا کرنے پہ فرماتے ہیں
پہلے عباس کے قدموں کی قسم کھاتے ہیں
روئے عباس رخ ماہ منور کی طرح　　مرد میدان دغا فاتح خیبر کی طرح
علم واخلاق ومروت میں پیمبرؐ کی طرح　　بھوک اور پیاس میں صابر شہہ بے سر کی طرح
ایک گنجینۂ اوصاف تھا سینہ کیا تھا
جنتِ روح تھا سقائے سکینہ کیا تھا
باغ شبہ میں صفت سرو رواں تھے عباسؑ　　ہمت وعزم میں اک کوہ گراں تھے عباسؑ

منتخب لاکھ جوانوں میں جواں تھے عباسؑ　　شہ کو اکبرؑ کی طرح راحت جاں تھے عباسؑ

دل سے عباسؑ تھے راضی برضائے شبیرؑ
لاکھ جانیں ہوں تو ہر جاں فدائے شبیرؑ

نام شبیرؑ سے وابستہ ہے نام عباسؑ　　بعد شبیرؑ اگر ہے تو مقام عباسؑ
منزل اصحاب محبت کی ہے گام عباسؑ　　نغمۂ روح محبت ہے کلام عباسؑ

کام عباسؑ کا گمنام نہیں ہوسکتا
عشقِ صادق اجل انجام نہیں ہوسکتا

شہ کے جب ترک وطن کرنے کا ہنگام آیا　　نام ان کے لکھے تھے ساتھ سفر میں جن کا
شہ کو معلوم تھی ہوتی تھی جہاں جو ایذا　　بولے زینبؑ سے کہ ہمراہ ہے تم کو چلنا

ساتھ عمامۂ محبوب خدا بھی رکھ لو
اپنے سامان میں تم اک اور ردا بھی رکھ لو

یہ خبر حضرت عباسؑ نے جس وقت سنی　　پاس سرورؑ کے ادب سے گئے اور بات کہی
سنتا ہوں آپ کو درپیش سفر ہے کوئی　　کیا نہیں ہے مری تقدیر میں یہ ہم سفری

آپ چھوڑیں گے تو دنیا سے گزر جاؤں گا
آپ کے ہجر میں سرکار میں مرجاؤں گا

ڈال کر ہاتھ گلے میں شہِ عالم نے کہا　　بھیا عباس یہ کیا کہتے ہو کس نے چھوڑا
تم نہ ہوگے تو بھلا کون ہمارا ہوگا　　اس سفر کا تمہیں انجام بتائیں ہم کیا

خیر خود سختیِٔ حالات سمجھ جاؤ گے
وقت آنے پہ ہر اک بات سمجھ جاؤ گے

جاؤ سامانِ سفر جا کے مہیا کرلو　　جتنے انصار ہیں ان سب کو اکٹھا کرلو
اونٹوں گھوڑوں کو جنہیں چلنا ہے یکجا کرلو　　پردہ داروں کے لیے اونٹوں پہ پردا کرلو

بیٹھ کر گھوڑوں پہ تم اور علیؑ اکبر چلنا
محمل زینبؑ ذی شاں کے برابر چلنا

سخت گرمی ہے کڑی دھوپ ہے لو چلتی ہے　　دست افسوس گلستاں میں صبا ملتی ہے

آسماں آگ سے جلتا ہے زمیں جلتی ہے		دو پہر کوہ گراں بار ہے کب ڈھلتی ہے
سایہ ہے اور نہ آب آہ بڑی مشکل ہے
ننھے بچے بھی ہیں ہمراہ بڑی مشکل ہے

یہ خبر سن کے ہوئے اہل مدینہ مضطر		لوگ آنے لگے روتے ہوئے شہہ کے در پر
عورتیں کہتی تھیں زینبؑ سے یہ بادیدۂ تر		پیش خیمہ ہے الم کا شہہ دیں کا یہ سفر
شہہ سے تھی بعد علیؑ تاب جگر اے بی بی
کون اب لے گا یتیموں کی خبر اے بی بی

صبح سے لوگ تھے خاموش وملول وگریاں		جمع تھے در پہ شہنشاہ کے سب پیرو جواں
کوچے سنسان تھے بازار تھے ہر سو ویراں		غیر آباد تھیں سب شہر نبیؐ کی گلیاں
ہجر آتا تھا کہ شب رنگ بلا آتی تھی
در و دیوار سے رونے کی صدا آتی تھی

قافلہ شاہ کا اس طرح مدینے سے چلا		خاک پر گرم سفر کہکشاں تھی گویا
کی نواسے کے لیے روح پیمبرؐ نے دعا		ساتھ بیٹے کی چلی روح جناب زہراؑ
یوں شہہ جن و بشر اپنے وطن سے نکلے
فصل گل روٹھ کے جس طرح چمن سے نکلے

پہلے کعبے گئے گھر چھوڑ کے شاہِ عادل		تھے وہاں پہلے سے موجود یزیدی قاتل
شہہ کو حج کرنا بھی اپنا نظر آیا مشکل		حرمت کعبہ سے بھی تھے وہ ستمگر غافل
دشمنی میں حد ایماں سے گزر سکتے تھے
قتل شبیرؑ کو کعبے میں بھی کر سکتے تھے

شاہ نے کعبے کو چھوڑا بہ غم ورنج والم		دشت در دشت سفر کرتے تھے شاہِ عالم
کربلا پہنچے تو خود رک گئے گھوڑے کے قدم		شہہ نے فرمایا کہ لو آگئے منزل پر ہم
فکر بیکار ہے ہرگز نہ قدم اٹھیں گے
اب قیامت میں اسی دشت سے ہم اٹھیں گے

حکم شبیرؑ سے عباسؑ نے خیمے لگوائے		اونٹوں سے اہل حرم خیموں کے اندر آئے

شام اور کوفے کے دل دشت بلا میں چھائے ہر طرف کانپے غم موت کے مبہم سائے
وہ ہوا ظلم کہ جس کا کہیں ثانی نہ ملا
ساتویں سے شہہؑ مظلوم کو پانی نہ ملا

روز عاشور محرم تھا کہ روز محشر ہوگیا قتل شہنشاہ کا سارا لشکر
ہوئے شبیرؑ کے بچوں کے مگر ہونٹ نہ تر بولے عباسؑ جری تب بحضور سرورؑ
دیجئے اذن کہ جاؤں سوئے دریا مولا
دیکھا جاتا نہیں بچوں کا تڑپنا مولا

سن کے یہ شاہِ زمن بحر الم میں ڈوبے سامنے آنکھوں کے ماضی کے نظارے آئے
دیکھا حضرتؑ نے کہ عباسؑ ہیں چھوٹے بچے مادر حضرت عباس کے یہ لفظ سنے
لشکر اسلام کا جب دشت میں مہماں ہوگا
تم پہ اے لال مرا لاڈلا قرباں ہوگا

آیا پھر سامنے نظروں کے شباب عباسؑ شوکت وحسن طرحدارِ جناب عباسؑ
تھا نہ دنیا کے جوانوں میں جواب عباسؑ تھا قمر اہل مدینہ میں خطاب عباسؑ
کہتے تھے خامۂ قدرت کی روانی دیکھی
ہم نے عباسؑ میں حیدرؑ کی جوانی دیکھی

خواب سے چونک کے عباسؑ سے حضرتؑ نے کہا کیا کہا اذنِ وغا چاہئے تم کو بھیا
ہم سمجھتے ہیں جو انجام ہے اس کا ہونا لیکن اللہ کی مرضی پہ ہے قابو کس کا
تم سے بے مثل برادر کو یہاں کھونا ہے
مجھ کو اس آب کی قیمت میں لہو ہونا ہے

جاؤ اب خیمے میں بچوں سے بھی جا کر مل آؤ دل تڑپتا ہے مرے سامنے آنسو نہ بہاؤ
جاؤ پانی کے لیے برچھیاں تن پر کھاؤ ہم بھی کچھ دیر میں آتے ہیں وہیں تم بھی جاؤ
طاقتِ قلب بھی آرام جگر بھی قرباں
تم بھی قربان رہ حق میں پسر بھی قرباں

حکم شبیرؑ سے خیمے میں گئے جب عباسؑ زوجۂ حضرتِ عباس بہ غیرت گئیں پاس

بولیں کس بات کا یہ آپ کو اب ہے وسواس　　آپ کے چہرۂ انور پہ یہ کیسی ہے ہراس

راز اپنا نہ کوئی مجھ سے چھپاؤ صاحب

کچھ خطا مجھ سے ہوئی ہو تو بتاؤ صاحب

بولے عباس کہ تم دیکھ رہی ہو خود بھی　　ظلم کرنے پہ کمر باندھے ہے یہ فوج شقی

میرے ہوتے ہوئے حضرت پہ جفا ہے کیسی　　تین دن سے نہیں بچوں نے بھی پایا پانی

پیاس سے پھرتی ہے بیتاب سکینہؑ صاحب

آرہا ہے مری غیرت کو پسینہ صاحب

مجھ کو رخصت کرو صاحب کہ میں پانی لاؤں　　یہ دعا مانگو کہ دریا سے پلٹ کر آؤں

کوئی پیاسا نہ مرے تیر بھلے میں کھاؤں　　سرخرو تا کہ میں دربار نبیؐ میں جاؤں

آج اگر مجھ کو بچاؤ گے تو پچھتاؤ گی

روح زہراؑ سے بہت حشر میں شرماؤ گی

بولیں وہ خون جگر آنکھوں میں بھر کر یارب　　میرا وارث رہے قائم مرے سر پر یارب

دفن مجھ کو کریں عباسؑ دلاور یارب　　بیوگی ہو نہ کسی کا بھی مقدر یارب

چاہتی ہوں کہ بھرم میری وفا کا رہ جائے

سامنے آپ کے مرجاؤں تو پردہ رہ جائے

آپ کی راہ میں لیکن نہ بنوں گی کانٹا　　آپ کا حکم اگر ہے تو رہوں گی زندہ

قید میں جاؤں گی ہر ایک سہوں گی ایذا　　وہ تو ہوکر ہی رہے گا کہ جو ہونا ہوگا

ساتھ صاحب سے مرا آج چھٹا جاتا ہے

مرے مالک مرا اقبال لٹا جاتا ہے

خیمۂ شاہ سے عباس دلاور نکلے　　سر جھکائے ہوئے بعد آپ کے اکبر نکلے

دیکھ کر دونوں کو رشک شبہ صفدر نکلے　　پھر یہ الفاظ ذرا دیر ٹھہر کر نکلے

غیظ کرنے کا نہیں آج زمانا بھائی

لے کے تم نہر سے پانی پلٹ آنا بھائی

بیٹھے اس شان و تجمل سے فرس پر عباسؑ　　دیکھنے والے یہ سمجھے کہ ہیں حیدرؑ عباسؑ

ابن حیدرؑ شہہ بے کس کے برادر عباسؑ  تھے اکیلے تھے مگر فوج سے بڑھ کر عباسؑ
دوش پر مشک و علم ہاتھ میں تلوار لیے
زور حیدرؑ جگر جعفر طیار لیے

پہنچا دریا کے کنارے جو علمدارؑ امام  آیا یکبار امنڈتا ہوا کل لشکر شام
دیکھ کر چہرۂ عباسؑ پہ رعب اسلام  ہوگئے محو کسی کو نہ رہا ہوش حسام
سامنے حسن کے رک جاتا ہے انسان جیسے
حکم عیسیٰ سے ٹھہر جاتا ہے طوفاں جیسے

بولے عباسؑ کہ اے لوگو یہ کیا ٹھانی ہے  پاس دریا ہے بڑی آب کی ارزانی ہے
بند کیوں حضرت شبیرؑ پہ یہ پانی ہے  اے مسلمانو! یہی غیرت ایمانی ہے
یوں تو فرزندِ نبیؐ صابر و شاکر ہیں حسینؑ
غیر کچھ بھی نہ سہی ایک مسافر ہیں حسینؑ

لکھ کے خط شہہ کو مدینے سے بلایا تم نے  آگئے جب تو بیاباں میں ستایا تم نے
ظلم کرتے ہو مگر یہ نہ بتایا تم نے  شاہ یثرب میں کوئی عیب بھی پایا تم نے
گھر سے پیغمبرؐ برحق کے عداوت کیا ہے
تم کو شبیرؑ سے اے لوگوں شکایت کیا ہے

ہوئی سرزد جو کوئی ان سے خطا ہو تو بتاؤ  رہ صادق سے کبھی پاؤں ہٹا ہو تو بتاؤ
ان سے نقصان کسی کا بھی ہوا ہو تو بتاؤ  زیست ان کی نہ اگر جو دو سخا ہو تو بتاؤ
حق کہو اپنی شفاعت جو تمہیں پیاری ہے
حق کا اظہار نہ کرنا بھی گنہگاری ہے

لوگو! آگاہ رہو ابن پیمبر ہیں حسینؑ  حرف قرآں کی طرح پاک و مطہر ہیں حسینؑ
عرش اعظم کے تقدس میں برابر ہیں حسینؑ  بعد محبوب خدا خلق کے رہبر ہیں حسینؑ
مژدۂ راحت فردوس ہے الفت ان کی
ہے وہ خوش بخت جو کرتا ہے اطاعت ان کی

خاطیوں کے لیے امید شفاعت ہیں حسینؑ  اہل عالم کے لیے آیۂ رحمت ہیں حسینؑ

آج دنیا میں نگہبان رسالت ہیں حسینؑ　　کفر کی رات میں خورشید ہدایت ہیں حسینؑ

وہ جو مل جائیں تو کونین کی دولت مل جائے

سایۂ دامن شبیرؑ میں جنت مل جائے

تین دن سے شہہ ناشاد جگر پیاسے ہیں　　بیٹیاں پیاسی ہیں حیدرؑ کے پسر پیاسے ہیں

پیاسے حیوان کہیں ہیں نہ بشر پیاسے ہیں　　ننھے بچے بھی شہہ دیں کے مگر پیاسے ہیں

پانی لے جانے دو اب مجھ کو نہ تاخیر کرو

صرف تم لوگ یہی خدمت شبیرؑ کرو

سن کے تقریر علمدارؑ کی ظالم کانپے　　رحم وانصاف کے سوئے ہوئے جذبے جاگے

دیکھ کر رنگ کہا شمر نے یہ چلا کر کے　　دیکھتے کیا ہو کھڑے بزدلو مارو نیزے

رحم اس وقت گراں سخت پڑے گا تم کو

حاکم کوفہ تہہ تیغ کرے گا تم کو

سن کے یہ بات عقب سے وہ ستمگر آئے　　دور سے تیر تو نزدیک سے خنجر آئے

چند گمراہوں کے پھینکے ہوئے پتھر آئے　　غیظ میں حضرت عباسؑ دلاور آئے

بولے باقی ہی نہیں دین کی دولت تم میں

تم مجھے روک سکو یہ نہیں ہمت تم میں

پہنچے عباسؑ یہ فرما کے قریب دریا　　داخل آب ہوا زین تک ان کا گھوڑا

بولے گھوڑے سے کہ تو پی لے بہت ہے پیاسا　　ہنہنایا تو مگر گھوڑے نے پانی نہ پیا

بھوکا پیاسا رہے گھوڑا تو یہ جس کس کا ہے

کیوں نہ ہو ایسا وفادار فرس کس کا ہے

مشک پانی سے بھری پشتِ فرس سے جھک کر　　گھر گئے فوج میں دریا سے جو نکلے باہر

سامنے آنکھوں کے تھی تشنہ لبیٔ سرورؑ　　مشک پر ڈھال رکھی تیر لیے سینے پر

جان کی فکر نہ پھر صحت سینہ دیکھی

سامنے چشم تصور سے سکینہ دیکھی

وار تیغوں سے کیے ہاتھوں پہ پھر اعدا نے　　کٹ گئے حضرت عباسؑ کے دونوں شانے

مشک پر تیر مسلسل وہ لگے برسانے ہوگئے تھے وہ درندوں کی طرح دیوانے
ضرب سے گرز گراں بار کی عباس گرے
اسپ کی پشت سے بھی مشک ہی کے پاس گرے

خاک سے حضرت عباس پکارے سرورؑ آیئے جلد کہ درپیش ہے اب مجھ کو سفر
کاٹ لے فوج جفا کار کہیں میرا نہ سر چاہتا ہوں نہ مروں دید کی حسرت لے کر
نور ہی نور مرے چار طرف ہو مولا
پھر عطا مجھ کو زیارت کا شرف ہو مولا

خیمے کے در سے تڑپتے ہوئے سرور دوڑے ہاتھ شبیرؑ کا تھامے علی اکبر دوڑے
گر پڑے شاہ تو پھر خاک سے اٹھ کر دوڑے ہو کمر ٹوٹی ہوئی جس کی وہ کیونکر دوڑے
پہنچے مقتل میں تو چلائے کہاں ہو عباسؑ
پھر صدا دو مجھے پھر مجھ کو پکارو عباس

پاس عباسؑ کے شبیرؑ کو لائے اکبرؑ گر پڑے خاک پہ بھائی کے برابر سرور
دیکھے بازو تو لگا تیر سا اک سینے پر اپنے زانو پہ رکھا شاہ نے عباس کا سر
پھر کہا رو کے کہ یہ کیا نظر آیا مجھ کو
ہائے کیا وقت مقدر نے دکھایا مجھ کو

شہہ نے رومال سے عباسؑ کا چہرہ پوچھا بولے عباس کہ فرمائیں نہ گھر پہ آقا
باعث فخر ہے اس شان سے میرا مرنا زندگی کیا تھی اگر آج نہ یوں میں مرتا
مجھ پہ انوار کی برسات نہ پیدا ہوتی
حشر تک جیتا تو یہ بات نہ پیدا ہوتی

ہوگئے گود میں شبیرؑ کی بے جاں عباسؑ روئے سلطان زمن اے مرے ذی شاں عباسؑ
دشتِ غربت میں جفا کاروں کے مہمان عباسؑ خود تمہارا ہوں میں شرمندۂ احسان عباسؑ
رشتۂ الفتِ دیرینہ نہ توڑا تم نے
اس مصیبت میں مرا ساتھ نہ چھوڑا تم نے

کون امداد مری دشت میں فرمائے گا کون مظلومی شبیرؑ پہ گھبرائے گا

کوئی گستاخ مقابل جو مرے آوے گا — کون اب شیر کے مانند بپھر جائے گا

اب نہ انصار ہیں باقی نہ کوئی بھائی ہے
میں ہوں یہ فوج جفا کار ہے تنہائی ہے

ماں سے چھوٹا تو ملا مجھ کو پدر کا دامن — باپ کے غم میں تسلی بنا بھائی کا سخن
غم میں تھا بھائی حسنؑ کے نہ مجھے ہوش بدن — تم نے چمٹا لیا لیکن جو چھٹے مجھ سے حسنؑ

رہی تصویر تمہاری مری چشم نم میں
تم نے رونے نہ دیا مجھ کو حسنؑ کے غم میں

اب کہاں جاؤں مجھے یہ تو بتاتے جاؤ — تم اور اکبرؑ میری میت تو اٹھاتے جاؤ
قبر میری کسی گوشے میں بتاتے جاؤ — میری مٹی کو ٹھکانے سے لگاتے جاؤں

روح پیغمبرؐ برحق کہیں ناشاد نہ ہو
دیکھو اس دشت میں مٹی مری برباد نہ ہو

اس بڑھاپے میں مرے قلب کی طاقت تم تھے — حق ہے یہ لشکر اسلام کی ہمت تم تھے
خانۂ حیدرؑ کرار کی زینت تم تھے — پاس میرے شہہ خیبر کی امانت تم تھے

غیر ممکن ہے زمانہ یہ گذارا عباسؑ
مار ڈالے گا مجھے ہجر تمہارا عباسؑ

ہاتھ بھی ٹوٹ گئے دل میں بھی طاقت نہ رہی — آنکھیں بے نور ہوئیں تاب بصارت نہ رہی
پاس تھی بھائی حسنؑ کی جو امانت نہ رہی — باپ کی بخشی ہوئی تھی جو یہ دولت نہ رہی

بے سبب دشمن جانی ہے زمانہ میرا
لٹ گیا دشت مصائب میں خزانہ میرا

صابرؔ اس درجہ المناک ہے عباسؑ کا نام — بعد شبیرؑ بھی رویا جنہیں ہر ایک امام
مرگ عباس وفادار ہے زندہ پیغام — ہمت زیست ہے عباسؑ جری کا انجام

مرگ عباس پہ بے جان ہوئی جاتی ہے
زندگی موت پہ قربان ہوئی جاتی ہے

○○○

# مرثیہ — فکر رسا

نھونی لال وحشی

معراج عقل و عشق ہے فکر رسا مری

میں جناب جابر حسین صاحب عظیم آبادی چیئرمین لیجسلیٹو کونسل پٹنہ کا انتہائی ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے اپنی مرتب کردہ کتابوں کا پیکٹ بھیجا۔ اس میں وحشی کے الگ الگ دو مرثیوں طبع رسا اور فکر رسا کے کتابچے بھی شامل تھے جن کی مجھے برسوں سے تلاش تھی۔ دونوں مرثیے نایاب ہو چکے تھے۔ افسوس کا مقام ہے کہ وحشی مرحوم کے حالات زندگی کہیں نہیں دستیاب ہو سکے۔ جناب جابر صاحب کو بھی یہی شکایت رہی۔ تذکرہ نویسوں اور ''بہار میں اردو'' پر کام کرنے والوں نے وحشی کو نظر انداز کیا ہے۔ جابر حسین صاحب طبع رسا کے نئے ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۹۶ء میں لکھتے ہیں کہ:۔

''وحشی کے مراثی خصوصی مطالعے کے مستحق ہیں۔ ان کے مرثیے میں نہ صرف ہندوستانی سماجی پس منظر، ہندوستانی تہذیب و کلچر، ہندو میتھولوجی، ہندو مذہبی کرداروں اور مقدس امیجریز کا بکثرت استعمال ہوا ہے۔ بلکہ دوسرے مذاہب خصوصی طور پر اسلام سے متعلق علامتوں کا ایک ملا جلا عکس نامہ بھی پیش ہوا ہے۔ وحشی کے مرثیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اردو کے ایک قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کا طرز اسلوب اچھوتا تھا۔ وہ ندرت تشبیہ اور جدت استعارہ کے استعمال کرنے میں بھی مہارت رکھتے تھے= ان کی ترکیبیں دلاویز اور بندشیں چست ہیں۔

وحشی اسلامی تعلیمات سے کما حقہ آشنا تھے۔ تاریخ اسلام خاص کر واقعہ کربلا پر بھی گہری نظر تھی۔ کلام اتنا پسند کیا جاتا تھا کہ ان کا ایک مرثیہ جو ۱۹۴۱ء میں تصنیف ہوا تھا امامیہ مشن لکھنؤ نے ''معراج عشق'' کے نام سے شائع کیا تھا۔ دوسرا مرثیہ طبع رسا کے نام سے دوبارہ بڑی خوبصورتی کے ساتھ شائع ہوا۔ ذیل میں مطلع اور مقطع درج کئے جاتے ہیں۔

پھر آج دل میں محبت کی اٹھ رہی ہے امنگ — پھر آج ذوق سخن کو ہے اک نیا آہنگ
پھر آج رنگ طبیعت دکھائے گا نیرنگ — پھر آج پیش نظر ہے کرو چھتر کی جنگ

پھر آج جو ہر تیغ زباں دکھانا ہے
پھر آج گلشن حسنِ بیاں دکھانا ہے

پکاری بھائی کو سوتے ہو کیا اٹھو اصغر — میں پانی لائی ہوں تھوڑا سا لو پیو اصغر
یہ کیا ہے آج کہ بابا کے پاس ہو اصغر — چلو چلو مری گودی میں گھر چلو اصغر

اٹھو اٹھو اگر اماں کا پاس ہے بھیا
کہ شام ہوگئی جھولا اداس ہے بھیا

وحشی کے افکار میر انیسؔ سے کافی متاثر ہوئے تھے۔ کہتے ہیں۔

کی فکر انیسؔ رہنمائی تو نے — اردو کو نئی راہ دکھائی تو نے
سنتے تھے جو چوڑیوں کا نغمہ ان کو — تلوار کی جھنکار سنائی تو نے
سو راہیں انیسؔ نے دکھائیں ہم کو — قسمیں جذبات کی بتائیں ہم کو
انسان کے ساز دل پہ انگلی رکھ کر — سو طرح کی دھڑکنیں سنائیں ہم کو

وحشی اردو کے مشہور شاعر جناب جمیل مظہری صاحب مرحوم کے والد بزرگوار خورشید حسنین مرحوم کے شاگرد تھے ایک جگہ انہوں نے اس کا اعتراف کیا ہے۔

بس اے زباں خموش کہ دل کو نہیں ہے تاب — اس مرثیے کا نذر کر استاد کو ثواب
خورشید یعنی اوج سخن کا وہ آفتاب — جس کی شعاع فیض سے وحشی ہے بہرہ یاب

مداح خاص تھا جو شہہ مشرقین کا
جس نے مجھے بنا دیا بندہ حسینؑ کا

وحشی انیسویں صدی کے آخری دہائی میں حاجی پور کے ایک معزز کھتری گھرانے میں

پیدا ہوئے۔ مظفر پور بہار میں سب جج تھے۔ تاریخ وفات بھی معلوم نہ ہوسکی۔

## مرثیہ

معراج عقل و عشق ہے فکر رسا مری دنیائے رنگ و بو میں بندھی ہے ہوا مری
موتی لٹا رہی ہے چمن میں گھٹا مری جاتی ہے بتکدوں سے حرم تک صدا مری
کیوں کر نہ ہو کہ شاعر رنگیں بیاں ہوں میں
مستی فروش بادہ چشم بتاں ہوں میں

گنگا کی اٹھتی لہر ہے طبع رواں مری متھرا کی کوکلوں سے سنو داستاں مری
رادھا کی انکھڑیوں کا ہے جادو زباں مری ڈوبی ہوئی ہے پیت کے دھن میں فغاں مری
نغموں کے اضطراب میں جنبش ہے ساز کی
دل میرا بانسری ہے مرے نے نواز کی

کیف سخن نے قلب کو مینا بنا دیا سحر نگاہ یار کو گونگا بنا دیا
شعلے کو برف، برف کو شعلہ بنا دیا کتنی حقیقتوں کو تماشا بنا دیا
یہ بھی ہے امتحاں نگہہ امتیاز کا
ہلکا سا بیچ میں جو ہے پردہ مجاز کا

گیسو طراز لیلی معنی ہے فن مرا فطرت نے موتیوں سے بھرا ہے دہن مرا
ہے سیرگاہِ بلبلِ سدرہ چمن مرا دریائے معرفت کا ہے دھارا سخن مرا
مداح ہوں ولائے خدائے قدیر کا
کوثر کا رخ کئے ہے سفینہ فقیر کا

چرچا مرے سخن کا خواص و عوام میں شوخی بتان ہند کی میرے کلام میں
رندانِ بادہ نوش میں کیف دوم میں مستی شراب عشق کی ہے میرے جام میں
قربان اس پہ بحث حلال و حرام کی
ہے یہ سبیل ساقی کوثر کے نام کی

ساقی کا ذکر آگیا ساقی شراب دے ذوق سخن میں گھول کے روح شباب دے

تجھ کو پکارتے ہیں قدح کش جواب دے تھوڑی سی روشنی زخم (کذا؟) آفتاب دے

در تک جب آ گئے ہیں طلب گار جام کے
پہنچا دے سلسبیل پہ ہاتھوں کو تھام کے

فرقت میں زندگی کی ہوئی شام ساقیا آیا نہ اب تلک ترا پیغام ساقیا
حصے کا میرے کون سا ہے جام ساقیا لکھ جائے میکشوں میں مرا نام ساقیا

دکھلا کہ سر بہ مہر ہے قسمت کہاں مری
لیں گی بلائیں جام کی انگڑائیاں مری

جس سے خمیر دل ہے وہ اصلی شراب دے ساقی خدا کے ہاتھ کی کھینچی شراب دے
رندان بزم خاص کی جوٹھی شراب دے قرآں کے ساتھ عرش سے اتری شراب دے

چھوٹ اس میں کیا چشیدۂ طمار ہی سہی
دُرد ایاغ بوذر و عمار ہی سہی

ہر سو ترے کرم کا برستا ہے دونگڑا ہے آج دیدنی ترے میخانے کی فضا
اور گرد میکشان غدیری کا جمگھٹا کرسی نشین بیچ میں ہے مدح خواں ترا

گو سب ہیں مے پرست، مگر ہے صفتِ جدا
عالم جدا ہے، ظرف جدا، کیفیت جدا

آنکھیں نہ دے، بصیرت لطف نظر نہ دے یہ کیوں کہوں کہ چشم حقیقت نگر نہ دے
کہتے ہیں عاشقی جسے وہ دردِ سر نہ دے دے ذوق حسن، زلف کا سودا مگر نہ دے

کیوں مجھ کو چشم ہوش ربا کی شراب دے
دینی ہی ہو تو اپنی ولا کی شراب دے

ہندو اگر چہ وحشی بادہ پرست ہے کیا سمجھے وہ نظر کی بلندی جو پست ہے
زنار عشق رشتہ روز الست ہے لیکن مے محبت ساقی سے مست ہے

اے عقل کیوں نگاہ ہے تیری لڑی ہوئی
سلجھے گی تجھ سے عشق کی گتھی پڑی ہوئی

مذہب سے شاعری کی ہم آہنگیاں تو دیکھ واعظ! نیاز عشق کی گستاخیاں تو دیکھ

اس روح تشنہ کام کی بیتابیاں تو دیکھ وحشیٔ بادہ خوار کی سرمستیاں تو دیکھ
پہنچا حرم میں بیعت ساقی کئے ہوئے
آنکھوں میں بتکدے کی بہاریں لیے ہوئے

سوئے نجف رواں ہوا نکلا حرم سے جب ساغر بدوش و خامہ بگوش و ثنا بہ لب
وِردِ زباں کہ یاں شہہِ دیں خسرو عرب اسلام وکفر دونوں سے جی ہے اچاٹ اب
نیت بندھی ہے دور سے احرام عشق کی
مٹی قبول وحشی بدنام عشق کی

مولا ہے دردِ عشق کا کاشانہ دل مرا ہے آپ کے جمال کا پروانہ دل مرا
ہے قولِ مفتیاں کہ ہے میخانہ دل مرا ہنستا ہے ان کی عقل پہ دیوانہ دل مرا
جھکتی ہے اس سوال پہ گردن غرور کی
کیوں آئی بتکدے میں محبت حضور کی

منطق غلط ہے واعظ خانہ خراب کی حد باندھتی نہیں ہیں عطائیں جناب کی
پڑتی ہے ہر مکاں پہ کرن آفتاب کی بخشش پہ جب اترتی ہے رحمت سحاب کی
یہ دیکھتی نہیں کہ یہ سبزہ پہ ریت ہے
ہندو کا کھیت ہے کہ مسلماں کا کھیت ہے

اس دَور میں ہے مذہب ارباب دیں پناہ حبس دوام، فکر و عمل، تنگیٔ نگاہ
اپنا تو ہے یہ مسلک عالی خدا گواہ چوکھٹ ہیں بے شمار تو سجدے ہوں بے پناہ
الجھے نہ عقل مذہب اہل وفا کے ساتھ
یہ تو ہے اک معاملہ دل کا خدا کے ساتھ

بادہ کشوں کو مشرب رندانہ چاہیے فکر بلند و ذوق حکیمانہ چاہیے
ہو دیر یا حرم دل دیوانہ چاہیے ہر آستاں پہ سجدۂ مستانہ چاہیے
دل آسنی سے اٹھ کے جھکے جا نماز پر
کیوں ہو کسی کا قرض جبین نیاز پر

ہوں تشنہ کام معرفت عشق کبریا پینے سے مجھ کو کام ہے پنگھٹ میں جابجا

بطحا وطوس وکاشی و پریاگ بندھیا متھرا و کاظمین و جگن ناتھ و کربلا
اللہ رے تشنگی مرے ذوق صفات کی
گنگا سے ہمکنار ہیں موجیں فرات کی

ساقی جگر ہے خون ہٹا شیشہ و شراب ہے نام سے فرات کے یوں دل کو اضطراب
جس طرح ہو فرات میں موجوں کا پیچ و تاب یاد آگیا وہ وادی غربت وہ قحط آب
ان سالکان راہ خدا پر خودی نثار
اس تشنگی پہ روح کی ہر تشنگی نثار

اے چرخ اپنی گردش لیل و نہار دیکھ ہے خیر و شر میں معرکۂ گیرو دار دیکھ
پیاسا ہے تین روز سے اک شیر خوار دیکھ ڈالے ہے سر پہ خاک سیہ روز گار دیکھ
دیکھ اپنی کج روی کا تماشا بھی دیکھ لے
کوثر لٹانے والے کو پیاسا بھی دیکھ لے

اے طبع اب مرقع کرب و بلا دکھا تپتی ہوئی عراق و عرب کی فضا دکھا
صبر حسین و شورش اہل جفا دکھا حق جس کا سوگوار ہے وہ سانحا دکھا
وہ سانحا کہ خون مشیت کا دل ہوا
اسلام جس کے کفر کے آگے خجل ہوا

ہندوستاں وہ خطۂ عالی سوادِ عشق پلتی تھی جس میں روح تجلی نژاد عشق
اس خاک کی خمیر میں دیکھو نہاد عشق تھی جنگ زرگری میں بھی شان جہاد عشق
انسانیت عزیز تھی ایمان کی طرح
انسان سے لڑے بھی تو انسان کی طرح

جس دم کرو چھتر میں کھنچی تیغ انتقام گھر کی نزاع بن گئی بھارت کی جنگ عام
لیکن لڑائی ختم جو ہوتی قریب شام اس فوج کے جو لوگ تھے اس فوج میں تمام
جاتے تھے زخمیوں کی عیادت کے واسطے
تجدید رشتہ ہائے محبت کے واسطے

تلوار سے گرا کے سہارا بھی دیتے تھے ارتھی کو سورماؤں کی کاندھا بھی دیتے تھے

ماؤں کے جا کے بیٹوں کا پرسا بھی دیتے تھے
ستو نیتوں کو لاش پہ پہنچا بھی دیتے تھے
لاکھوں میں اک جواں بھی نہ اتنا ذلیل تھا
پیاسا کسی طرف کا ہو پانی سبیل تھا

لیکن وہ کس طرح کے مسلماں تھے بدشعار
جن کی شقاوتیں دل تاریخ پر ہیں بار
رکھا نبیؐ کی آل کو پیاسا خدا کی مار
ریتی پہ زخم کھا کے گرا جب کوئی سوار
گھوڑے بھگائے اس کے تن پاش پاش پر
رونے دیا بہن کو نہ بھائی کی لاش پر

سن کر غریب باپ کی آواز درد مند
نکلا جو خیمہ گاہ سے اک طفل ارجمند
اس کو لٹا کے ذبح کیا مثل گوسفند
مقتل ہوا منا کی فضیلت سے سربلند
غیرت تڑپ کے مرگئی ایماں کی گود میں
بیٹے کے سر کو پھینک دیا ماں کی گود میں

بد نفس و بدشعور وحریص وستم طراز
کوشش کہ دیں خدا کو بھی دھوکہ وہ حیلہ ساز
سید کو قتل کر کے پڑھی عصر کی نماز
مذہب یہ ہے تو فرض ہے مذہب سے احتراز
سجدے میں جب جھکاتے تھے گردن غرور سے
ہنستا تھا کفر ان کی نمازوں پہ دُور سے

ہاں اے کمیت خامۂ معجز نگار بس
سینوں میں عاشقوں کے دل بے قرار بس
اے شہسوار طبع فراست شعار بس
بس اے حریف گردش لیل ونہار بس
منزل بہت ہے دُور ابھی رزم گاہ کی
سجدے بکھیر چل کے حضوری میں شاہ کی

ہوتا ہے اب یہاں سے بیاں حال اک نیا
جس کو علی الخصوص سنیں اہل اتقاء
دیکھیں کہ کس طرح کشش جذبۂ وِلا
قرباں گہہ وفا پہ بہ میدان کربلا
تحفہ سر نیاز کا ہندوستاں سے لائی
اک بندۂ وفا کو محبت کہاں سے لائی

راوی کا یوں بیاں ہے کہ تھی آٹھویں کی شام
بٹھلا چکے تھے گھاٹ پہ پہرے عدو تمام

پانی کے بندوبست میں تھا لشکر امام　　سید اپنوں کی گود میں بچے تھے تشنہ کام

عالم یہ تھا کہ بند تھی ارض وسما کی سانس

رک رک کے چل رہی تھی فضا میں ہوا کی سانس

دیکھا جو تشنہ لب شہ عالم پناہ کو　　کھولا عروس شام نے زلف سیاہ کو

گردوں نے سر سے نوچ کے پھینکا کلاہ کو　　سن سن کے اہل بیت کی فریاد و آہ کو

اک کیفیت ملال کی دنیا پہ چھا گئی

تاروں کی آنکھ آنسوؤں سے ڈبڈبا گئی

تھے خیمہ گاہ خاص میں شاہ فلک اساس　　کی عرض ابن قین بجلی نے جا کے پاس

حاضر پئے سلام ہے اک مرد حق شناس　　لیکن نئی ہے وضع، نئی دھج نیا لباس

دیتا ہے دوستوں کو محبت کے واسطے

ڈیوڑھی یہ منتظر ہے زیارت کے واسطے

فرمایا آپ نے کہ تامل ہے، کیوں، بلاؤ　　ساتھ اپنے قاسمؑ و علی اکبر کو لے کے آؤ

مہمان ہے خلوص وتواضع سے اس کو لاؤ　　پہنچا جو در پہ وہ تو پکارے کہ آؤ آؤ

اٹھے حضور جب وہ لب فرش آچلا

کعبہ معانقے کو سوئے بت کدہ چلا

تسلیم کو جھکا جو قدم پر وہ حق شناس　　بولے گلے لگا کے یہ شاہ فلک اساس

بتلا رہا ہے مجھ کو برادر ترا لباس　　تو اہل ہند سے ہے جنہیں ہے وفا کا پاس

نکہت دیار عشق میں تیرے وطن سے آئی

نانا کو میرے سرد ہوا اس چمن سے آئی

از بسکہ اہل ہند ہیں مردانِ با صفا　　حق کوش وحق شناس وحق آگاہ وحق نما

ہوتا ہے اہل دل کو محبت کا آسرا　　روکے نہ میری راہ جو یہ فوج اشقیا

مل جائے پھر تو امن کی محفوظ جا مجھے

اس ملک سے پکار رہی ہے وفا مجھے

ہے موسم بہار کا گویا چمن وہاں　　پھولوں سے کھیلتی ہے نسیم چمن وہاں

ہر شہر علم وفضل کی ہے انجمن وہاں　　حضرت کے اک صحابی ہیں بابا رتن وہاں
چھلکا یا نور ہند نے اپنے ایاغ سے
یونانیوں کو آگ ملی اس چراغ سے

ہاں یہ تو کہہ کہ ترک وطن کا سبب ہے کیا　　کیا مشغلہ ہے، نام ہے کیا اور نسب ہے کیا
پیشہ ترا تجارت ہندوعرب ہے کیا　　اور یہ نہیں تو باعث رنج و تعب ہے کیا
ہمدرد مجھ کو جان کہ الفت شعار ہوں
تیری طرح سے میں بھی غریب الدیار ہوں

کی عرض میں غلام ہوں، شاہ زمن ہیں آپ　　انوار سرمدی کی درخشاں کرن ہیں آپ
اس خاک داں میں آ کے اسیر محن ہیں آپ　　عرش خدا وطن ہے غریب الوطن ہیں آپ
زحمت اٹھا کے فرش پہ تشریف لائے ہیں
پستی کا درد لے کے بلندی سے آئے ہیں

حضرت کی ذات رحمت پروردگار ہے　　گلزار معرفت کی نسیم بہار ہے
مہر مبین رخ سے وہ نور آشکار ہے　　جس سے قبائے ظلمت شب تار تار ہے
جلوہ زمیں کو نور تجلی بنائے ہے
ہر نقش پا چراغ ہدایت جلائے ہے

میں اپنا حال کیا کہوں اے شاہ دوسرا　　بے شک ہے خاک ہند سے یہ بندۂ خدا
تھا میرا جد یکے ز غلامان مرتضیٰ　　برسوں سے ہے عرب میں تجارت کا سلسلہ
بصرے میں ایک تاجر خوش حال ہند ہوں
کھتری ہے میری ذات میں بقال ہند ہوں

جنگ جمل کے بعد دو عالم کے تاجدار　　آ کر ہمارے شہر میں ٹھہرے بہ افتخار
حضرت کو تھا یہ میرے اب وجد پہ اعتبار　　ان کو بنایا مال غنیمت کا پہرہ دار
تل کر ترازو نے نگہہ اعتبار میں
دونوں گراں وقار ہوئے اس دیار میں

یہ بندۂ عقیدت و عرفان لا زوال　　کوفے کو جارہا تھا تجارت کا لے کے مال

رستے میں راہبوں کی زبانی سنا یہ حال ۔۔۔ نرغے میں ظالموں کے گھرا ہے علی کا لال

اٹھی یہ سن کے دل میں محبت حضور کی

دل نے کہا کہ فرض ہے نصرت حضور کی

پا بوسی کا شرف تو مقدر سے مل چکا ۔۔۔ حضرت سے اب ہے اذن رفاقت کی التجا

ہے آرزو کہ سر کو قدم پر کروں فدا ۔۔۔ حاضر ہے یہ ہدیہ اخلاص دبے ریا

مولا یہ نذر داغ جگر بھی قبول ہو

سجدے ہوئے قبول تو سر بھی قبول ہو

بولے یہ سر جھکا کے شہنشاہ بحروبر ۔۔۔ بے شک ترے حقوق وفا ہیں حسینؑ پر

ممنون ہے ترا خلف سید البشر ۔۔۔ لیکن گنوا نہ میری محبت میں اپنا سر

بھائی مری نظر میں عزیز جہاں ہے تو

اس ملک میں امانت ہندوستاں ہے تو

آنکھوں میں اشک بھر کے مسافر نے یہ کہا ۔۔۔ ہندو ہوں معتبر نہیں شاید مری وفا

مولا یہ دل اگرچہ ہے بت خانے کا دیا ۔۔۔ لیکن ہے اس میں نور مودت کی بھی ضیا

ترکیب میرے قلب کی خاک شفا سے ہے

مٹی مری گندھی ہوئی خون وفا سے ہے

فرمایا شہہ نے جوش میں تونے یہ کیا کہا ۔۔۔ مشکوک کیوں ہو میری نظر میں تری وفا

آگاہ ہے ضمیر سے میرے مرا خدا ۔۔۔ حق کی طلب میں ہندو و مسلم میں فرق کیا

مسلک یہی ہمیشہ سے آل عبا کا ہے

دنیا ہماری آنکھ میں کنبہ خدا کا ہے

ہندو ہے تو مگر بشر معتدل تو ہے ۔۔۔ فطرت کا ظلم تیرے لیے جاں گسل تو ہے

تیرے خدا سے تیری خودی منفعل تو ہے ۔۔۔ ایماں نہ ہو مگر ترے پہلو میں دل تو ہے

سینے میں جس کے دل ہو بس انسان ہے وہی

جس میں سلامتی ہے مسلمان ہے وہی

سر کو قدم پہ رکھ کے یہ بولا وہ حق شناس ۔۔۔ اس درجہ جب حضور کو ہے درد دل کا پاس

پھر کیوں قبول ہوتی نہیں میری التماس حیرت کی ہے جگہ کہ وہ باب فلک اساس
ملجا جو ہو غریب و یتیم و اسیر کا
رد ہو وہاں سے ہدیۂ احقر فقیر کا

سمجھا یا اس کو شاہ نے ہر چند بار بار چھوڑا نہ اس نے پائے مبارک کو زینہار
اٹھا نہ آستانۂ حضرت سے جاں نثار عاشور کی سحر کو بہ میدان کارزار
آگے سپر کی طرح تھا خادم حضور کا
پروانہ تھا چراغ ہدایت کے نور کا

تھا گر اس کے ہاتھ میں یا بھیم کی گدا جس کو گھما رہا تھا صفوں میں وہ برملا
فوجوں کا دل بڑھا جو سوئے شاہ دوسرا لے کر رضا جہاد کی نکلا وہ منچلا
کھینچی کماں جو معرکۂ گیرو دار میں
ارجن کے تیر چلنے لگے کارزار میں

نعرہ یہ تھا کہ تکتے ہو حیرت سے کیا ادھر راون کی نسل تم ہو میں ہوں رام کا پسر
برپا ہے آج پھر وہی پیکار خیروشر مردانِ حق کو نرغۂ باطل کا کیا ہے ڈر
آگ اپنی برق تیغ سے جا کر لگائیں گے
کوفہ کو کیا دمشق کو لنکا بنائیں گے

گونجا جو شیر ہند تو رن بولنے لگا طائرا جل کا شوق سے پر تولنے لگا
مالک لپک کے باب سقر کھولنے لگا سورج کے ساتھ چرخ بریں ڈولنے لگا
لنگر ہلے جو گنبد گردون زشت کے
اُڑ اُڑ کے عرش تک گئے طائر بہشت کے

کہتی تھی تیغ یہ کہ مری دھار دیکھئے ملک عرب میں ہند کی تلوار دیکھئے
تلوار سے بھی تیز ہے رہوار دیکھئے بولا گئی ہے وقت کی رفتار دیکھئے
کروٹ بدل رہی ہے قیامت خرام میں
ہل چل مچی ہے قافلۂ صبح وشام میں

بھگدڑ یہاں وہاں تھی تباہی ادھر ادھر گر گر کے چیختے تھے سپاہی ادھر ادھر

تلوار تھی کہ قہر الٰہی ادھر ادھر اللہ رے اس کی شوخ نگاہی ادھر ادھر
جس صف پہ کی نظر کچھ ادھر کچھ ادھر گرے
جب بھاگنے کو پاؤں اٹھائے تو سر گرے

چلتی تھی چار سمت گلے کاٹتی ہوئی حضرت کے دشمنوں کا لہو چاٹتی ہوئی
چہروں پہ اشتہار اجل سانٹتی ہوئی لاشوں سے کربلا کی زمیں پاٹتی ہوئی
بوچھار تھی لہو کی جہاں کے رواق میں
ہولی منا رہے تھے ستمگر عراق میں

بنیادیں قصر تن کی مٹاتی ہوئی چلی دیواریں ہڈیوں کی گراتی ہوئی چلی
جسموں کے قید خانے کو ڈھاتی ہوئی چلی زنداں سے قیدیوں کو چھڑاتی ہوئی چلی
پائی نجات کش مکش مکرو کید سے
روحیں دعائیں دیتی تھیں چھٹ چھٹ کے قید سے

چتون غضب کی تھی تو اشارے تھے بے پناہ ہرسو جگا رہی تھی پری جادوئے نگاہ
در آئی قلب میں جو ہوا میسرہ تباہ شامی یہ کہہ رہے تھے کہ دنیا ہوئی تباہ
پیچھا کئے ہے تیغ دو پیکر کی آگ بھاگ
ایک ایک کو پکار رہا تھا کہ بھاگ بھاگ

جاتے کہاں حسین بلا ساتھ ساتھ تھی دھار اس کی مثل طبع رسا ساتھ ساتھ تھی
لونڈی کی طرح اس کے قضا ساتھ ساتھ تھی انصار شاہ دیں کی دعا ساتھ ساتھ تھی
غل تھا کمک حرم کو ملی ہے کنشت سے
روح کرشن جھانک رہی ہے بہشت سے

لکھا ہے اس کے چند اعزائے سرفروش تھے اس کے ساتھ نصرت حق میں کفن بدوش
تیروں سے ان کے اڑ رہے تھے شامیوں کے ہوش سینے میں تھا جو نصرت شاہ امم کا جوش
حاجت زرہ کی تھی نہ سپر کی نہ ڈھال کی
امت بلائیں لیتی تھی ان کے جلال کی

مصروف تھے جہاد میں مردان سرفراز پرچم جھکا رہے تھے صفوں میں سر نیاز

بھڑکا رہا تھا فوج کو یوں شمر کینہ ساز
ہے علویوں کو کفر سے درپردہ ساز باز
کفار کر رہے ہیں حمایت حسینؑ کی
بس دیکھ لو یہی ہے شریعت حسینؑ کی

کہتے تھے وہ دلیر کہ قدرت خدا کی ہے
وہ لوگ جن کے دل میں محبت خدا کی ہے
اس پر نہ کیوں فدا ہوں جو حجت خدا کی ہے
اے شمر تیری قوم پہ لعنت خدا کی ہے
منھ کعبۂ نجات سے پھیرے ہوئے ہے جو
اپنے امام وقت کو گھیرے ہوئے ہے جو

کفار حق کے واسطے سینہ کریں سپر
مومن جو ہیں وہ لوٹنے آئیں خدا کا گھر
یہ تو مقام شرم ہے اے شمر خیرہ سر
وہ سامنے فرات ہے جا اس میں ڈوب مر
یہ بھی نہ ہو تو آتری حسرت نکال دیں
نیزے پہ رکھ کے سوئے جہنم اچھال دیں

یہ طنز سن کے اور ہوئے مشتعل پلید
چاروں طرف سے ٹوٹ پڑا لشکر یزید
تیروں کے منھ جو برسے تو غازی ہوئے شہید
لکھا ہے یہ فرس سے گرے جب کہ وہ سعید
پھینکا عمامہ سر سے امام غیور نے
خود آکے ان کی لاش اٹھائی حضور نے

وحشی کی اب ہے عرض کہ یا شاہ کربلا
اے کاش ہم بھی آپ پہ ہوتے یونہی فدا
بھارت کے ہندوؤں پہ بڑا حق ہے آپ کا
دل ان کا بے قرار ہے سن کر یہ ماجرا
نرغہ کیا جو امت خانہ خراب نے
ہندوستان کو یاد کیا تھا جناب نے

ہندوستان آپ کی غربت پہ ہے نثار
آنکھوں میں پھر رہا ہے وہ صحرا اور ریگ زار
کانوں میں گونجتی ہے دکھے دل کی یہ پکار
ہے کوئی اس گروہ میں بیکس کا غم گسار
ہے کوئی جو ہماری بلاؤں کو رد کرے
ہے کوئی جو حسینؑ کی آکر مدد کرے

لہرا رہا ہے ظلم کا دریا چڑھا ہوا
ڈھالوں کا ابر چار طرف ہے گھرا ہوا

ہلتا ہے بارگاہ کا پردہ جھکا ہوا اٹھتا ہے اک مریض عصا ٹیکتا ہوا
ہل چل ادھر ہے خیمہ عصمت پناہ میں
لاشیں تڑپ رہی ہیں ادھر قتل گاہ میں
رہ رہ کے گونجتی ہے جو مظلوم کی پکار اصطبل میں سروں کو پٹکتے ہیں راہوار
گہوارہ صورت دل زینبؑ ہے بے قرار خود کو گرائے دیتا ہے اک طفل شیر خوار
ہے زلزلہ جہان میں یہ کس کی آہ سے
شہزادیاں نکل رہی ہیں خیمہ گاہ سے
بچے ہیں ساتھ تھامے ہوئے گوشہ ردا ہاتھوں میں لے لیا ہے کنیزوں نے بیلچا
ہے نصرت حسینؑ میں ہر دل کا ولولا وحشی! بس اب خموش کہ اک حشر ہے بپا
آنکھوں میں پھر رہا ہے سماں اس دیار کا
ہندو جواب دیتے ہیں آج اس پکار کا
دل ان کے کہہ رہے ہیں کہ لبیک یا حسینؑ آتا جو اس طرف کو قدم آپ کا حسینؑ
بچے نہ ہوتے کشتۂ تیغ جفا حسینؑ سید اپنوں کے سر سے نہ چھنتی ردا حسینؑ
ہوتے نثار پائے امام امم پہ ہم
کعبہ بناتے آپ کے نقش قدم پہ ہم
سینے میں عاشقوں کے نہ کیوں ہو جگر کباب مولا یزیدیت ہوئی جاتی ہے بے نقاب
اس کے اثر سے آپ کی امت کے شیخ و شاب بدعت سمجھ کے چھوڑ بھی دیں گرا ثواب
ہم بت پرست آپ کی تربت بنائیں گے
ہر چوک پر دیوں کی جگہ دل جلائیں گے
مت گونجے مسجدوں میں فسانہ حسینؑ کا مندر بنیں گے تعزیہ خانہ حسینؑ کا
جب تک کہ ہو نہ جائے زمانہ حسینؑ کا ہم چھیڑتے رہیں گے ترانہ حسینؑ کا
دشمن ابھی بہت ہیں امام غیور کے
کس طرح جوگ اتار دیں خادم حضور کے
بس اے زباں خموش کہ دل کو نہیں ہے تاب اس مرثیے کا نذر کر استاد کو ثواب

خورشید یعنی اوج سخن کا وہ آفتاب جس کی شعاع فیض سے وحشی ہے بہرہ یاب
مداح خاص تھا جو شہہ عشرقین کا
جس نے مجھے بنادیا بندہ حسین کا

# مرثیہ

پر آج دل میں محبت کی اٹھ رہی ہے امنگ

پھر آج دل میں محبت کی اٹھ رہی ہے امنگ پھر آج ذوق سخن کو ہے اک نیا آہنگ
پھر آج رنگ طبیعت دکھائے گا نیرنگ پھر آج پیش نظر ہے کرو چھتر کی جنگ
پھر آج جو ہر تیغ زباں دکھانا ہے
پھر آج گلشن حسن بیاں دکھانا ہے

کرو چھتر بھی ہے تاریخ میں عجب منظر ہے دونوں سمت اعزائے خاص کا لشکر
وفور شرم سے تلواریں سب جھکائے ہیں سر جھجک رہی ہیں کمانیں جھپک رہی ہے نظر
علم بھی اپنے پھریرے سے منھ کو ڈھانپتا ہے
بس اتنا ہے کہ ارجن کا ہاتھ کانپتا ہے

خیال یہ ہے کہ اپنوں کو تیر کیا ماریں اب اس میں جیت ہو یا بیچ کھیت رن ہاریں
مگر بہیں نہ عزیزوں کے خون کی دھاریں جو نفس کش ہیں انہیں کے لیے ہیں جے کاریں
علاقہ کیا ہے شجاعت کو بے حیائی سے
جہاد نفس ہے افضل ہر اک لڑائی سے

یہ ان کا ذکر ہے کہتے ہیں کافر آپ جنہیں مگر خدا کے لیے یہ بھی غور فرمائیں
کہ وہ مجاہد اسلام جن کی تلواریں لہو خود اپنے نبیؐ کی عیال کا چاہیں
جو خیرہ کر چکے ہوں دشمنوں سے آنکھ اپنی
ملا سکیں گے وہ ان کافروں سے آنکھ اپنی

خدا پرستوں کو نشہ چڑھا حکومت کا　　مزاج مسخ کیا اس طرح شریعت کا
کہ خون ہوگیا قوم عرب کی غیرت کا　　حیا خجل ہوئی سر جھک گیا شرافت کا

کہاں سے لائیں گے کفار وقت ایسے ہاتھ
کہ ماریں تیر سے بچوں کو اور نہ کانپے ہاتھ

ایک ایسا دین جو فوجی نظام ہو بہ خدا　　فقط غرور فتوحات جس کا سرمایا
نہ جس میں رام کی غیرت نہ لکشمن کی وفا　　نہ جس میں جذبۂ سقراط و گوتم و عیسیٰ

بہائے خون جو تقویت خودی کے لیے
کہاں سے آئے گی اس میں جگہ علیؑ کے لیے

علی وہ قسمت انساں کا رہبر اعظم　　نظر میں جس کی برابر تھے سب بنی آدم
غلام ہو کہ ہو آقا عرب ہو یا کہ عجم　　ہر ایک حصہ معین نہ اس میں بیش نہ کم

خدا کا زور تھا بازوئے عدل میں جس کے
تلی خرد بھی ترازوئے عدل میں جس کے

یہ واقعات تواریخ میں ہیں صاف جلی　　کہ تھا زمانے میں مشہور ایک دین علی
وہ آرزو جو دل پاک مرتضیٰ میں پلی　　نہ وہ عراق میں پھولی نہ وہ عرب میں پھلی

نہ مصر میں نہ عرب میں نہ طوس میں پنپے
مقام شرم ہے تخم اس کا روس میں پنپے

جو آرنلڈ نے اپنی کتاب میں لکھا　　اٹھا کے دیکھ لیں اس کو یہ تنگ دل علماء
ہوئے جو مسجد کوفہ میں قتل شیر خدا　　تو کل مجوس و نصاریٰ نے ان کا سوگ کیا

کیا نہ روز کا دھندا کسی یہودی نے
جلایا گھر میں نہ چولھا کسی یہودی نے

جو پوچھا ان سے کسی خارجی نے اس کا سبب　　تو ایک مرد نصاریٰ نے یہ کہا بہ تعب
مثال عیسیٰ مریم تھا وہ امیر عرب　　بشر کے بھیس میں آئی تھی ہم میں رحمت رب

کرم نے اس کے ہمیں مطمئن بنایا تھا
ہمارے سر پہ ہمارے خدا کا سایا تھا

اسی سیاست کبریٰ کے ترجماں تھے حسینؑ پہنچ سکا نہ زمانہ وہاں جہاں تھے حسینؑ
حقوق بندہ و آقا کے پاسباں تھے حسینؑ پدر کی طرح غلاموں پہ مہرباں تھے حسینؑ

چھپا ہے نکتہ ایمان اس حقیقت میں
کہ خون جون ہے پیمانۂ شہادت میں

نہ تھا عرب کی تواریخ میں سراغ بشر ہر ایک صفحہ تھا انسانیت کے خون سے تر
ہر ایک قوم تھی دنیا کی طعنہ زن اس پر جھکا تھا شرم کے احساس سے غریب کا سر

مگر اٹھا دیا عباسؑ کی وفا نے اسے
دیا غرور شرف میر کربلا نے اسے

وہ میر کرب و بلا محسن بنی آدم بلند کر گیا انسانیت کا جو پرچم
کلاہ عیسیٰ و سقراط جس کے سامنے خم تپش سے جس کے فروزاں چراغ دیر و حرم

جھکا ہے جس کے نقوش قدم پہ کعبہ بھی
کنشت و دیر بھی کعبہ بھی اور کلسیا بھی

سلام اس چمن آرائے باغ فردا کو لہو نے جس کے عطا کی بہار صحرا کو
وہ جس نے زندہ کیا سنت مسیحا کو حیات بخش دی جس نے مریض دنیا کو

مرض کا زور بڑھا تو سکوں دیا اپنا
ہوئی جو خوں کی ضرورت تو خوں دیا اپنا

صدائے وقت سنی وعدہ گاہ تک آئے عراق کے لیے پیغام حریت لائے
عرب کی دھوپ میں زہراؑ کے پھول کمہلائے عرب کی دھوپ کہ سایہ بھی جس سے گھبرائے

عرب کی دھوپ نہیں جس کا مثل گیتی پر
عرب کی دھوپ میں خیمے لگائے ریتی پر

خبر جو پائی تو اشرار جمع ہونے لگے فرس کی پشت پہ دوزخ کا بھار ڈھونے لگے
عمل کی کشت میں تخم گناہ بونے لگے غرض حمیت قومی عرب ڈبونے لگے

نہ پایا نہر سے پانی امام زادوں نے
بٹھائے گھاٹ پہ پہرے شراب خواروں نے

مقام شرم ہے اے واعظان قوم مذل — کہ تین روز سے آل پیمبرؑ عادل
زمین گرم پہ پیاسے رہیں لب ساحل — ٹھہر گیا ہے کچھ اس طرح کائنات کا دل

کہ نبض وقت کی آہٹ سنی نہیں جاتی
ہوا غریب سے بھی سانس لی نہیں جاتی

زمین تجھ پہ یہ منظر مگر ہے لاثانی — کہ پی رہے ہیں مسلمان نہر سے پانی
زبان حال سے کہتی ہے قوم نصرانی — عرب کے ملک میں ہوتی ہے یوں ہی مہمانی

خود اپنی قوم پہ یہ ظلم چیرہ دستوں کا
یہی ہے دین عرب کے خدا پرستوں کا

ہے اس مقام پہ وحشی کی عرض یہ سرکار — یہی ہیں وہ کہ جو ہندو کو کہتے ہیں کفار
وہ کافر ایسے کہ جن کا خدا نہ نور نہ نار — یہ مومن ایسے کہ جن کا خدا وہ کوہ وقار

جو اپنے ہاتھ سے دھرتی اچھال دیتا ہے
جو اپنے پاؤں جہنم میں ڈال دیتا ہے

غلط ہے یہ جو کریں ہم برابری ان کی — کہاں سے لائیں گے ہندو دلاوری ان کی
اٹھا کے دیکھ لو تاریخ سرسری ان کی — ہے کربلا بھی دلیل تنفری ان کی

جہاں بھی خرمن دولت ہو کوندتے ہیں یہ
بہادر ایسے کہ لاشوں کو روندتے ہیں یہ

جدا ہے ان کی شریعت سے جب شریعت ملک — تو کیوں ہو اس کے اصولوں سے پھر شکایت ملک
ہے ان کے دین کا مقصد فقط ریاست ملک — یہ قوم وہ ہے کہ جس نے پے سیاست ملک

تباہ کردیا اپنے نبیؐ کی عترت کو
نہ پاسکے گی کوئی قوم اس کی عظمت کو

ہوس ہو لوٹ کی جس کو وہ باگ کیوں موڑے — لگائی آگ خیاباں میں کوہ بھی توڑے
بقول حضرت اقبال بحر کب چھوڑے — چلے جو سینۂ ظلمات پر وہی گھوڑے

پلٹ کے وارث حیدر کی لاش پر دوڑے
سوار دوش پیمبرؑ کی لاش پر دوڑے

غرض کہ خون میں ڈوبی نگاہ لے کے پھرے　　کسی کی کفش، کسی کی کلاہ لے کے پھرے
ہوس کی پیٹھ پہ بار گناہ لے کے پھرے　　شکستہ حال یتیموں کی آہ لے کے پھرے
ملے جو حرص کو حکام کے اشارے بھی
اتارے آ کے سکینہ کے گوشوارے بھی

مزاج قوم میں راسخ ہوئی جو یہ لعنت　　تو مسخ ہوگیا اس طرح جذبۂ غیرت
کہ بعد عصر لٹی جب رسول کی عترت　　حمید کا یہ بیاں ہے کہ بانیٔ بدعت
اتارتے تھے جو زیور تو روتے جاتے تھے
مگر نہ اپنی شقاوت سے باز آتے تھے

اتارتا تھا جو خلخال فاطمہ کبریٰ　　تھے اس کی آنکھ میں آنسو زبان پر یہ دعا
کریں معاف مرے ظلم کو رسولؐ خدا　　میں چھوڑ دوں یہ کساوئی یہ کنگن اور یہ ردا
تو چھین لے گا انہیں دوسرا جو آئے گا
یہ میرا حق مرے ہاتھوں سے مفت جائے گا

تھا دشت ظلم میں وہ وقت بھی قیامت کا　　جلا جو خیمہ اطہر نبیؐ کی عترت کا
اک ایسے ملک میں جو ہو وطن شقاوت کا　　کسے ہو ان کے سوا حوصلہ ہدایت کا
امین جذبۂ قربانی خلیل ہے جو
خدا کی رحمت مطلق کی اک دلیل ہے جو

غرض ہوا سے ہوئے اور شعلہ زن خیمے　　وہ جھونکے دشت عرب کے تھے رحم کیا کرتے
تو پھر رہے تھے سراسیمہ ہر طرف بچے　　لپک رہے تھے جو ہر سمت آگ کے شعلے
جو بڑھ کے آگ نے کرتا کسی کا تھام لیا
تو اس نے چیخ کے اپنی پھپھی کا نام لیا

لکھا ہے یہ کہ شہؑ دوسرا کے نور العین　　جناب زینب کبریٰ شریکۃ الحسنین
تھی جس کے عزم کی لونڈی شجاعت کونین　　یہ حال دیکھ کے بچوں کا ہوگئیں بے چین
زمین کرب و بلا وجد و حال میں آئی
ابو ترابؑ کی بیٹی جلال میں آئی

یہ چاہتی تھیں کہیں کچھ اٹھا کے دست دعا مگر وہ وارث جذبات سید الشہدا
تھا جس کی پیٹھ پر انسانیت کا سرمایہ سنبھالتا ہوا زنجیر وطوق کو آیا

کہا کہ ہاتھ جو اٹھے ہیں بد دعا کے لیے
گرایئے پھپھی اماں انہیں خدا کے لیے

خدا کے قہر کو ہوگی جو اک ذرا حرکت تو لا سکے گی نہ پھل میرے باپ کی محنت
نہیں یہ آپ کے بھائی کے خون کی قیمت مٹے جہان سے ہاں کفر وظلم کی بدعت

یہی تو نخل شہادت کا ایک پھل ہے پھپھی
مقام صبر میں غصے کا کیا محل ہے پھپھی

ہے کربلا کے مرقعے میں داستاں اک اور جو ہے ہمارے لیے اور ایک نکتۂ غور
جو دشت قتل میں لائے گئے حرم فی الفور پڑے تھے خاک پہ سب تشنگان بدعت وجود

یہ حال دیکھ کے سجاد کو غش آنے لگا
کیا جو ضبط فغاں جسم تھر تھرانے لگا

یہ اضطراب جو دیکھا تو شاہ کی ہمشیر قریب آکے یہ کہنے لگیں کہ اے دلگیر
خدا کے فضل سے تم آج ہو بشیر و نذیر یہ اضطراب ہے ایثار نفس کی تحقیر

خدا کے واسطے یوں مضطرب نہ ہو بیٹا
تمہارے دوش پہ ہے بار فرض اٹھو بیٹا

اک امر فرض تھا یہ حق کا معرکہ بخدا لیا گیا تھا بزرگوں سے عہد اسی دن کا
خدا کا شکر ہے جو فرض تھا ہوا وہ ادا یہ سن کے جھک گئے سجدے میں زین آل عبا

غرض بھتیجے کو تسکین دلائی، راحت دی
امام پاک سے سونپی جو تھی وہ ہمت دی

مرقعے دو ہیں یہ ان میں نہیں تضاد کوئی کہ تھے وہ پیکر اوصاف سید عربی
الوہیت بھی تھی ان میں اور آدمیت بھی ہے انتقام بھی انساں کا جذبۂ فطری

پھپھی کی آدمیت نے غضب سے کام لیا
الوہیت نے بھتیجے کا ہاتھ تھام لیا

اگرچہ ان کو جوہوں خاص حجت باری　　سکھائے کون مشیت کی ناز برداری
مگر ہوا جو بھتیجے پہ ضعف غم طاری　　الوہیت نے پھپھی کو سکھائی خود داری
جو کارنامے پھپھی کے وہی بھتیجے کے
کرو جو غور تو دو رخ ہیں اک نتیجے کے

نہ کیوں ہو مہبط نور خدا وہ سارا گھر　　پلے جو ہوں پر جبرئیل کی ہوا کھاکر
دکھائیں کیوں نہ وہ خلق رسولؐ کے جوہر　　وہ عون ہوں کہ ہوں عباس وقاسم واکبر
سبھی نیاز مجسم بہ رب اکبر تھے
مقام صبر میں چھوٹے بڑے برابر تھے

ملا تھا سب کو اسی طرح جذبۂ ایثار　　وہ پانچ سال کی بچی بھی کم نہ تھی ہشیار
جولائی آب و غذا زوجۂ حردیں دار　　سکینہؑ نے کہا کہ میں نہ پیوں گی زنہار
کہ چھوٹے بھائی کو جاکر یہ جام دوں گی میں
پئیں گے جب علی اصغرؑ تبھی پیوں گی میں

یہ کہہ کے جانب مقتل رواں ہوئی بچی　　پھپھی تڑپ گئی، ماں بے قرار ہوکے بڑھی
سبھی نے دوڑ کے روکا بہت، مگر نہ رکی　　گلے میں اشکوں سے پھندے ہیں کیا کہے وحشی
پہنچ گئی یہ وہاں جس جگہ تھی آپ کی لاش
ادھر تھی بھائی کی میت ادھر تھی باپ کی لاش

پکاری بھائی کو، سوتے ہو کیا، اٹھو اصغر　　میں پانی لائی ہوں تھوڑا سا لو پیو اصغر
یہ کہا ہے آج کہ بابا کے پاس ہو اصغر　　چلو چلو مری گودی میں گھر چلو اصغر
اٹھو اٹھو اگر اماں کا پاس ہے بھیا
کہ شام ہوگئی جھولا اداس ہے بھیا

ختم شد

# HINDU MARSIA GO SHAURA

By: Prof. Akbar Hyderi Kashmiri

## مصنف کی چند دیگر مطبوعات

(۱) میر انیس بحیثیت رزمیہ شاعر ۱۹۶۴ء
(۲) تحقیقی جائزے ۱۹۶۸ء
(۳) منظومات میاں دیگر ۱۹۷۰ء
(۴) تحقیقی نوادر ۱۹۷۳ء
(۵) دیوانِ میر (نسخۂ محمود آباد) ۱۹۷۴ء
(۶) شاعر اعظم مرزا سلامت علی دبیر ۱۹۷۶ء
(۷) مقالات حیدری ۱۹۷۷ء
(۸) مراثی دبیر مطبوعہ اردو اکادمی لکھنؤ ۱۹۷۹ء
(۹) دیوان میر نسخۂ لاہور ۱۹۸۰ء
(۱۰) باقیات انیس (ہندوستانی ایڈیشن) ۱۹۸۰ء
(۱۱) باقیات انیس (لاہور ایڈیشن) ۱۹۸۱ء
(۱۲) تذکرۂ شعرائے ہندی (بخط میر حسن) ۱۹۸۱ء
(۱۳) تذکرۃ الشعرائے ہندی (بخط مصحفی) ۱۹۸۱ء
(۱۴) بہارستان شاہی (تاریخ کشمیر مکتوبہ ۱۰۲۳ھ) ۱۹۸۲ء
(۱۵) تحقیقات حیدری ۱۹۸۴ء
(۱۶) مثنوی سحر البیان (تحقیقی ایڈیشن) میر حسن ۱۹۸۷ء
(۱۷) تذکرۂ گردیزی (مکتوبہ ۱۱۷۴ھ نسخۂ ندوہ) ۱۹۹۴ء
(۱۸) باقیات دبیر ۱۹۹۵ء
(۱۹) تذکرۂ قدیم شاعرات اردو ۱۹۹۶ء
(۲۰) اقبال کی صحت زباں ۱۹۹۸ء
(۲۱) مراثی میر خلیق (مرثیہ فاؤنڈیشن کراچی) ۱۹۹۹ء
(۲۲) کلام اقبال نادر و نایاب رسالوں میں ۲۰۰۲ء
(۲۳) اقبال اور علامۂ زنجانی ۲۰۰۲ء
(۲۴) نوادر غالب (ادارۂ یادگار غالب کراچی) ۲۰۰۲ء
(۲۵) غالبیات کے چند فراموش شدہ گوشے (کراچی) ۲۰۰۳ء
(۲۶) معرکۂ اسرار خودی (ادارۂ یادگار غالب کراچی) ۲۰۰۴ء

SHAHID PUBLICATIONS
2253 DARYA GANJ NEW DELHI-110002